ابتدائی طالب علم سے مفتیٔ اعظم تک کے لئے یکساں مفید

مُنیۃ المُرِید

تعلیم و تعلّم کے آداب میں

تالیف

الشیخ زین الدّین بن علی العاملی المعروف

الشّہید الثّانیؒ

ترجمہ

محمد بشیر عالمی اسکردوی

منیۃ المرید

تعلیم و تعلّم کے آداب میں

تالیف

الشیخ زین الدّین بن علی العاملی المعروف

الشّہید الثّانیؒ
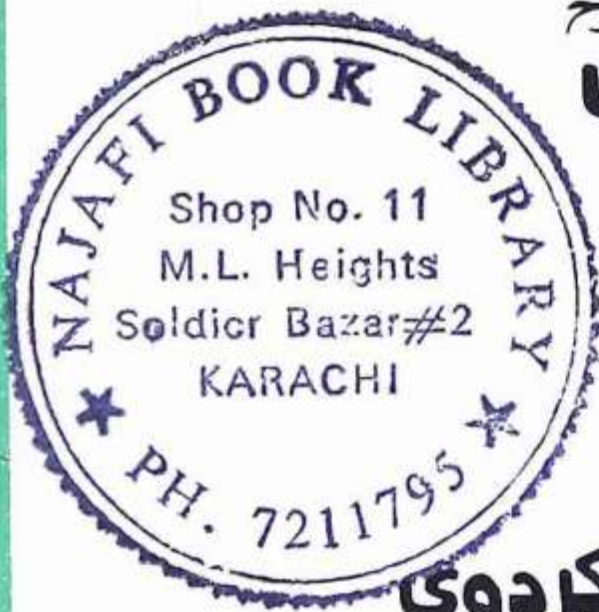
ترجمہ

محمد بشیر عالمی اسکردوی

کریم پبلیکیشنز لاہور

نام کتاب	....	منیة المرید
تالیف:	....	شیخ زین الدین بن علی العاملی معروف بہ شہید ثانیؒ
ترجمہ:	....	محمد بشیر عالمی اسکردو
نظرثانی	....	حجت الاسلام سید نسیم حسن رضوی صاحب
کمپوزنگ	....	محمد بشیر عالمی و محمد عابس عالمی
اشاعت	....	جنوری 2007ء
ناشر	....	کریم پبلی کیشنز لاہور
مطبع	....	کیو، وائی پریس لاہور
قیمت	....	200 روپے

نذرانہ عقیدت

اس ہستی کے نام جس نے کربلا کے تپتے صحرا میں خشک لبوں کے ساتھ ظلم کی طاقتوں کو کچل کر انسانیت کو جینے کا سلیقہ سکھایا۔

میرے آقا! اپنے نوکر کے اس ناچیز نذرانے کو شرف قبولیت عطا کر اور اس کو اپنی پیروی کرنے میں کامیاب بنا کیونکہ تو ہی زندگی کا نام ہے، تو نے ہی آدمیت کی لاج رکھی ہے۔ میرے آقا! کل محشر میں اپنی مادر گرامی کے حضور اس روسیاہ کی شفاعت فرما جس کا تیرے ہی ٹکڑوں پر گزارا ہے اور جو تیرے ہی در کا بھکاری ہے۔

فَاوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا

اِنَّ اللّٰہَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ

محمد بشیر عالمی عفی عنہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مطالب

....
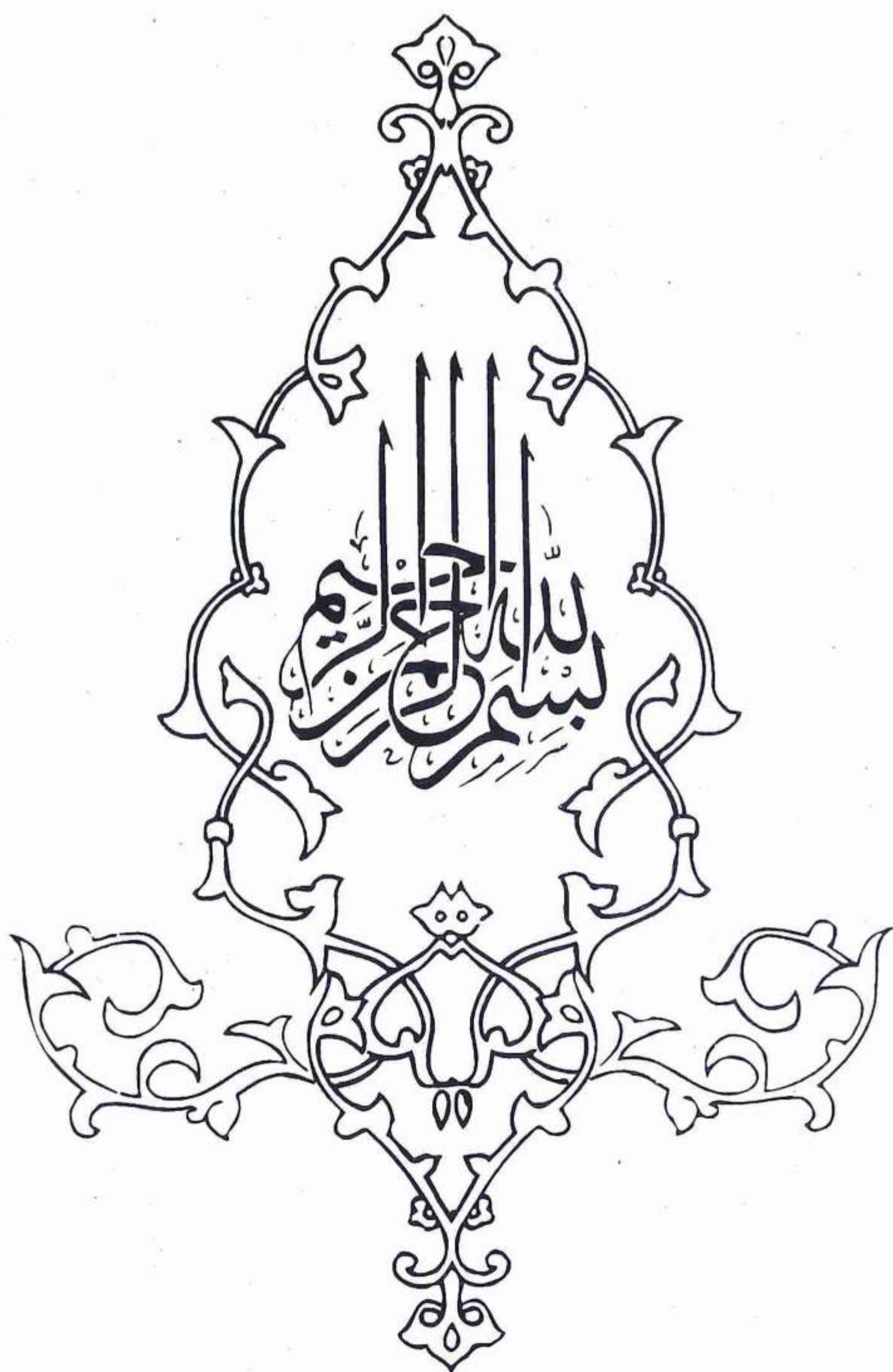
شہید ثانیؒ کی مختصر سوانح حیات

مرحوم شیخ زین الدین بن شیخ امام نور الدین بن احمد العاملی الشامی معروف بہ شہید ثانی مکتب تشیع کے عظیم فقیہ اور نامور علمائے دین میں سے تھے۔ آپ ۱۳ رجب ۹۱۱ ھ میں متولد ہوئے اور اپنے والد گرامی کی حیات میں انہیں کے پاس ابتدائی تعلیم مکمل کر لی۔ اس کے بعد میس نامی قریہ میں شیخ علی بن عبد العالی (۱) کے پاس اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا اور محقق حلیؒ کی کتاب، شرائع الاسلام، علامہ حلیؒ کی کتاب الارشاد اور علامہ مذکور ہی کی کتاب قواعد کے اکثر حصے کو انہیں کے پاس پڑھا۔

آپ کے علمی سفر

اس کے بعد آپ ''میس'' سے کرک نوح چلے گئے اور اصول فقہ اور نحو کو سید جعفر کرکی صاحبِ کتاب ''مجتہ البیضاء'' کے پاس پڑھا۔

۹۳۴ ھ میں جبع (اپنے وطن) میں واپس آئے اور ۹۳۷ ھ تک وہیں بحث و تحقیق اور مطالعہ و مذاکرہ میں مشغول رہے اور اسی سال دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور تقریبا ایک سال وہاں، شیخ

۱۔ شیخ علی میسی آپ کے استاد ہونے کے علاوہ آپ کے خالو اور سابقہ سسر بھی تھے۔

شمس الدین محمد بن مکی جو کہ اس زمانے کے عظیم فلاسفر اور حکیم تھے، کے پاس طب، فلسفہ اور علم نجوم کی کتابیں پڑھیں۔

۹۳۸ھ میں دوبارہ جبع لوٹ آئے لیکن علمی سرگرمیوں میں رکاوٹ کی وجہ سے وہاں زیادہ نہیں ٹھہر سکے لہذا دمشق کی طرف رہسپار ہوئے تا کہ وہاں سے مصر کی طرف جایا جا سکے۔ آپ نے مصر میں اپنے مختصر قیام کے دوران کتاب صحیح مسلم اور صحیح بخاری کو مدرسہ سلیمیہ میں شمس الدین طولون کے پاس پڑھا۔

شوال ۹۴۴ھ کو شہد ثانیؒ خانہ خدا، رسول اکرم ﷺ اور ائمہ ؑ کی زیارتوں کے لئے روانہ ہوئے اور صفر ۹۴۴ھ میں اپنے وطن جبع میں لوٹ آئے۔ ربیع الاول ۹۲۶ھ میں عتبات عالیات کی زیارت کی غرض سے عراق چلے گئے۔ ذی الحجہ ۹۴۸ھ میں بیت المقدس کی طرف سفر پر نکلے اور وہاں شیخ شمس الدین بن ابی اللطیف مقدسی کے پاس صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے کچھ حصے کو پڑھا اور آپ نے وہیں سے روایت نقل کرنے کا اجازت نامہ حاصل کیا۔

اس کے بعد مشرقی روم میں واقع صوب نامی شہر کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۷ ربیع الاول ۹۵۲ھ کو دمشق اور حلب کے راستوں سے ہوتے ہوئے قسطنطینہ پہنچے۔ اس عالی ہمت دانشمند نے وہاں کسی جگہ پناہ لے لی اور ۱۸ روز کی مختصر مدت میں ایک کتاب تحریر کی جو ۱۰ مختلف علوم کے مباحث پر مشتمل تھی۔

قسطنطینہ میں چار مہینے رہے، آپ وہاں بھی حسب معمول ایک لمحہ بھی ضائع ہونے نہیں دیتے تھے۔ اسی دوران آپ سید عبدالرحیم عباسی صاحب کتاب ''معاہد التنصیص'' کے ساتھ آشنا ہوئے اور ان کے ساتھ آمد و رفت کرتے رہے اور علمی میدان میں ان سے کافی استفادہ کیا۔

۱۱ رجب کو عراق کے راستے سے جبع لوٹ آئے اور اپنی واپسی میں ائمہ اطہار ؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس واپسی کے بعد جو کہ ۵ صفر ۹۵۳ھ کو واقع ہوئی تھی، سرانجام آپ بعلبک

نامی شہر میں اقامت گزیں ہوئے۔

آپ کی علمی شہرت

بَعلبَک میں قیام کے بعد علمی شہرت کے سائے میں آپ مرجعیت کے عہدے پر فائز ہوئے اور دور دراز علاقوں سے علماء اور دانشمند حضرات آپ کے علمی برکات سے دامن پر کر کے جاتے تھے۔

شہید ثانیؒ نے اسی شہر میں جامع سطح پر ایک تدریسی سلسلے کا آغاز کیا، چونکہ آپؒ پانچوں مذاہب یعنی جعفر، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فرقوں کے بارے میں علمی لحاظ سے پوری طرح آگاہ اور مسلط تھے لہذا آپ نے ان تمام مذاہب کی بنیاد پر اپنی تدریس کے سلسلے کو جاری رکھا۔ چنانچہ ان کے سلفِ صالح یعنی شیخ طوسیؒ نے پہلی بار اسلامی فقہ وحقوق تطبیقی کے عنوان پر ایک کتاب لکھی تھی، شہید ثانیؒ نے پہلی بار بعلبک میں فقہ تطبیقی کی تدریس شروع کی۔

اپنے وطن میں مستقل واپسی

آپ بَعلبَک میں پانچ سال کا ثمر بخش عرصہ گزارنے کے بعد اپنے اصل وطن جبع تشریف لے آئے اور وہیں تدریس و تالیف اور علمی سرگریوں میں مشغول ہوئے۔ کتاب امل الآمل میں منقلول ہے کہ شہید ثانی اپنی شہادت کے بعد ۲ ہزار کتابیں یادگار چھوڑ گئے تھے جن میں ۲۰۰ کتب خود اپنے خط مبارک سے لکھی تھیں جبکہ ان کی ایک تعداد آپ کے علمی آثار میں سے تھی اور کچھ دوسرے مؤلفین کی تھیں۔

آپ کی شخصیت کی عظمت

شیخ حسین بن عبد الصمد حارثی والد شیخ بہائی فرماتے ہیں: ایک دن میں شہید ثانیؒ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ بہت متفکر ہیں جب میں نے علت پوچھی تو فرمانے لگے: پیارے بھائی! میرا خیال ہے کہ میں شہید ثانی قرار پاؤں گا؛ کیونکہ میں نے خواب میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ کو دیکھا

ہے کہ ایک مجلس ضیافت تشکیل دی گئی ہے جس میں شیعہ علماء اور بزرگان شریک تھے۔ جب میں مجلس میں داخل ہوا تو سید مرتضی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور مجھے مبارکبادی دیتے ہوئے شہید اول کے پہلو میں بیٹھنے کا حکم دیا۔

شہید ثانیؒ کیوں شہید ہوئے؟

یہ بات ہر باضمیر انسان کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے کہ دنیا کے معمولی منافع اور غیر انسانی اہداف کی خاطر عظیم اور بابرکت ہستیوں کو قربان کیا جائے۔ شہید ثانیؒ بھی دوسرے شہیدوں کی طرح پست فطرتوں اور دنیا پرستوں کے ہاتھوں ذاتی اغراض کی خاطر شہید ہوئے۔

اہل جبع کے دو باشندوں نے اپنے باہمی نزاع کے فیصلے کے لئے شہید ثانیؒ کے پاس رجوع کیا۔ آپ نے شرعی قواعد وضوابط کی روشنی میں اپنا فیصلہ سنا دیا جو کہ ایک کے نفع اور دوسرے کے ضرر میں تمام ہوا۔ اس شخص نے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، قاضی صیدا کے پاس جا کر شہید ثانیؒ کی مخبری کر دی کہ آپ رافضی ہیں یوں اس نے قاضی کو آپؒ کو گرفتار کرنے پر ابھارا۔

قاضی صیدا نے ایک شخص کو شہید کی گرفتاری پر مامور کیا جب وہ شخص جبع میں پہنچ کر شہید کے بارے میں پوچھنے لگا تو لوگوں نے کہا وہ شہر میں نہیں ہیں۔

شہید ثانیؒ اپنے زمانے کی ناامنی کی بنا پر معمولاً گوشہ نشینی کی حالت میں رہتے تھے اور فقط صبح کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ اکثر اوقات خوف و ہراس میں بسر کرتے اور اپنے آپ کو منافقوں سے پنہاں رکھتے ہوئے تنہائی میں ہی تحقیق ومطالعہ اور تألیف میں سرگرم رہتے تھے۔

جب مذکورہ مأمور داخلِ شہر ہوا تو اس وقت یہ بزرگ اپنے انگوروں کے باغ میں کتاب ''روضۃ البہیۃ'' معروف ''بہ شرح لمعہ'' کی تالیف میں مشغول تھے۔ بہر حال یہ مامور آپ کو

گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی دوران شہید ثانیؒ کو حج پر جانے کا خیال آیا لہذا مکہ کی طرف روانگی کے لئے اسباب سفر مہیا کئے پھر ایک سر پوش محمل میں سوار ہوئے تا کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ پائے۔

قاضی صیدا نے، سلطان روم (عثمانی) کو ایک خط میں لکھا کہ: سرزمین شام میں ایک عالم زندگی بسر کرتا ہے جو بدعت گزار اور مذاہب اربعہ کا مخالف ہے اور ہر وقت اپنے عقائد کی تبلیغ و پرچار میں لگا رہتا ہے۔

سلطان سلیمان نے اپنے رستم پاشا نامی وزیر کو دستور دیا کہ شہید کو گرفتار کرنے کے لئے کسی آدمی کو مامور کرے اور ان کو زندہ گرفتار کر کے حاضر کیا جائے تا کہ استانبول کے علماء کے ساتھ مناظرہ ومباحثہ کرا کے اس کے اصل عقیدہ کا کھوج لگایا جا سکے۔

جب مامور جمع پہنچ کر شہید کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا تو اسے کہا گیا کہ آپ حج پر گئے ہوئے ہیں۔ اس مامور نے اپنے آپ کو مکے کے راستے میں شہید ثانی تک پہنچایا اور انہیں گرفتا کرلیا۔ شہید ثانیؒ نے فرمایا: مجھے حج کے لئے جانے دو، میں فرار نہیں کروں گا بلکہ تمہارے زیر نظر حج کے مناسک انجام دوں گا پھر اس کے بعد جیسا تم چاہو میرے ساتھ رویہ اختیار کرو۔

ماموراس بات پر راضی ہوا کہ شہید مراسم حج کو ادا کریں۔ اس کے بعد آپ کو روم لے جایا گیا۔ جب روم میں داخل ہوئے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے مامور سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ کہا کہ مکتب تشیع کے علماء میں سے ہیں جنہیں سلطان کے حکم کے مطابق انہیں کی خدمت میں لے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا: تم نے راستے میں اس آدمی کی توہین کی ہے اور اسے اذیت پہنچائی ہے لہذا ممکن ہے سلطان کے حضور میں تیری شکایت ہو جائے اور اس کے دوست اس کی حمایت میں کھڑے ہو کر تم سے انتقام لیں بلکہ ممکن ہے کہ تم کو جان سے مار ڈالیں۔

لہذا مصلحت اسی میں ہے کہ تم یہیں پر ہی ان کا کام تمام کر دو اور ان کے سر کو تن سے جدا کر کے سلطان کے پاس لے جاؤ۔ اس پست فطرت اور ذلیل شخص نے علم و آگہی کے اس خزانے کو وہیں دریا کے کنارے شہید کر دیا۔ جب اس ہستی کے سر کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے دیکھ کر سلطان آگ بگولہ ہوا اور مامور کو برا بھلا کہتے ہوئے پوچھا: میں نے تم کو انہیں زندہ لانے کا حکم دیا تھا تم نے کس جواز پر انہیں قتل کر دیا؟

سید عبدالرحیم عباسی جو کہ پہلے سے شہد ثانیؒ کے ساتھ آشنائی رکھتے تھے، نے جب آپ کا بریدہ سر کو دیکھا تو بہت متاثر ہوئے اور یہ کوشش کرنے لگا کہ سلطان کو بھڑکا کر اس پلید شخص سے اس قتل کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ آخر کار وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا اور سلطان نے قتل کے جرم میں اس مامور کو سزائے موت سنا دی۔

آپ کی تاریخ شہادت میں دو اقوال پائے جاتے ہیں: بعض نے ۹۶۵ھ بتایا ہے جبکہ بعض نے ۹۶۶ھ ذکر کیا ہے۔

آپ کی تالیفات:

شہید ثانیؒ نے فقہ، اصول فقہ، کلام، علم حدیث، اخلاق و عرفان، تفسیر اور اجازات کے موضوعات پر مختلف کتابیں تالیف کی ہیں کہ جن کی مجموعی تعداد ۸۰ بتائی جاتی ہے۔ (آداب تعلیم و تعلم ص ۲۴/ از ڈاکٹر سید محمد باقر حجتی)

....

مقدمہ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ، و صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ وَ عَبدِهٖ وَ نَبیّه مُحَمّدٍ، اَفْضَلِ مَنْ عُلِّمَ وَ عَلَّمَ ، وعَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْمُتَادِّبِینَ بِآدَابِهٖ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَآئِهِم۔

پالنے والے کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ جس نے اس بابرکت کتاب کے ترجمے کو حقیر کے ہاتھوں انجام کو پہنچایا۔ منیۃ المرید شہید ثانیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے جو تعلیم و تعلم، تالیف و تحقیق اور فتوی کے آداب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت اور محبوبیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تعریف میں لکھے گئے تقریظات بھی ایک مستقل کتاب کی شکل میں چھاپی جا سکتی ہے۔

فقیہ عالیقدر مرحوم آیت اللہ حاج میرزا محمد حسن حسینی معروف بہ میرزائے شیرازیؒ

صاحبان علم اور دینی طالب علموں کو اس کتاب کے مطالعے کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیا ہی اچھا ہوگا اگر اہل علم اس کتاب شریف کے مطالعے کے بارے میں کوشاں رہیں اور اس میں مذکور آداب کو اپنائیں۔''

تعلیم و تعلّم کے آداب میں شہید ثانیؒ سے پہلے اور ان کے بعد میں بھی بہت سے دانشمندوں نے کتابیں لکھی ہیں جیسے فارابی نے کتاب ''آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ والسیاسۃ''، ابن مسکویہ رازی نے ''طاہراۃ الاعراق''، عبدالبر اندلسی نے ''جامع بیان العلم والفضلاء'' اور ابن خلدون نے ''مقدمۃ العبر'' میں اور اس کے علاوہ بہت سے دانشمندوں نے اپنی اخلاقی اور عرفانی کتب میں اس سلسلے میں گفتگو کی ہیں۔

شہید ثانیؒ سے پہلے شیعہ علماء میں سے جنہوں نے تعلیم و تربیت کے موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے وہ خواجہ طوسیؒ ہیں جنہوں نے کتاب ''آداب المتعلمین'' کو اسی موضوع پر لکھا تھا۔ بعض کے نزدیک اس کتاب کے خواجہ طوسی سے منسوب ہونے میں تردید پائی جاتی ہے۔ بہر حال انہوں نے اس کتاب میں طالب علموں کے وظائف اور آداب پر روشنی ڈالی ہے۔ (آداب تعلیم و تعلم فارسی ص ۲۰ / از ڈاکٹر سید محمد باقر حجتی، چھاپ قدیم)

اس کے علاوہ ان کے بعد بھی بہت سے صاحبان علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے لیکن جو مقبولیت اور شہرت منیۃ المرید کو ملی ہے وہ کسی اور کتاب کو نصیب نہ ہوئی۔

اس کتاب کے ہر جملے میں شہید ثانیؒ کے لہو کی مہک اور اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے جو قدم قدم پر قاری کے دل و دماغ کو معطر کرتی ہے۔ یہ کتاب ابتدائی طالب علم سے لیکر مفتی اعظم تک سبھی کے لئے یکساں مفید ہے۔ ہر ایک اس میں پائے جانے والے نورانی

اور انمول موتیوں سے اپنا دامن نیاز پر کر سکتا ہے۔

موجودہ دور میں جہاں علم کی بنیاد اور نقطہ آغاز ہی مادیت پر ہوتا ہے وہاں شہید ثانیؒ اس کتاب میں ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ علم کا اصل ہدف اور غرض کیا ہونا چاہئے اور کیونکر علم سیکھ کر دونوں جہانوں کی خوشیوں اور سعادتوں کو پایا جا سکتا ہے۔ علم کی قدر و منزلت اور اہلِ علم کا مرتبہ آپ کو اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ حقیر کی نظر میں اس کتاب شریف کو ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ عمر بھر دھراتا رہنا چاہئے تاکہ ہمارے زنگ آلود دل اس کے صیقل سے جلا پاتے رہیں۔

اس انمول کتاب کے ترجمے کے لئے تو کئی سالوں سے دل مچل رہا تھا اور ایک دفعہ قلم بھی اٹھایا تھا لیکن شاید مصلحت اسی میں تھی کہ طویل مدت تک یہ کام معطل رہا مگر چند سال گزرنے کے بعد توفیق الٰہی اور ائمہ ہدیٰ بالخصوص امام رؤف حضرت علی بن موسیٰ الرضا کی عنایتیں شامل حال ہوئیں اور ایک دفعہ قلم میں پھر جنبش آئی اور ایک سال کی مدت میں اس سفر کو طے کرتا ہوا سرانجام اپنی منزل مقصود کو پا لیا۔ یہ سب تمہارا کرم ہے آقا!

کتاب کی ضخامت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب کے ترجمے میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے بایں معنی کہ احادیث کے متون میں سے صرف انہیں کے لکھنے پر اکتفا کی گئی ہے جو بہت مختصر اور زیادہ مبتلا بہ ہیں۔ اسی طرح اصل کتاب میں ہر حدیث کیلئے دیئے گئے کئی مآخذ اور منابع کے حوالوں میں سے صرف ایک کو درج کیا ہے جبکہ بعض مقامات پر منیۃ المرید ہی کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ مطلوبہ حدیث نکالنے میں زیادہ آسانی ہو۔

میں اس سلسلے میں جناب حجۃ الاسلام سید نسیم حسن صاحب قبلہ کا شکریہ ادا کرنا اپنے اوپر

واجب سمجھتا ہوں جنہوں نے اس ترجمے کو دقت اور غور سے پڑھا اور اس میں موجود نقائص کا ازالہ فرمایا۔ درحقیقت انہیں کی تشویق اور حوصلہ افزائیوں کے نتیجے میں یہ ترجمہ معرض وجود میں آچکا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حقیر نے ان کے علمی ذخیروں سے بہت استفادہ کیا ہے۔

میں اپنے فرزند عزیز محمد عابس عالمی اور رضا عابد عالمی کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ میں میرا ہاتھ بٹایا، خدا کرے کہ یہ توفیق بڑھتی ہی جائے۔

میں آخر میں کریم پبلی کیشنز کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس نے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کے سلسلے میں حقیر کے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا۔

وَالسَّلامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

العبد

محمد بشیر عالمی اسکردوی مشہد مقدس

۱۹ شعبان المعظم ۱۴۲۷ ہجری قمری ۱۳/ستمبر ۲۰۰۶

مقدمہ

یہ مقدمہ، قرآن، احادیث اور عقل کی رو سے علم، صاحبان علم اور طلّاب علم کے فضائل سے متعلق چند تنبیہات پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل

جان لو کہ اللہ تعالی نے علم کو تمام عالم بالا اور عالم پستی کی خلقت کا اصل سبب قرار دیا ہے اور علم کی عظمت اور شرف کیلیئے یہی کافی ہے کہ پروردگار نے اپنی کتاب میں، صاحبان علم کے لئے بصیرت آمیز نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوَاتٍ وَ الاَرضِ مِثلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الاَمرُ بَینَھُنَّ لِتَعلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ وَ اَنَّ اللّٰہَ قَد اَحَاطَ بِکُلِّ شَیءٍ عِلماً. (طلاق/۱۲)

یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اسی طرح (سات) زمینوں کو بھی، ان میں اللہ کا حکم اترتا ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور خدا اپنے علم سے ہر چیز پر محیط ہے۔"

یہی آیت علم کی شرافت پر دلالت کیلئے کافی ہے مخصوصا علم توحید جو ہر علم کی بنیاد اور تمام معرفتوں کا محور ہے۔

خدائے سبحانہ تعالیٰ نے علم کو مجد و شرف میں اعلیٰ مقام عطا کیا ہے اور اس کو اولاد آدم پر، ان کو عدم کے ظلمت کدہ سے ضیائے وجود میں لانے کے بعد، کئے گئے احسانوں میں سب سے پہلا احسان قرار دیا ہے لہذا اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کئے گئے سب سے پہلے سورے میں ارشاد ہوتا ہے:

"اِقرأ بِاسمِ رَبّکَ الّذی خَلَقَ .خَلَقَ الانسانَ مِن عَلَقٍ . اقرأ وَربُّکَ الاکرَمُ . الّذی عَلَّم الانسَانَ بِالقَلَم. عَلَّم الانسَانَ مَالَم یَعلَمْ. (اے رسول) پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے، اسی نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی، اسی نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا ہی نہ تھا۔" (علق ۱/-۹)

ذرا سوچئے کہ کس طرح پروردگار عالم نے اپنی کتاب مجید کا [جس کا نہ تو آگے سے باطل کا گزر ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، اور یہ تمام خوبیوں والے خدائے حکیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے: لَا یاتیهِ البَاطِلُ مِن بَینَ یَدَیهِ ، وَلاَ مِن خَلفِهِ تنزِیلٌ مِن حَکِیمٍ حَمِیدٍ. (فصلت/۴۲)]

نعمت خلقت کے ذریعے آغاز کیا ہے پھر اس کے ساتھ ہی نعمت علم کا ذکر کیا ہے۔ س اگر نعمت خلقت کے بعد علم کے علاوہ کوئی اور چیز اس سے برتر اور اعلیٰ ہوتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسی چیز کو یہ عظمت عطا کرتا اور اسی کو نور ہدایت کا سرچشمہ، راہِ مستقیم کی طرف راہنمائی کا ذریعہ اور برتری، دقیق معانی اور بلاغت کا حامل قرار دیتا۔

اس سورہ کے آغاز میں، جس کی بعض آیتیں جمے ہوئے خون سے انسان کی خلقت کے بارے میں ہیں اور بعض انسان کو ان چیزوں کی تعلیم کے بارے میں ہیں جن کو وہ جانتا ہی نہ تھا تاکہ اسی ترتیب سے آیتوں کے لفظی اور معنوی ترتیب میں نکھار اور حسن پیدا ہو؛ علم سے متعلق مذکور آیتوں کی مناسبت کی بابت میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی وجہ: اس میں خدائے متعال نے انسان کا سب سے پہلا مرحلہ جو کہ جما ہوا خون اور پست ترین شے ہے، کو بیان فرمایا ہے اور اس کے ساتھ اس کا آخری مرحلہ بھی بیان فرمایا ہے جو کہ اس کا عالم ہونا ہے اور یہ سب سے عظیم مرتبہ ہے تو گویا پروردگار نے یوں فرمایا ہے کہ:

''اے انسان! تم اپنی ابتدائی حالت میں اس درجہ کے حامل تھے جو نہایت گھنونی تھا اور آخر میں اس مرتبہ کا مالک بن گئے جو شرف اور پاکیزگی کا اعلیٰ مقام ہے۔'' اور یہ سب کچھ صرف اسی وقت ممکن ہے کہ علم سب مراتب میں مافوق ہو۔ چونکہ اگر علم کے سوا کوئی اور شے برتر ہوتی تو یقیناً اس کا ذکر سب سے پہلے ہوتا۔

پروردگار نے فرمایا:

''وَرَبُّکَ الاَکرَمُ . الَّذِی عَلَّمَ الاِنسَانَ بِالقَلَم. عَلَّمَ الاِنسَانَ مَالَم یَعْلَمْ.
اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی، اسی نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا ہی نہ تھا۔''

اصول فقہ میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ: ''صفت پر کسی حکم کا مرتب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ وصف اس حکم کی علت ہے۔'' لہذا یہ قانون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو اس لئے کرامت و شرافت کے ساتھ ممتاز کیا ہے کہ اس نے انسان کو علم سے آراستہ کیا تو اگر کوئی اور چیز علم سے زیادہ فضیلت اور پاکیزگی کا حامل ہوتی تو بلاشبہ

اس کو اسم تفضیل کے ذریعے افضل اور اشرف قرار دیتا۔ (تفسیر رازی ج ۲/ ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے اور اس کو اپنانے کا دارومدار قبول نصیحت پر رکھا ہے اور خوف کو صرف علماء میں محصور کیا ہے، لہذا ارشاد ہوتا ہے:

"سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَخْشیٰ وَ اِنَّما یَخْشیٰ اللہَ مِنْ عِبادِہِ الْعُلماءِ. یعنی (خدا سے) ڈرنے والے ہی نصیحت پاتے ہیں اور اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے ڈرنے والے ہیں۔" (فاطر/۲۸)

ایک اور مقام پر پروردگار نے علم کو حکمت سے تعبیر کیا ہے اور حکمت کو امر عظیم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَمَن یُّؤتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ أُتِیَ خَیراً کَثِیراً. اور جس کو حکمت عطا کی گئی ہے تو یقیناً اس کو خیر کثیر عطا کی گئی ہے۔" (بقرہ/۲۶۹)

اور حکمت کے بارے میں مفسرین کے اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ حکمت سے مراد علم وفہم اور نبوت ہے جیسے ان آیتوں میں ہے: "وَمَن یُّؤتَ الْحِکْمَۃَ" "وَ آتَیْنَاہُ الْحُکْمَ صَبِیّاً" وَ آتَیْنَا آلَ اِبْرَاھِیمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ" تو یہ سب علم کی طرف پلٹتی ہیں۔ (بقرہ/۲۶۹، مریم/۱۲، نساء/۵۴)

اور پروردگار نے علماء کو تمام غیر علماء پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"هَل یَستَوِی الَّذِینَ یَعْلَمُونَ وَالَّذِینَ لا یَعْلَمُونَ. اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الاَلْبَابِ. کیا وہ لوگ جو جاننے والے ہیں اور وہ لوگ جو جاننے والے نہیں، برابر ہیں؟ بے شک نصیحت تو صاحبان عقل ہی پاتے ہیں۔" (زمر/۹)

اور رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں دس چیزوں کے درمیان فرق ڈالا ہے:

خبیث اور پاکیزہ کے درمیان، قُل هَل یَستَوِی الخَبِیثُ وَ الطَّیِّبُ اندھا اور بینا کے درمیان، ظلمت اور نور کے درمیان، جنت اور جہنم کے درمیان، ٹھنڈک اور حرارت کے درمیان؛ اور جب آپ ان کی تفسیر پر غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ ان سب کا مرجع علم ہی ہے۔

خدائے سبحانہ نے اہل علم کو اپنے اور اپنے فرشتوں کے قرین قرار دیا ہے لہذا فرمایا:

شَهِدَ اللهُ اَنَّـهُ لاَ اِلٰـهَ اِلَّاهُوَ وَالْمَلاَئِکَةُ وَاُولُوا العِلْمِ. اللہ اس کے فرشتے اور صاحبان علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (آل عمران/۱۸)

وَمَایَعْلَمُ تَأوِیْلَهُ الَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلمِ. (اور اس کتاب) کے حقیقی معنی صرف اللہ اور وہی لوگ جان سکتے ہیں جو علم میں پختہ ہیں۔ (آل عمران/۷)

قُلْ کَفٰی بِااللهِ شَهِیداً بَیْنِی وَ بَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْکِتَابِ. کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کیلئے اللہ اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ (رعد/۴۳)

یَرْفَعُ اللهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَ الَّذِینَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات. اللہ تم میں سے اہل ایمان اور ان لوگوں کے درجات بلند کردے گا جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ (مجادلہ/۱۱)

اللہ نے اپنی کتاب میں چار صنف کے لوگوں کے لئے مقام و درجات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤمِنُونَ الَّذِیْنَ اِذَاذُکِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ... لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَرَبِّهِمْ. مومن تو وہی ہیں جب ان کے سامنے خدا کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف خدا سے نرم ہو جاتے ہیں...ان کے لئے اپنے رب کے پاس درجات ہیں۔ (انفال/۲-۴)

۲. وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِینَ. اور خدا نے مجاہدوں کے لئے فضیلت عطا کی ہے۔

(نساء/۹۵)

۳. وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى . اور جو مومن بن کر اللہ کے پاس حاضر ہوگا اور اس نے اچھے اعمال بھی انجام دئے ہونگے تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں۔ (طٰہ/۷۵)

۴۔ يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات. اللہ تم میں سے اہل ایمان اور ان لوگوں کے درجات بلند کردے گا جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔(مجادلہ/۱۱)

اللہ تعالیٰ نے بدر کے مجاہدوں کو دوسرے مؤمنوں پر فضیلتیں عطا کی ہیں اور علماء کو تمام طبقوں پر درجات عطا کئے ہیں لہذا خود بخود ثابت ہوا کہ علماء تمام لوگوں سے افضل و برتر ہیں۔ (تف ر/ج ۲ص ۱۷۰۔۱۸۰)

پروردگار عالم نے اپنی کتاب میں علماء کو پانچ کمالات کے ساتھ ممتاز کیا ہے:

۱. وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلمِ يَقُولُونَ آمَنَّابِهِ. اور راسخین علم کہتے ہیں کہ ہم نے اس (اللہ) پر ایمان لایا۔ (مجادلہ/۱۱)

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّاهُوَ وَالْمَلائِكَةُ وَأُولُو العِلْمِ. اللہ اس کے فرشتے اور صاحبان علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔(آل عمران/۱۸)

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا العِلْمَ مِن قَبلِهِ....وَيَخِرُّونَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُونَ. بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دئے گئے ہیں...ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔ (اسراء/۱۰۷۔۱۰۹)

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِن عِبَادِهِ الْعُلَمَاءِ . اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔" (فاطر/۲۸)

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر اپنے نبی کریمؐ کو، علم وحکمت سے مالا مال کرنے کے باوجود حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْماً. پروردگارا میرے علم میں اضافہ فرما۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِی صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ. بلکہ یہ روشن نشانیاں ہیں جو ان الوگوں کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔ (عنکبوت/۴۹)

وَتِلْکَ الاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَايَعْقِلُهَااِلاَّ الْعَالِمُونَ. اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں مگر ان کو علم رکھنے والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (عنکبوت/۴۳)

یہ تھا فضائل علم کا خلاصہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

....

دوسری فصل

ان احادیث نبوی پر مشتمل ہے فضیلتِ علم میں ارشاد فرمائی گئی ہیں

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَن یُرِدِ اللہُ بِہٖ خَیراً یُفَقِّھهُ فِی الدِّیْنِ.

اللہ جس شخص کے ساتھ خیر و بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے عالم دین بنا دیتا ہے۔ (منیۃ المرید ص۹۹۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

طَلَبُ الْعِلمِ فَرِیضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ . علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
(منیۃ المرید ص۹۹۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَادْرَکَهُ کَتَبَ اللہُ لَهُ کِفْلَینِ مِنَ الْاَجْرِ، وَ مَنْ طَلَبَ عِلماً فَلَم یُدْرِکْهُ کَتَبَ اللہُ کِفلاً مِنَ الاَجْرِ.

جس نے علم تلاش کی اور اسے پالیا تو خدا تعالیٰ اسے دوگنا اجر عطا کرے گا اور جس نے علی کی جستجو کی اور اسے نہ پایا تو خدا اس کے لئے ایک اجر لکھتا ہے۔ (منیۃ المرید ص۹۹۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

مَن اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ عُتَقَاءِ اللہِ مِنَ النَّارِ فَلْیَنظُرْ الی الْمُتَعَلِّمِیْنَ، فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ یَختَلِفُ اِلٰی بَابِ الْعَالِمِ کَتَبَ اللہُ لَهُ بِکُلِّ

قَـدَمٍ عِبَـادَةَ سَنَةٍ، وَبَنَى اللهُ لَـهُ بِكُلِّ قَدَمٍ مَدِينَةً فِي الْجَنَّةِ، وَيَمْشِي عَلَى الاَرْضِ وَهِـيَ تَسْتَغْفِرُ لَهُ، وَيُمْسِي وَيُصْبِحُ مَغْفُوراً لَهُ، وَشَهِدَتِ الْمَلآئِكَةُ اَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللهِ مِنَ النَّارِ.

جو اللہ کے، (جہنم کی) آگ سے آزاد کردہ لوگوں کو دیکھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ طلاّب کو دیکھے، چونکہ اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے، ہر طالب علم جو عالم کے در پر آتا جاتا ہے، خدا اس کے لئے ہر قدم پر ایک سال کی عبادت (کا ثواب) لکھتا ہے اور ہر قدم پر اس کے لئے جنت میں ایک شہر بناتا ہے اور جب وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لئے طلبِ مغفرت کرتی ہے؛ اور وہ ایسی حالت میں صبح اور شام کرتا ہے کہ اس کے گناہ بخشد ئے گئے ہوں گے اور فرشتے گواہی دیں گے کہ یہ اللہ کا، جہنم سے آزاد کردہ ہیں۔ (منیۃ المرید ص۱۰۰۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ طَلَـبَ الْعِـلْـمَ ،فَهُـوَ كَـالصَّائِمِ نَهَارُهُ الْقَائِمِ لَيْلَهُ، اِنَّ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ خَيرٌ لَهُ مِن اَن يَكُونَ اَبُو قُبَيسُ ذَهَباً فَانْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ.

جس نے علم تلاش کیا تو وہ اس شخص کے مانند ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات عبادتوں میں کاٹتا ہے۔ بلاشبہ آدمی کے لئے علم کا ایک باب سیکھنا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لئے (کوہِ) ابوقبیس سونا بنے پھر وہ اسے راہِ خدا میں تقسیم کرے۔ (منیۃ المرید ص ۹۹۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ جَـائَهُ الْمَوتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الاِسْلاَمَ كَانَ بَينَهُ وَ بَينَ الاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.

جس کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ احیاء اسلام کے لئے علم حاصل کر رہا ہو تو،

جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۰۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُونَ دَرَجَةٍ ، بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ حُضْرُ الْفَرَسِ سَبْعِينَ عَاماً، وَذَالِكَ لِاَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيلُها ، وَالعَابِدُ يُقْبِلُ عَلىٰ عِبَادَتِهِ

عالم کو عابد پر ستّر درجہ فضیلت ہے اور ہر درجہ کے درمیان تیز دوڑ گھوڑے کے ستّر سال کی رفتار کا فاصلہ ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ شیطان لوگوں کے درمیان بدعت ڈالتا ہے اور عالم اسے دیکھ کر ختم کر دیتا ہے۔ جبکہ عابد اپنی عبادت پر لگے رہتا ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۱۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدناكُم، اِنّ اللهَ وَ مَلآئِكَتَهُ وَ اَهْلَ السَّمَاوَاتِ وَ الاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةِ فِي حُجْرِهَا ، وَحَتّٰى الْحُوتِ فِي الْمَاءِ لَيُصَلُّونَ عَلىٰ مُعَلِمِ النَّاسِ الْخَيْرَ.

عابد پر عالم کی فضیلت، تم لوگوں پر میری فضیلت کے مانند ہے۔ بیشک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں میں بسنے والے حتی کہ سوراخوں میں بسنے والی چیونٹیاں اور پانی میں رہنے والی مچھلیاں بھی، لوگوں کو تعلیم خیر دینے والے معلّم پر درود بھیجتی ہیں۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۱۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

مَن خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ.

جو تلاش علم میں نکلتا ہے تو وہ راہِ خدا میں ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۱۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

آپ ﷺ نے مولا علی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

مَن خَرَجَ يَطلُبُ باباً مِنَ العِلمِ لِيَرُدَّبِهِ باطِلاً الیٰ حقٍّ ، وضآلاًّ اِلیٰ هُدًی کانَ عَمَلُه کَعِبادَةِ اَربَعِینَ عاماً.

جوعلم کا ایک باب سیکھنے کے غرض سے نکلے گا تا کہ اس کے ذریعے باطل کو حق کی طرف اور گمراہ کو ہدایت کی طرف لوٹائے تو اس کا یہ عمل ستّر سالہ عبادت کے مانند ہوگا۔

آپ ﷺ نے معاذ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لَاَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجلاً وَاحِداً خَیرٌ مِن اَنْ یَکُونَ لَکَ حُمْرُ النِّعَمِ.

بے شک خدا کا آپ کے ذریعے کسی شخص کو خیر کی طرف ہدایت کرنا آپ کے لئے اعلیٰ قسم کے مال و دولت سے بہتر ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق یہی جملہ آپؐ نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۱۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَاَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجلاً وَاحِداً خَیرٌ مِنَ الدُّنیا وَمَا فِیهَا.

بے شک خدا کا آپ کے ذریعے کسی شخص کو خیر کی طرف ہدایت کرنا دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔

(احیاء علوم الدین، ج ا ص ۹)

رَحِمَ اللّٰهُ خُلَفَائِی. فَقِیلَ: یَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَن خُلَفَائُکَ؟ قَالَ: اَلَّذِینَ یُحْیُونَ سُنَّتِی وَیُعَلِّمُونَهَا عِبادَ اللّٰهِ.

خدا میرے خلفاء پر رحم کرے تو پوچھا گیا: یا رسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میری سنت کو دوست رکھتے ہیں اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ا ص ۵۵)

اِنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِي بِهِ مِنَ العِلمِ وَالهُدیٰ کَمَثَلِ غَیثٍ اَصابَ اَرضاً ، وَکانَ مِنها طائِفَةٌ طَیِّبَةٌ، فَقَبِلَتِ المَاءَ فَانبَتَتِ الکَلأَ وَ العُشبَ الکَثِیرَ وَکانَ مِنهَا اَجادِبُ اَمسَکَتِ المَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا اللّٰهُ النَّاسَ وَشَرِبُوا مِنهَا ، وسَقَوا وَزَرَعُوا ، وَاَصابَ طَائِفَةً مِنهَا اُخریٰ اِنَّمَا هِیَ قِیعَانٌ لا تُمسِکُ مَاءً وَلاَ تُنبِتُ کَلأً ، فَذالِکَ مَثَلُ مَن فَقُهَ فِي دِینِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِه فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ ، وَمَثَلُ مَن لَم یَرفَع بِذالِکَ رَأساً وَلَم یَقبَل هُدَااللّٰهِ الَّذِی اُرسِلتُ بِه.

بے شک، جس علم وحکمت کے ساتھ خدا نے مجھے مبعوث کیا ہے، اس کی مثال زمین پر پڑنے والی بارش کی سی ہے؛ تو زمین میں سے کچھ حصہ ذرخیز ہوتا ہے جو بارش کو جذب کرتا ہے اور اس سے خوب گھاس سبزے اگ آتے ہیں، اور کچھ حصہ سخت ہوتا ہے جو پانی کو روکتا ہے (جمع کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے لوگوں کو منفعت پہنچاتا ہے اور لوگ اس پانی سے پیتے پلاتے اور کھیتی باڑی کرتے ہیں، اور اس زمین میں سے ایک حصہ چٹان ہوتا ہے جو نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ کوئی سبزہ ہی اگاتا ہے؛ ایسی ہی مثال اس شخص کی ہے جو دین خدا کو سمجھے اور اس کے لئے وہ چیزیں فائدہ پہنچائیں جن کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور وہ ان چیزوں کو سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے؛ اور اسی (زمین کے کچھ حصے کے بارش کو جذب کر کے سبزے اگانے اور بعض حصے کے چٹان ہونے) کی مثال اس شخص کی بھی ہے جو علم کے ذریعے بالکل رفعت حاصل نہیں کرتا اور خدا کے میرے ساتھ بھیجے ہوئے ہدایات کو قبول نہیں کرتا۔ (احیاء علوم الدین، ج ا ص ۱۷)

لاَ حَسَدَ (یَعنِی لاَ غِبطَةَ) اِلاَّ فِي اِثنَینَ : رَجُلٍ آتاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلیٰ هَلَکَتِهِ فِي الحَقِّ، رَجُلٍ آتاهُ اللّٰهُ الحِکمَةَ ، فَهُوَ یَقضِي بِهَا وَیُعَلِّمُهَا.

حسد یعنی (غبطہ کرنا) کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے سوائے دو افراد کے: اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت عطا کی ہو اور وہ اس کی وساطت سے فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۰۷)

مَنْ دَعَا الیٰ هُدی کَانَ لَه مِن الاَجْرِ مِثْلُ اُجُورِ مَن تَبِعَه، لا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِن اَجْرِهِ شَیْئاً، وِمَن دَعا الیٰ ضَلالَةٍ کَانَ عَلیهِ مِنَ الاثْمِ مَثْلُ آثَامِ مَن تَبِعَهُ، لایَنْقُصُ ذٰلِکَ مِن آثَامِهِمْ شَیئاً.

جو (لوگوں کو) حق کی طرف بلالے گا اس کے لئے حق کی طرف بلانے والوں کی پیروکاروں کے برابر اجر ہوگی اور یہ اجر ان حق کے پیروکاروں کے ثواب میں کمی ہونے نہیں دیتی اور جو (لوگوں کو) راہ گمراہی کی طرف بلائے گا اس کے لئے راہ گمراہی پر چلنے والوں کے مانند گناہ ہوگا اور اس راہ پر چلنے والوں کے گناہوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

(سنن ترمذی ج ۵ ص ۴۳)

اِذَا مَاتَ ابنُ آدَمَ انقَطَعَ عَمَلُهُ الاَّ مِنْ ثَلاثٍ : صَدَقَةٍ جارِیَةٍ، اَوعِلمٍ یُنْتَفَعُ بِه، اَوْ وَلدٍ صَالِحٍ یَدْعُولَه.

جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال (کا سلسلہ) ختم ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے: ۱۔صدقہ جاریہ ۲۔علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو۔۳۔اولاد صالح جو اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۳۰)

خَیرُ مَا یَخْلُفُ الرَّجُل مِن بعدِهِ ثلاثٌ: وَلدٌ صَالِحٌ یَدْعُولَه، وَصَدَقَةٌ تَجْرِی یَبْلُغُه اَجْرُهَا، عِلْمٌ یُعْمَلُ بِه مِن بَعدِه.

بہترین چیز جو آدمی کے مرجانے کے بعد (دنیا میں) رہ جاتی ہیں وہ تین ہیں: نیک

اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے، ایسا صدقہ جس کا سلسلہ جاری ہو اور اس کا ثواب اس (میت) کو مل رہا ہو اور ایسا علم جس پر اس کے بعد بھی عمل کیا جا رہا ہو۔ (سنن بن ماجہ ج اس ۸۸)

مزید فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَلائِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتِھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضاً بِمَا یَصْنَعُ.

بیشک طالب علم کی کوششوں سے خوش ہو کر فرشتے ان کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (سنن الدارمی ج اص ۱۰۱)

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَو بِالصِّیْنِ.

علم حاصل کرو اگر چہ چین تک جانا پڑے۔ (احیاء علوم الدین، ج ا،ص ۸)

مَنْ غَدَا فِی طَلَبِ الْعِلْمِ اَظَلَّتْ عَلَیہِ الْمَلآئِکَۃُ ، وَبُورِکَ لَہُ فِی مَعِیْشَتِہٖ، وَلَمْ یُنْقَصْ مِنْ رِزْقِہٖ.

جو صبح سویرے علم کی تلاش میں نکلتا ہے فرشتے اس پر سایہ کرتے ہیں اور اس کی معیشت میں برکت آئے گی اور اس کے رزق میں کمی نہیں ہوگی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ا،ص ۵۴)

مَن سَلَکَ طَرِیقاً یَلْتَمِسُ بِہٖ عِلماً سَھَّلَ اللّٰہُ لَہُ طَرِیقاً اِلَی الْجَنَّۃِ .

جو تلاش علم میں راستہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ جنت کی طرف اس کیلئے راستہ آسان کرتا ہے۔ (سنن الترمذی ج ۵ ص ۲۸)

نَوْمٌ مَع عِلمٍ خَیرٌ مِن صَلاَۃٍ عَلیٰ جَھْلٍ.

عالم کا سو جانا جاہل کی نماز سے بہتر ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰،ص ۱۴۰)

فَقِیہٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیطَانِ مِن اَلفِ عَابِدٍ.

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ دشوار ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰،ص ۱۴۰)

اِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ، یُھْتَدیٰ بِھَا فِی ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحرِ، فَاِذَا انْطَمَسَتْ اَوْشَکَ اَنْ تَضِلَّ الْھُدَاۃُ.

بہ تحقیق زمین پر علماء کی مثال آسمان کے ستاروں جیسی ہے جن کے ذریعے خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں میں راستوں کا کھوج لگایا جاتا ہے پس جب بھی یہ ستارے دھندلے ہو جائیں گے راستہ کھو جائے گا۔ (مدیۃ المرید ص ۱۰۴، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اَیُّمَا نَاشٍ نَشَأَ فِی الْعِلمِ وَ العِبَادَۃِ حَتّٰی یَکْبُرَ اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ یوم قِیَامَۃِ ثَوابَ اِثْنَینِ وَسَبْعِینَ صِدِّیقاً.

جو بھی علم وعبادت (کے ماحول میں) پیدا ہو کر پروان چڑھے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لئے بہترین صدیقین کا ثواب عطا کرے گا۔ (مدیۃ المرید ص، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

یَقُولُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِلْعُلَمِاءِ یومَ الْقِیَامَۃ: اِنِّی لَمْ اَجْعَلْ عِلْمِی وَحِلْمِی فِیکُم اِلَّا وَاَنَا اُرِیدُ اَنْ اَغْفِرَ لَکُم عَلیٰ مَا کَانَ مِنکُمْ وَلا اُبَالِی.

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ علماء سے (خطاب) فرمائے گا: میں نے اپنا علم اور حلم صرف اس لئے تمہارے اندر قرار دیا ہے کہ میں تمہیں، تمہارے اعمال کی بنا پر بخش دینا چاہتا ہوں اور مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ (کنز العمال ج ۱،ص ۱۷۲)

مَاجُمِعَ شَیءٌ اَفْضَلُ مِن عِلْمٍ اِلیٰ حِلْمٍ.

علم اور حلم سے بہتر کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (مجمع الزوائد ج ۱،ص ۱۱۹)

مَاتَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَۃٍ مِثْلِ عِلمٍ یُنْشَرُ.

لوگ ایسا صدقہ نہیں دے سکتے جو پھیلنے والے علم جیسا ہو۔ (الجامع الصغیر۲ ج،ص۱۴۴)

مَـا اَهْدَى الْمَرءُ الْمُسلِمُ اِلىٰ اَخِيهِ هَدِيَّةً اَفْضَلَ مِن كَلِمَةِ حِكْمَةٍ يَزِيْدُهُ اللّٰهُ بِهَا هُدىً، وَيَرُدُّه عَن رَدى.

مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے ایک باحکمت کلمہ سے بڑھکر کوئی تحفہ نہیں دے سکتا جس کے ذریعے خدا اس کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اور اسے گمراہی سے پلٹا دیتا ہے۔ (الجامع الصغیر۲ ج،ص۱۴۳)

اَفْضَلُ الصَّدَ قَةِ اَنْ يَعْلَمَ الْمَرءُ عِلماً ثُمَّ يُعَلِّمُهُ اَخاهُ.

انسان کے لے بہترین صدقہ علم کا سیکھنا اور اس کو اپنے بھائی کے لئے تعلیم کرنا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج۱،ص۸۹)

اَلعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِيْكَانِ فِي الاَجْرِ، وَلاَ خَيْرَ فِى سَائِرِ النَّاسِ

عالم اور علم سیکھنے والا دونوں اجر میں شریک ہیں اور (اس میں) دوسروں کے لئے کوئی سود نہیں۔ (سنن ابن ماجہ ج۱،ص۸۳)

قَلِيلُ الْعِلْمِ خَيرٌ مِن كَثِيرُ الْعِبَادَةِ.

کم علم زیادہ عبادت سے کہیں بہتر ہے۔(منیۃ المرید ص ۱۰۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

☆ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يُرِيدُ اِلاَّ لِيَتَعَلَّمَ خَيراً اَو لِيُعَلِّمَه كَانَ لَه اَجْرُ مُعْتَمِرٍ ، وَمَن رَاحَ الى الْمَسجِدِ لاَ يُرِيدُ اِلاَّ لِيَتَعَلَّمَ خَيراً اَو لِيُعَلِّمَه كَانَ لَه اَجْرُ حَاجٍ تَامِّ الْحِجَّةِ.

جو شخص صرف اس مقصد سے صبح مسجد کی طرف چلے گا کہ خیر کی تعلیم حاصل کرے یا اُسے اوروں کو سکھائے تو اس کے لئے ایک کامل عمرہ بجالانے والے کا ثواب ملے گا اور

جو صرف اس ارادے سے مسجد میں رہے کہ خیر کی تعلیم سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے تو اس کو ایسے حاجی کی اجر ملے گی جس کا حج کامل ہو۔ (مجمع الزوائد ج ا ص ۱۲۳)

اُغْدُ عَالِماً اَو مُتَعلِّماً اَو مُستَمِعاً اَو مُحِبّاً ، وَلاَ تَکُنِ الْخَامِسَةَ فَتَھلِک.

اس حالت میں صبح کرو کہ عالم ہو، یا متعلم، (علم کو) سننے والا ہو یا (اسے) دوست رکھنے والا اور پانچویں حالت میں نہ ہو کہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۱۴۳)

نیز آپ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا مَرَرْتُم فِی رِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْبَعُوا. قَالُوا: یَارَسُولَ اللهِ! وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: حَلَقُ الذِّکرِ ؛ فَاِنَّ لِلّٰهِ سَیَّارَات مِن الْمَلآئِکَةَ یَطْلُبُونَ حَلَقَ الذِّکْرَ، فَاِذَا اَتَوْاعَلَیھِم حَفُّوا بِھِمْ.

آپؐ نے فرمایا: جب تم ریاض الجنۃ سے گزرو گے تو ٹھہر جانا! صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ریاض الجنۃ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے مقصود اہل ذکر کا حلقہ ہے کیونکہ اللہ کے فرشتوں میں سے ایک گروہ، اہل ذکر کی تلاش و جستجو میں ہمیشہ گردش میں ہوتا ہے اور جہاں کہیں پاتے ہیں انہیں گھیر لیتے ہیں۔ (الاذکار، ص ۸)

بعض علما فرماتے ہیں کہ اہل ذکر کے اس حلقے سے مراد وہی مجالس ہیں جن میں حلال وحرام، خرید و فروخت، نماز روزہ، نکاح و طلاق اور حج کے آداب سے متعلق گفتگو ہوتی ہے۔

وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِهِ وَسَلَّم فَاِذَا فِی الْمَسجِدِ مَجْلِسَان: مَجْلِسٌ یَتَفَقَّھُونَ، وَمَجْلِسٌ یَدْعُونَ اللهَ تَعالیٰ وَ یَسْأَلُونَهُ ، فَقَالَ :

كِلاَ الْمَجْلِسَينِ اِلىٰ خَيرٍ ، اَمَّا هٰؤُلآَءِ فَيَدْعُونَ اللهَ ، وَاَمَّا هٰؤُلآَءِ فَيَتَعَلَّمُونَ وَ يُفَقِّهُونَ الْجَاهِلَ ، هٰؤُلآَءِ اَفْضَلُ ، بِالتَّعْلِيمِ اُرْسِلْتُ. ثُمَّ قَعَدَ مَعَهُم.

ایک روز پیغمبر اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا وہاں دو گروہ ہیں ایک علمی گفتگو کر رہا ہے اور دوسرا خدا سے دعائیں مانگ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا: دونوں خیر پر ہیں چونکہ ایک گروہ اللہ سے دعا کر رہا ہے اور دوسرا خود تعلیم حاصل کرتا ہے اور جاہلوں کو بھی سکھاتا ہے تو یہی دوسرا گروہ زیادہ بہتر ہے چونکہ تعلیم ہی کی خاطر مجھے بھیجا گیا ہے، (یہ فرما کر) آپؐ دوسرے گروہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱، ص ۸۳)

وَعَن صَفْوَان بِن عَسّال رَضِيَ اللهُ عَنه قَالَ: اُتِيتُ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهِ، وَ هُوفِي الْمَسجِدِ مُتّكِئٌ عَلىٰ بُرْدٍ لَه اَحْمَرَ ، فَقُلْتُ لَه: يَارَسُولَ اللهِ اِنّي جِئتُ اَطْلُبُ الْعِلمَ. فَقَالَ:

مَرْحَباً بِطَالِبِ الْعِلمِ لَتَحُفُّهُ الْمَلآئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا، ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعضاً حَتّٰى يَبْلُغُو السَّمَاءَ الدُّنيَاءِ مِن مَحَبَّتِهِم لِمَا تَطْلُبُ.

صفوان بن عسال سے روایت ہے: میں مسجد میں پیغمبر ﷺ کے پاس پہنچا جبکہ آپؐ سرخ رنگ کے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں صرف علم کی جستجو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا:

آفرین ہو طالب علم پر کہ فرشتے ان کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں پھر اس کے علم کی محبت میں یہ فرشتے ایک دوسرے کے اوپر ٹوٹ پڑتے ہیں یہاں تک کہ نچلے آسمان تک جا پہنچتے ہیں۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

وَعَن كَثِيرِ بْنِ قَيسٍ قَالَ: كُنتُ جَالساً مَعَ اَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ

دِمشقَ، فأتاه رَجُلٌ فقالَ: يااَبَاالدَّرداء! اِنّی اَتَیتُک مِنَ المَدینة ، مَدینةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِه، لِحَدیثٍ بَلَغَنی عَنک اَنَّک تُحدِّثُه عَن رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِه. قالَ : فَماجاءَ بِک تِجارَةٌ؟ قالَ لا. فَقالَ :وَلاَ جاءَ بِک غَیرُه؟ قالَ: لاَ ، ثُمَّ قالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِهِ یَقُولُ:

مَن سَلَکَ طَرِیقاً یَلْتَمِسُ فِیه عِلْماً سَلَکَ اللهُ بِه طَرِیقاً اِلَی الْجَنَّةِ ، وَاِنَّ الْمَلاَئِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَها رَضاً لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَهُ مَن فِی السَّمَاوَاتِ وَمَن فِی الاَرْضِ ، حَتّٰی الْحِیتَانِ فِی الْمَاءِ . وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلیٰ سَائِرِ الْکَوَاکِبِ . اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الاَنْبِیَاءِ . اِنَّ الاَنْبِیاءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دِیْنَاراً وَلاَ دِرهَماً، اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ،فَمَن اَخَذَ بِه فَقَد اَخَذَ بِحَظٍ وَافِرٍ.

کثیر بن قیس سے نقل ہوا ہے، کہا: میں ابی درداء کے ساتھ مسجدِ دمشق میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے ابو درداء! میں تیرے پاس مدینۂ رسولؐ سے ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں جو تم سے مجھ تک پہنچی ہے جسے تم نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا کرتے ہو۔ ابودرداء نے کہا: تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے ہو؟ کہا نہیں، تو پھر کسی اور غرض سے؟ کہا نہیں ۔ اس کے بعد ابو درداء نے کہا: میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے: جو شخص علم کی تلاش میں راہ چلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے پر پر لگادے گا بیشک فرشتے طالب علم پر خوش ہوکر اپنے پروں کو اس کے لئے بچھاتے ہیں۔ عالم کے لئے آسمانوں اور زمین پر رہنے والے طلبِ مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی

میں رہنے والی مچھلیاں بھی۔ عالم کی فضیلت عابد پر جیسے چاند کی فضیلت ہے ستاروں پر۔ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ تو صرف علم کو وراثت میں چھوڑتے ہیں تو جس نے اس کو اپنایا یقیناً اس نے ایک بڑا حصہ پالیا۔ (سنن ابن ماجہ ج،اص ۸۸)

بعض علماء نے ابی یحیٰ بن ذکریا کے حوالے سے فرمایا ہے کہ اس نے کہا: ہم بصرہ کی گلیوں میں کسی محدث کے گھر کی طرف جا رہے تھے جب ہم تیز تیز چلنے لگے تو ہمارے ساتھیوں میں سے ایک مخولی نے ہنسی اڑاتے ہوئے کہا: اپنے پیروں کو فرشتوں کے پروں سے اٹھا دو (کہیں وہ کچل نہ جائیں) تو ابھی وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ اس کے دونوں پیر خشک ہو گئے۔

ابو داؤد سجستانی کے حوالے سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: محدثوں میں سے ایک گوشہ نشین تھا جب اس نے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنی:

اِنَّ الْمَلآئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ.

ملائکہ اپنے پروں کو طالب علم کے لئے بچھا لیتے ہیں۔ تو اس نے اپنے جوتوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دیں اور کہنے لگا میں (اس سے) فرشتوں کے پروں کو روند ڈالوں گا۔ تو اس کے پیروں میں گوشت کھا جانے والی بیماری لگ گئی۔

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل تمیمی نے اس حکایت کو کتاب شرح مسلم میں نقل کیا ہے اور کہا ہے پھر اس کے دونوں پیر اور دوسرے اعضاء شل ہو کر رہ گئے۔

....

تیسری فصل

فضیلت علم میں پائی جانے والی ان احادیث کے بیان میں ہے جو شیعہ راویوں سے نقل ہوئی ہیں۔

شیعہ راویوں سے نقل ہونے والی راویتوں میں سے ایک یہ روایت ہے جسے ہم صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوالحسن علی بن موسی الرضا ؑ سے، انہوں نے اپنے آباء سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ فاطْلُبُوا العِلْمَ فِی مَظَانِّہٖ وَاقْتَبِسُوہُ مِن اَھْلِہٖ ، فَاِنَّ تَعَلُّمَہُ لِلّٰہِ تعَالیٰ حَسَنَۃٌ ، وَطَلَبُہُ عَبادَۃٌ ، وَالْمُذاکِرَۃُ بِی تَسْبِیحٌ ، وَالْعَمَلُ بِہٖ جِھادٌ، وَتَعلِیمُہُ مَن لا یَعْلَمُہ صَدَقَۃٌ ، وَبَذْلُہُ لِاَھْلِہٖ قُرْبَۃٌ اِلَی اللّٰہِ تَعالٰی ، لِاَنَّہُ مَعالِمُ الْحَلالِ وَالْحَرامِ وَمَنارُ سَبِیلِ الْجَنَّۃِ، وَالْمُونِسُ فِی الْوَحْشَۃِ، وَالصَّاحِبُ فِی الْغُرْبَۃِ وَالْوَحْدَۃِ، وَالْمُحَدِّثُ فِی الْخَلْوَۃِ ، وَالدَّلِیلُ عَلَی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ ، وَالسَّلاحُ عَلَی الْاَعْداءِ ، وَالزَّیْنُ عِنْدَ الْاَخِلَّاءِ ، یُرْفَعُ اللّٰہُ بِہٖ اَقْواماً فَیَجْعَلُھُم فِی الْخَیرِ قَادَۃً تُقْتَبَسُ آثارُھُم یُقْتَدیٰ بِفِعَالِھِم، وَیُنْتَھیٰ اِلی آرائِھِم، تَرْغَبُ الْمَلاَئِکَۃُ فِی خُلَّتِھِم وَ بِاَجْنِحَتِھَا

تَمسَحُهُم ، وَفِي صَلواتِهَا تُبارِکُ عَلَيهِم، يَستَغفِرُ لَهُم كُلُّ رَطْبٍ ويَابِسٍ حتّٰى حِيتَانُ البَحرِ وَهَوَامُّهُ وَسِبَاعُ البَرِّ وَاَنعَامُه. اِنَّ العِلمَ حَيَاةُ القُلُوبِ مِن الجَهلِ ، وَضِيَاءُ الابصَارِ مِن الظُّلمَةِ، وَقُوَّةُ الابدَانِ مِنَ الضَّعفِ، يُبَلِّغُ بِالعَبدِمَنَازِلَ الاَخيَارِ، وَمَجَالِسَ الاَبرَارِ ، وَالدَرَجَاتِ العُلافِي الآخِرَةِ وَالاُولىٰ . الذِّكرُ فِيهِ يَعدِلُ بِالصِّيَامِ، وَمُدَارَستُهُ بِالقِيَامِ ، بِه يُطَاعُ الرَّبُّ وَيُعبَدُ، وِ بِهِ تُوصَلُ الاَرحَامُ، وَيُعرَفُ الحَلالُ وَالحَرَامُ. وَالعِلمُ اِمَامٌ وَالعَمَلُ تَابِعُهُ، يُلهِمُهُ السُّعَدَآءَ،وَيَحرُمُهُ الاَشقِيَاءُ، فَطُوبىٰ لِمَنْ لَم يَحرِمُهُ اللهُ مِن حَظِّه .

علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پس علم تلاش کرو جہاں سے پایا جا سکے اور اسے اس کے اہل سے حاصل کرو۔ بیشک خدا کی خاطر علم حاص کرنا بھلائی ہے، اس کا طلب عبادت، اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس پر عمل کرنا جہاد ہے۔ ایسے شخص کو علم سکھانا جو جانتا نہ ہو، صدقہ ہے اور اس کو اپنے اہل تک پہنچانا قربتِ خدا کا باعث ہے کیونکہ علم ہی سے حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے۔ علم ہی راہِ جنت کا منارہ، وحشت و گھبراہٹ میں غمخوار، پردیس اور تنہائی میں ہمدم، اکیلے میں بات کرنے والا، خوشحالی اور سختیوں میں راہنماء، دشمنوں کے خلاف اسلحہ اور دوستوں کے واسطے زینت ہے۔

خدا علم کے سبب لوگوں کو ترقی عطا کرتا ہے اور انہیں خیر میں پیشوا بنا دیتا ہے۔ ان کے آثار حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کے رفتار و کردار کی پیروی کی جاتی ہے اور انہی کی آراء حرف آخر ہوا کرتی ہیں۔ فرشتے ان کی دوستی کے خواہاں ہیں، انہیں اپنے پروں سے پوچھتے اور اپنی عبادتوں ہیں ان کے لئے دعائیں دیتے ہیں۔ طالب علم کے لئے ہر خشک و تر

طلب مغفرت کرتا ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں، اور کیڑے مکوڑے اور خشکی کے درندے اور جانور بھی ۔ بے شک ،جہل کی نسبت علم دلوں کی زندگی ہے، تاریکی میں آنکھوں کی روشنی ہے، اور ناتوانی اور کمزوری میں زورِ بازو ہے۔ علم بندے کو صاحبان خیر کے مقام، نیکوکاروں کی محفلوں اور دنیا و آخرت کے اعلیٰ مرتبوں تک پہنچا دیتا ہے۔ علم کے ساتھ ذکر پڑھنا روزہ رکھنے اور اس کا درس و تدریس کرنا رات کی عبادت کے برابر ہے۔ علم ہی کے ذریعے پروردگار کی بندگی اور اطاعت کی جاسکتی ہے، علم ہی کے سبب سے صلہ رحمی قائم کیا جاسکتا ہے اور حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے۔ علم امام ہے عمل اس کا تابع۔ علم کو اللہ تعالیٰ خوش بختوں کے دلوں میں الہام کرتا ہے اور بد بختوں کو اس (نعمت) سے محروم کر دیتا ہے ۔ پس خوش نصیب ہے وہ شخص جسے اللہ نے علم کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے۔ (بحار الانوار ج ۱،ص ۱۷۱)

امیر المؤمنین ؑ نے فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اِعْلَمُوا اَنّ كَمَالَ الدِّينِ طَلَبُ الْعِلْمِ وَالْعَمَلُ بِه، الَا وَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ اَوجَبُ عَلَيكُمْ مِن طَلَبِ الْمَالِ ، اِنَّ الْمَالَ مَقْسُومٌ مَضْمُونٌ لَكُمْ ، قَد قَسَّمَه عَادلٌ بَينَكُمْ ، وَقَد ضَمِنَه وَسَيَفِى لَكُم، وَالعِلْمَ مَخْزُونٌ عِندَ اَهْلِه فَاطْلُبُوهُ.

جان لو اے لوگو! دین کا کمال، علم کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ یاد رکھو! بیشک تمہارے لئے علم کی تلاش، دولت کی تلاش سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ مال تمہاری قسمت میں لکھا جا چکا ہے اور اسکی (خدا نے) ضمانت لی ہے۔ خدائے عادل نے اسے تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے، تمہیں اس کا وعدہ دیا ہے جسے وہ جلد ہی پورا فرمائے گا، نیز چونکہ علم

اپنے اہل کے سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے (اسی وجہ سے تمہیں اس کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے) پس اسے تلاش کرو۔ (اصول کافی ج ۱ص ۳۰)

اَلْعَالِمُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُجَاهِدِ ، وَاِذَامَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ فِی الاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لاَ یَسُدُّهَا اِلَّا خَلَفٌ مِنهُ.

عالم دن کو روزے رکھنے والے اور راتوں میں عبادت کرنے والے مجاہد سے بہتر ہے اور جب کوئی عالم دنیا سے چلا جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو اس کے جانشین کے بغیر کسی سے پر نہیں ہو سکتا۔ (منیۃ المرید ص ۱۰۹، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

کَفیٰ بِالْعِلمِ شَرَفاً اَن یَدَّعِیهِ مَنْ لاَ یُحْسِنُهُ وَ یَفْرَحُه اِذَا نُسِبَ اِلَیه، وَکَفیٰ بِالْجَهْلِ ذمّاً اَن یَبْرَاَ مَن هُوَ فِیهِ.

علم کے شرف کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ شخص بھی عالم ہونے کا دعوی کرتا ہے جو علم کو اچھی جانتا بھی نہیں اور جب اسے عالم کہا جاتا ہے تو خوشحال ہوتا ہے، اور جہل کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ خود جاہل بھی جہل (کو پسند نہیں کرتا) اور اس سے اظہار بیزاری کرتا ہے۔ (تذکرۃ السامع ص ۱۰)

آپؑ نے کمیل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یَا کُمَیلُ! اَلْعِلمُ خَیرٌ مِنَ المَالِ ، العِلمُ یَحرُسُکَ وَاَنتَ تَحرُسُ الْمَالَ ، وَالْعِلمُ حَاکِمٌ ، وَالمَالُ مَحکُومٌ عَلَیهِ، وَالمَالُ تَنقُصُهاالنفقۃُ وَالعِلمُ یَزکُوعَلَی الاِنفَاقِ.

اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے (کیونکہ) علم تمہاری نگہبانی کرتا ہے جبکہ مال کی نگرانی تمہیں کرنی پڑتی ہے، علم حاکم ہے لیکن مال پر حکومت کی جاتی ہے۔ مال خرچ کرنے سے

گھٹ جاتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے (یعنی دوسروں کو سکھانے) سے بڑھ جاتا ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپؑ نے فرمایا:

سات دلیلوں سے علم کو مال پر برتری حاصل ہے: ۱۔ علم میراثِ انبیاءؑ ہے جبکہ مال جابروں اور فرعونوں کی میراث ہوتی ہے۔ ۲۔ علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا جبکہ مال خرچ کرنے سے گھٹ جاتا ہے۔ ۳۔ مال کی پاسداری اور حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن علم خود اپنے مالک کی نگہبانی کرتا ہے۔ ۴۔ علم کفن میں بھی ساتھ رہتا ہے (یعنی مرنے کے بعد بھی کام آتا ہے) جبکہ مال (موت کے بعد جدا ہوکر) رہ جاتا ہے۔ ۵۔ مال مومن اور کافر دونوں کے لئے میسر ہے لیکن علم صرف مومن ہی کے لئے میسر ہے۔ ۶۔ تمام لوگ اپنے دینی امور میں عالم کے محتاج ہوتے ہیں لیکن وہ مال کے محتاج نہیں ہوتے۔ ۷۔ علم، پل صراط سے گزرتے وقت آدمی کو تقویت بخشتا ہے لیکن مال اسے روک دیتا ہے۔ (تفسیر رازی ج ۲ ص ۱۸۲۔۱۸۳)

قِیمَةُ کُلِّ امرِئٍ مَایَعْلَمُه .

ہر آدمی کی قیمت اس کے علم کے مطابق ہوتی ہے۔ (غرر الحکم ج ۴، ص ۵۲۰۲)

امام زین العابدینؑ سے منقول احادیث:

لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَافِی طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوهُ وَلَوْ بِسَفْکِ الْمُهَجِ وَغَوْصِ الْلُجَجِ. اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَوْحیٰ اِلیٰ دَانِیَالَ: اِنَّ اَمْقَتَ عِبَادِی اِلَیَّ: اَلْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِاَهْلِ الْعِلْمِ، اَلتَّارِکُ لِلْاِقْتِداءِ بِهِمْ. وَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ [عَبِیدِی) اِلَیَّ: اَلتَّقِیُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِیلِ، اَللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ، اَلْقَابِلُ عَنِ

الْحُکَمَاءَ..

اگر لوگ علم کے سلسلے میں پائی جانے والی فضیلتوں کو جان لیتے تو یقیناً اس کی تلاش میں نکل پڑتے اگر چہ اس کی خاطر خون جگر بہانا پڑتا اور پانی کی گہرائیوں میں غوطہ ور ہونا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال (پیغمبر) پر یہ وحی کی کہ: یقیناً میرے نزدیک ناپسندیدہ ترین بندے وہ ہیں جو اہل علم کے حق کو ناچیز سمجھتے ہیں اور ان کی پیروی نہیں کرتے۔ اور میرے نزدیک محبوب ترین بندے وہ پرہیز گار ہیں جو ثوابِ عظیم کے متلاشی اور علماء سے متمسک رہتے ہیں اور جو بردباروں کے تابع اور صاحبان حکمت کی (نصیحتوں کو) قبول کرنے والے ہیں۔ (اصول کافی ج ا کتاب فضل العلم، باب ثواب عالم والمتعلم، ص ۳۵)

امام محمد باقر ؑ نے فرمایا:

مَنْ عَلَّمَ بَابَ هُدىً فَلَهُ مِثْلُ اَجرِ مَنْ عَمِلَ بِه، وَلايَنْقُص اُولٰئِکَ مِن اُجُورِهِمْ شَيْئاً، وَمَن عَلَّمَ بَابَ ضَلاٰلَةٍ کَانَ عَلَيه مِثْلُ اَوْزَارِ مَن عَمِلَ بِه، وَلاينقُصُ اُولٰئِکَ مِن اَوْزَارِهِم شَيْئاً.

جس نے ہدایت کا ایک باب کسی کو سکھایا اس کیلئے اس پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ہوگا جبکہ ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جو گمراہی کا ایک باب سکھائے گا اس پر، اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ہوگا جبکہ ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (اصول کافی ج ا کتاب فضل العلم، باب ثواب عالم والمتعلم، ص ۳۵)

عَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِعِلْمِهِ اَفْضَلُ مِن سَبْعِينَ اَلفَ عَابِدٍ.

وہ عالم جس کے علم سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو، ستر ہزار عابدوں سے افضل ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اِنَّ الَّـذِیْ یُـعَـلِّـمُ الْـعِـلْـمَ مِـنْـکُمْ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ الْمُتَعَلِّمِ وَلَهُ الْفَضْلُ عَلَيْهِ.
فَتَعَلَّمُو الْعِلمَ مِن حَمَلَةِ الْعِلمِ وَعَلِّمُوهُ اِخْوَانَكُمْ كَمَاعَلَّمْكُمُوهُ الْعَلَمَاءُ.

تم میں سے جو کسی کو علم سکھائے گا اس کو، اس سیکھنے والے کا اجر بھی ملے گا، اور اس تعلیم دینے والے کو سیکھنے والے پر فضیلت بھی ہوگی۔ پس علم حاصل کرو صاحبان علم سے اور اُسے، ایسے ہی اپنے بھائیوں کو سکھا دو جس طرح تم نے علما سے سیکھا ہے۔ (اصول کافی ج ا کتاب فضل العلم، ص ۳۵)

لَمَجْلِسٌ اَجْلِسُهُ اِلیٰ مَن اَثِقُ بِهِ اَوْثَقُ فِی نَفْسِی مِن عَمَلِ سَنَةٍ.

یقیناً وہ مجلس جس میں، مَیں اپنے با اعتماد شخص کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتا ہوں، میرے نزدیک ایک سال کی عبادت سے زیادہ اعتبار اور اہمیت کی حامل ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے منقول روایات:

مَنْ عَلَّمَ خَيراً فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ. قُلتُ: فَاِنْ عَلَّمَهُ غَيْرُهُ يَجْرِیْ ذٰلِکَ لَهُ؟ قَالَ: اِنْ عَلَّمَهُ النَّاسَ كُلَّهُمْ جَرىٰ لَهُ. قُلتُ: فَاِنْ مَاتَ؟ قَالَ: وَاِنْ مَاتَ.

جس نے کسی کو خیر کی تعلیم دی اس کے لئے اس پر عمل کرنے والوں جیسے ثواب ہوگا۔ میں نے عرض کی: اور اگر اس سیکھنے والے نے دوسرے کو سکھایا تو بھی اس (پہلے سکھانے والے) کے لئے یہ سلسلہ جاری رہے گا فرمایا: چاہے سبھی لوگوں کو تعلیم دے تو بھی یہ سلسلہ اس کے لئے جاری رہیگا۔ میں نے عرض کیا: اور اگر وہ مر جائے؟ فرمایا: چاہے مر بھی جائے (پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا)۔ (اصول کافی ج ا کتاب فضل العلم، باب مجالس العلماء، ص ۳۹)

تَفَقَّهُوا فِی الدِّینِ، فَاِنَّ مَنْ لَمْ یتفقَّهْ مِنکُمْ فهُوَ اَعْرابِیٌّ، اِنَّ اللّٰہ عَزَّ وَجَلَّ یقُولُ فِی کتَابِہِ: لِیَتفقَّهُوا فِی الدِّینِ وَلِیُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُونَ .

دین کے حلال وحرام کو سیکھو کیونکہ جو تم میں سے دین کے حلال وحرام کو نہیں سیکھے گا وہ گنواری ہے۔ چنانچہ اللہ عزّ وجل نے بھی اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ......تاکہ وہ علم دین حاصل کرتے اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹ آتے ان کو ڈرسناتے ،(تو) شاید وہ ڈر رکھتے۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

عَلَیْکُمْ بِالتَّفَقُّهِ فِی دِینِ اللّٰہِ ،وَلَا تَکُونُوا اَعْرَاباً ، فَاِنَّهُ مَنْ لَمْ یَتفقَّهْ فِی دِیْنِ اللّٰہِ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیامَةِ، وَلَمْ یُزَکِّ لَهُ عَمَلاً.

تم پر فرض ہے کہ دین کے احکام کو اچھی طرح یاد کرو اور گنوار نہ بنو کیونکہ جو دین کے حلال وحرام کو یاد نہیں کرے گا قیامت کے دن خدا اس کی طرف نگاہِ (لطف) نہیں کرے گا اور نہ اس کے اعمال کو پاکیزہ بنائے گا۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

لَوَدِدْتُ اَنَّ اَصْحَابِی ضُرِبَتْ رُؤُسُهُمْ بِالسِّیَاطِ حَتّٰی یَتفقَّهُوا.

میں چاہتا ہوں کہ میں تازیانے سے اپنے اصحاب کے سروں پر مارتا جاؤں یہاں تک کہ وہ دین کے احکام کو سیکھ لیں۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ ، اِنَّ الْاَ نْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دِرْهَماً وَلَا دِیْنَاراً، اِنَّمَا وَرَّثُوا اَحَادِیثَ مِنْ اَحَادِیْثِهِمْ، فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِنهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظّاً وَافِراً،فَانْظُرُوا عِلْمَکُمْ هٰذَا عَمَّنْ تَأخُذُونَهُ؛ فَاِنَّ فِینَا اَهْلَ الْبیتَ فِی کُلِّ خَلَفٍ عُدُولاً یَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْغَالِینَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِینَ وَتَاوِیْلَ

اَلْجَاهِلِیْنَ.

بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں، (مگر یہ کہ) انبیاءؑ درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ تو صرف اپنی احادیث میں سے چند احادیث وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں ۔پس جس نے ان میں سے کچھ حاصل کیا تو یقیناً اس نے بڑا حصہ پایا، تم اپنے اس علم پر نظر کرو کہ کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ ہم اہل بیتؑ میں ہر بعد میں آنے والوں میں کچھ عادل افراد ہیں جو غالیوں کی تحریف، اہل باطل کی بدعتوں اور جاہلوں کی تاویلوں سے علم دین کو دور رکھتے ہیں۔ (اصول کافی ج۱ ص۴۶)

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیراً فَقَّھَهُ فِی الدِّیْنِ.

جب اللہ کسی کو خیر عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

معاویہ بن عمار سے روایت ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق - سے عرض کی: ایک شخص ہے جو آپؑ حضرات کی حدیث نقل کرتا ہے اور اس کو لوگوں میں پھیلاتا ہے اور اس (کے مضامین) کو ان کے اور آپ کے شیعوں کے دلوں میں مضبوط اور راسخ کر دیتا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے شیعوں میں سے کوئی عابد ایسا نہ ہو تو (فرمایئے) ان دونوں میں سے کون بہتر ہے؟

فرمایا:

اَلرِّوَایَةُ لِحَدِیْثِنَا یَشُدُّ بِهِ قُلُوبَ شِیْعَتِنَا اَفْضَلُ مِنْ اَلفِ عَابِدٍ.

ہمارے احادیث نقل کر کے ان کے ذریعے ہمارے شیعوں کے دلوں کو مضبور کرنے والا راوی ہزار عابد سے افضل ہے۔ (وہی کتاب)

☆ مَامِن اَحدٍ یَمُوتُ مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ اَحَبُّ لِیْ اِبْلِیسَ مِنْ مَوْتِ فَقِیہٍ.

ابلیس کے نزدیک مومنین میں فقیہ کی موت سے زیادہ محبوب کسی کی بھی موت نہیں۔ (اصول کافی ج ا س ۴۶)

اِذَا مَاتَ الْمؤمِنُ تَلِمَ فِی الاِسْلاَمِ ثُلمَۃٌ لاَ یَسُدُّھَا شَیءٌ.

جب کوئی مومن دنیا سے چلا جاتا ہے تو دین میں ایک ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو کسی چیز سے بھی پُر نہیں ہوسکتا۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۳۔ ناشر: مکتب اعلام اسلامی)

امام موسیٰ کاظم ؑ سے منقول روایت

☆ اِذَا مَاتَ الْمؤمِنُ بَکَتْ عَلَیْہِ المَلآئِکَۃُ وَبِقَاعُ الاَرْضِ الَّتِی کَانَ یَعْبُدُ اللہَ عَلَیھَا ، وَاَبْوَابُ السَّمَاءِ الَّتِی کَانَ تَصْعَدُ مِنھَا اَعْمَالُہُ، وَثَلِمَ فِی الاِسْلاَمِ ثُلمَۃٌ لاَ یَسُدُّھَا شَیءٌ، لِاَنَّ الْمُؤمِنِینَ الْفُقَھَاءَ حُصُونُ الاِسْلاَمِ کَحِصْنِ سُوَرِ الْمَدِینَۃِ.

جب کوئی مومن دنیا سے چلا جاتا ہے تو ملائکہ اور زمین کے وہ قطعے جہاں وہ عبادت کیا کرتا تھا، اس پر روتے ہیں اور آسمان کے وہ دروازے بھی جہاں اس کے اعمال گزرتے تھے؛ اور اسلام میں ایک ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جسے کوئی چیز پر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ مؤمن فقیہ اسلام کے مضبوط قلعہ ہوتا ہے جیسے شہر کے حصار اس کے لئے۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

آپ ؑ ہی سے منقول ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں وارد ہوئے تو ایک گروہ ایک ایک شخص کے گرد جمع تھا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہا گیا: یہ علامہ ہے۔ فرمایا: علامہ کیا چیز ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ شخص انساب عرب اور ان کے واقعات

کو سب سے زیادہ جانتا ہے نیز ایام جاہلیت اور اشعار عرب کو بھی ۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

ذَاکَ عِلْمٌ لا یَضُرُّ مَنْ جَهِلَهُ وَلا یَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ. اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ: آیَةٌ مُحْکَمَةٌ ، اَوفَرِیضَةٌ عَادِلَةٌ، اَوسُنَّةٌ قَائِمَةٌ.

یہ ایسا علم ہے جو، نہ اس کے نہ جاننے والے کو نقصان پہچانتا ہے اور نہ اسے جاننے والے کو کوئی فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: (حقیقی) علم صرف یہ تین ہیں: ۱۔ آیاتٌ محکمۃ (یعنی اعتقادات) ۲۔ فریضۃٌ عادلۃ (یعنی واجبات) ۳۔ سنۃ القائمۃ (یعنی مستحبات) ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اضافی ہے (یعنی زیادہ اہمیت کے حامل نہیں۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

....

چوتھی فصل

ان روایتوں کے بیان میں ہے جو حضرت امام حسن عسکری ؑ سے منسوب تفسیر میں علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

تفسیر عسکریؑ میں آپؑ سے آیت،

وَاَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِى اِسْرَائِيلَ لاَ تَعْبُدُوْنَ اِلاَّ اللّٰهَ وَ الى قَوْلِهِ "وَالْيَتَامىٰ".

کے بارے میں منقول ہے:

خدائے عزوجل کے اس قول میں آئے ہوئے لفظ "یتامیٰ" کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خدائے متعال نے (لوگوں کو) یتیموں کے ساتھ بھلائی پر ابھارا ہے چونکہ وہ اپنے باپ سے جدا ہو چکے ہیں پس جس نے یتیموں کی دیکھ بھال کی خدا اس کی حفاظت کرے گا اور جوان کا احترام کرے گا خدا اس کا احترام کرے گا اور جس نے شفقت کے ساتھ یتیم کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالی جنت میں اس کے لئے اس کے ہاتھ کے نیچے سے گزرنے والے بالوں کی تعداد میں محل عطا کرے گا جن میں سے ہر ایک دنیا و مافیہا سے زیادہ وسیع ہوگا۔

اور ان میں ایسی چیزیں ہوں گی جن کی دلوں کو چاہت ہوگی اور آنکھیں ان سے لذت

اُٹھائیں گی اور وہ ہمیشہ کیلئے ان میں رہیں گے۔

آپ ؑ نے فرمایا:

اس سے بڑھکر وہ یتیم ہے جو اپنے امام سے جدا ہو چکا ہو اور ان تک پہنچے کی قدرت بھی نہیں رکھتا اور اپنی ان ذمہ داریوں کا حکم بھی نہیں جانتا جو اس کے شانوں پر ہیں۔ آگاہ رہو! ہمارے شیعوں میں جو ہمارے علوم کا عالم ہو، تو ہماری شریعت سے بے خبر اور ہمارے دیدار سے محروم یہ شخص اس کے دامن کا یتیم ہے۔ جان لو! جو اس کی ہدایت اور اس کی راہنمائی کرے گا اور اسے ہماری شریعت کی تعلیم دے گا تو ہمارے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجوں پر ہوگا۔ اس حدیث کو میرے بابا نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے آباء سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علہ والہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

حضرت علی ؑ نے فرمایا:

ہمارے شیعوں میں جو ہمارے علوم کا عالم ہو اور وہ ہمارے بے خبر شیعوں کو ان کے جہل سے نکال کر نور علم کی طرف لیجائے جس طرح ہم نے اسے (یہ نور) عطا کیا ہے، قیامت کے ان اس کے سر پر نور کا ایک تاج ہوگا جو اہل محشر کو روشنی پہنچائے گا۔

اور (اس کے بدن پر) ایسا فاخرہ لباس ہوگا کہ اس کے معمولی سے دھاگے کی قیمت پوری دینا سے لگائی نہیں جاسکتی۔ پھر ایک منادی ندا دے گا: یہ وہ عالم ہے جو آل محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک ہے۔ جان لو! تو جس کو اس نے دنیا میں اس کی جہالت کی سرگردانی سے نکالا ہے، وہ میدان حشر کی تاریکیوں سے نکل کر جنت کی سیرگاہوں کی طرف نکلنے کے لئے بھی اسی (عالم) کے نور سے متمسک ہو جائے گا۔ پس ہر وہ شخص میدان حشر میں نکل آئے گا جس کو اس عالم نے دینا میں تعلیم دی تھی یا اس کے دل سے جہل کے قفل کو

کھول دیا تھا یا اس کے کسی شبہے کو واضح کیا تھا۔

آپ ؑ ہی سے منقول ہے:

ایک خاتون فاطمہ صدیقہ ؑ کی خدمت حاضر ہوئی اور عرض کیا میری ایک بوڑھی ماں ہے جسے اپنی نماز سے متعلق کی چیز میں شبہہ پیدا ہوا ہے لہذا مجھے آپ حضرت کی خدمت میں پوچھنے کیلئے بھیجا ہے۔ تو بی بی نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

پھر اس خاتون نے دوسری دفعہ پوچھا تو جواب دیا گیا پھر تیسری دفعہ پوچھا یہاں تک کہ دس مرتبہ مختلف سوالات کئے اور بی بی نے سب کا جواب دیا، پھر کثرت سوال کی وجہ سے وہ خاتون شرمندہ ہوئی اور عرض کرنے لگی: یا بنت رسول اللہ میں آپ کیلئے زحمت کا باعث بننا نہیں چاہتی ہوں! تو جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

آجاؤ جو کچھ تم کو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لو! اس مزدور کے بارے میں بتاؤ جس کی مزدوری ایک لاکھ دینار ہے اور وہ دن کو بھاری بوجھ لے کر چھت پر چڑھتا ہے۔ تو کیا اس کے لئے یہ بھاری ہے عرض کیا نہیں، تو بی بی نے فرمایا:

میں بھی اپنے آپ کو اجرت پر دے چکی ہوں، کیونکہ کہ ہر مسئلے کی اجرت زمین سے عرش تک بھرے ہوئے موتیوں کی قیمت سے کہیں زیادہ ہے۔ تو میرا حق بنتا ہے کہ میں نہ تھکوں۔

میں نے اپنے بابا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک جب ہمارے علمائے شیعہ محشر میں جمع ہونگے تو ان کے علوم کی مقدار اور بندگان خدا کی راہنمائی میں کئے گئے ان کے جدوجہد کے مطابق انہیں فاخرہ لباس پہنائے جائیں گے یہاں تک کہ ہر ایک کو ہزار ہزار نورانی لباس پہنائے جائیں گے۔ پھر خدائے عزوجل کا مقرر کیا ہوا ایک منادی آواز

لگائے گا:

اے آلِ محمدؐ کے یتیموں کے کفیلو اوران کے باپ! یعنی اپنے اماموں سے جدا ہونے پران کی محافظت کرنے والو! یہ تمہارے شاگرد ہیں اور وہ یتیم ہیں جن کی تم نے سرپرستی اور محافظت کی ہے توان کو اپنے علوم دنیا کی خلعت پہنادو تو وہ ان یتیموں میں سے ہرایک کواس کی علمیت کے مطابق خلعت پہنائیں گے حتی کہ ان یتیموں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو ایک لاکھ خلعت پہنائی جائیں گی۔

اوراسی طرح یہ یتیم بھی ان افراد کو خلعت پہنائیں گے جن سے انہوں نے علم حاصل کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یتیموں کی کفایت کرنے والے ان عالموں کو دوبارہ (خلعت پہنادو یہاں تک کہ ان کی خلعتیں تمام ہو جائیں توان خلعتوں کو دو چند کردو)۔تو ان کو پہنائی جانے والی خلعتیں یتیموں کو خلعت پہنائی والی خلعتوں سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گی اوران کیلئے ان کی خلعتیں دو چند کر دئے جائیں گی۔اسی طرح علماء کے مرتبے بھی ان یتیموں کی نسبت بلند ہونگے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا: اے کنیزِ خدا ان خلعتوں کاایک دھاگہ ان چیزوں سے کہیں افضل ہے جن پر ہزار مرتبہ سورج چمکا ہو۔ اور جن چیزوں پر سورج چمکتا ہے اس کی چیزوں کی تو وہ فضیلت ہوتی ہی نہیں کیونکہ ان میں بدمزگی اور میل پائی جاتی ہے۔

امام حسن بن علی علیہ السلام سے منقول ہے:

فَضلُ کَافِلِ یَتِیمِ آلِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ) عَنْ مَوَالِیہِ، النَّاشِبِ فِی الْجَھلِ، یُخرِجُہُ مِنْ جَھلِہِ وَ یُوضِحُ لَہُ مَااشْتَبَہَ عَلَیہِ، وَ یُطعِمُ ......

یتیم آل محمد جو اپنے آقاؤں سے جدا اور صحرائے جہالت میں سرگردان ہے کی کفایت

کرنے والے اور اس کو جہالت سے نکالنے والے کی فضیلت (کسی دوسرے یتیم کی کفایت کرنے والے) اور اسے کھلانے پلانے والے کے بہ نسبت، جیسے سورج کی فضیلت ہے سہانامی ستارے پر۔

امام حسین بن علی ؑ سے منقول ہے:

مَن کَفَلَ یَتِیماً، قَطعَتهُ عَنَّا مِحنَتُنَا بِاستِتَارِنَا فَوَاسَاهُ مِنْ عُلُومِنَا الَّتِی سَقَطَتُ اِلَیهِ حَتّٰی اَرْشَدَه بِهُدَاه، قَالَ لَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: یَااَیُّهَا الْعَبْدُ الْکَرِیمُ الْمُوَاسِی! اِنِّیْ اَولیٰ بِهٰذَ الْکَرَمِ، اِجْعَلُوا لَهُ یَامَلَائِکَتِی فِی الْجِنَانِ بِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ عَلَّمَه اَلْفَ اَلْفَ قَصرٍ، وَضُمُّوا اِلَیهَا مَایَلِیقُ بِهَا مِنْ سَائِرِ النِّعَمِ.

جو ہماری خاطر ایسے یتیم جسے ہمارے پوشیدہ دشواریوں نے ہم سے جدا کر رہا ہے کی سرپرستی کرے اور اسکی ہماری علم میں غمخواری کرے یہاں تک کہ ہدایت کے ذریعے اس کی راہنمائی کرے، تو خدائے عزوجل فرمائے گا: اے میرے مہربان اور دردمند بندہ! اس مہربانی اور احسان کیلئے تو میں زیادہ سزاوار ہوں۔ اے میرے فرشتو! جنت میں اس کے سکھائے ہوئے ہر حرف کے مقابلے میں ہزار ہزار محل بناؤ اور ان کے ساتھ دیگر شایان شایان آسائشیں بھی مہیا کرو۔

اللہ تعالی نے حضرت موسی ابن عمران پر وحی فرمائی:

مجھے میری مخلوق میں محبوب بناؤ اور میری مخلوق کو میرے لئے محبوب بناؤ: عرض کیا: پروردگارا! ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے۔ فرمایا: ان کو میری ظاہر اور پوشیدہ نعمتوں کی یاد دلادو تا کہ وہ مجھے دوست رکھیں۔ یقیناً میری بارگاہ سے بھاگے ہوؤں کو لوٹانا اور میری چوکھٹ سے گمراہ افراد کو ہدایت کرنا تمہارے لئے سو سال کی عبادتوں سے افضل ہے جن

کے دنوں میں روزے اور راتوں میں عبادتیں ہوں۔ موسیٰ -نے عرض کیا: اور تجھ سے فرار کیا ہوا بندہ کون ہے؟ فرمایا: گنہگا اور متکبر افراد۔ عرض کیا: تو تیری بارگاہ سے گمراہ کون ہے؟ فرمایا: وہ شخص جو اپنے وقت کے امام کو، جو غیب میں ہے، پہچاننے کے بعد اس سے بے خبر ہو، تو تم اسے (اس کی خاص علامتوں اور اس کی شان میں وارد شدہ روایتوں کے ذریعے) پہچنوادو۔ جو شخص ہماری شریعت کے احکام سے نابلد ہے اس کو ان کی تعلیم دو اور وہ چیزیں سکھادو جن کے ذریعے وہ اپنے پالنے والے کی بندگی کر سکے اور اسکی خوشنودی حاصل کر سکے۔

امام زین العابدین ؑ سے منقول ہے:

اے ہمارے علمائے شیعہ! خوش ہو اس عظیم ثواب اور کثیر پاداش پر۔

اما محمد باقر ؑ نے فرمایا:

عالم اس شخص کے مانند ہے جس کے ہمراہ ایک شمع ہو جو لوگوں کو روشنی دیتی ہے۔ تو جو بھی اس کی شمع سے روشنی پاتا ہے اس کے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔ اسی طرح عالم کے ساتھ بھی ایک شمع ہوتی ہے جو جہالت کی تاریکی اور حیرانی کو دور کر دیتی ہے تو جو بھی اس سے روشنی پاتا ہے، سرگردانی سے نکل جاتا ہے یا اس کے ذریعے جہل سے نجات پا جاتا ہے۔ پس یہ آدمی اس عالم کے، آگ سے آزاد کردہ افراد میں سے ہوگا۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالی اسے آزاد ہونے والے شخص کے ہر بال کے مقابلے میں وہ چیز عطا کرے گا جو ایسے ایک لاکھ خزانوں کے صدقے سے افضل ہوگا جو خدائے عزوجل کے حکم کے مطابق نہ دئے گئے ہوں، بلکہ یہ صدقہ اس کے مالک پر ایک بوجھ ہوگا، لیکن اللہ تعالی اس (عالم دین) کو وہ چیز عطا کرے گا جو خانہ کعبہ کے سامنے پڑھی گئی ایک لاکھ رکعتوں

سے بہتر ہوگی۔

امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا:

ہمارے شیعہ عالم ان سرحدوں کے نگہبان ہوتے ہیں جہاں سے شیطان اور اس کے دیوتا داخل ہوتے ہیں: یہ علماء ان شیطانوں اور ان کے ناصب پیروکاروں کو ہمارے ضعیف شیعوں کے خلاف قدم اٹھانے اور ان پر تسلط پانے سے روک دیتے ہیں۔ آگاہ رہو ہمارے شیعوں میں سے جو اس کام کیلئے تیار ہو جائے وہ روم، ترک اور خزر کے ساتھ جنگ لڑنے والوں سے ہزار مرتبہ بہتر ہوگا کیونکہ یہ ہمارے دوستداروں کے دین کی حفاظت کر رہا ہے اور وہ لڑنے والے اپنے بدن کا دفاع کر رہا ہے۔

امام موسیٰ کاظم ؑ نے فرمایا:

ایک فقیہ جو ہمارے یتیموں میں سے کسی کو جو ہمارے دیدار سے محروم ہے، (جہالت سے) نجات دے اور اسے ہمارے علوم میں سے سکھائے تو ایسا عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی بھاری اور ناقابل برداشت ہے کیونکہ عابد کا پورا ہمّ وغم اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے جبکہ عالم کی کوشش اپنی ذات کے علاوہ خدا کے بندوں اور اس کی کنیزوں کو بھی شیطان اور اس کے سرکشوں سے بچانا ہوتی ہے۔ اور ایسا ہونا خدا کے نزدیک ہزار ہزار عابد مرد وعورتوں سے بہتر ہے۔

امام رضا ؑ نے فرمایا:

قیامت کے دن عابد سے کہا جائے گا۔ بے شک تم نیک بندے تھے تم اپنی ذات کے فکر میں رہے اور لوگوں پر بوجھ نہیں بنے پس جنت میں داخل ہو جاؤ۔ آگاہ، رہو بیشک وہ فقیہ جو لوگوں کو خیر پہنچائے، ان کو انکے دشمنوں سے چھڑائے ان کے سامنے خدا کی جنتوں

کی فراوان نعمتوں کو بیان کرے اور انہیں رضایت خدا کے بارے میں تفصیل سے بتائے ، تو (روز قیامت) ایسے فقیہ سے کہا جائے گا ، اے یتیمان آلِ محمد کے دیکھ بھال کرنے والے ، اور ان کے ضعیف محبوں اور دوستداروں کی ہدایت کرنے والے ! ٹھہرے رہو یہاں تک کہ تم ہر اس شخص کی شفاعت کرو جس نے تم سے علم سکھا ہے۔ تو وہ فقیہ ٹھہر جائے گا اور اس کے ساتھ دس لاکھ جماعت کے غول کے غول جنت میں داخل ہوں گے (فئام سے مراد ایک لاکھ پر مشتمل گروہ ہے) اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت تک اس فقیہ اور اس کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تھا۔ تو دیکھ کہ (عابد اور عالم) کی منزلتوں میں کتنا فرق ہوتا ہے!

امام محمد تقی ؑ نے فرمایا:

بے شک جو آل محمد کے ان یتیموں کی کفایت کرے جو اپنے امام سے منقطع ، جہل (کی تاریکی) میں سرگرداں اور شیطانوں اور ہمارے ناصبی دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہیں ، اور ان کو ان کے دشمنوں سے چھڑائے اور انکی سرگردانی سے نجات دلائے اور شیطانوں پر ان کے وسوسوں کو توڑنے کے ذریعے اور ناصبوں پر اپنے پروردگا اور ائمہ ؑ کی روشن دلیلوں کے ذریعے غلبہ پائے ، ایسا شخص خدا کے نزدیک عابد کے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ فضیلت پائے گا جو آسمانوں کو زمین پر ہے ، عرش کو کرسی پر اور حجابات کو آسمانوں پر ہے۔

اور ان کی فضیلت اس عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی برتری آسمان کے مخفی تریں ستاروں پر۔

امام علی نقی ؑ سے منقول ہے:

اگر تمہارے امام قائم (عج) کی غیبت کے بعد ، وہ علماء باقی رہتے جو ان کی طرف

بلانے والے، راہنمائی کرنے والے، مضبوط دلیلوں کے ذریعے ان کے دین کا دفاع کرنے والے اور خدا کے ضعیف بندوں کو شیطان اور اس کے سرکشوں کے جالوں اور ان ناصبوں کے کھوکھوں سے چھڑانے والے ہیں، جنہوں نے ہمارے ضعیف شیعوں کے دلوں کے لگاموں کو اسطرح روکے رکھا ہے جس طرح کشتی اپنے سواروں کو روکے رکھتی ہے، تو (اگر یہ علما نہ ہوتے) سبھی خدا کے دین سے پھر جاتے۔ ایسے ہی علما خدا کی بارگا میں افضل ہیں۔

اماحسن عسکری ؑ نے فرمایا:

قیامت کے دن ہمارے علمائے شیعہ جو ہمارے ضعیف محبوں اور دوستداروں کا سہارا تھے، اس انداز میں آئیں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر ایک بے بہا تاج ہوگا جن میں سے نور ہی نور پھوٹ رہے ہوں گے اور یہ نور پورے میدانِ محشر میں پھیل جائیں گے۔ اور ان کا دائرہ ۳ لاکھ سالوں کی مسافت پر ہوگا۔ تو ان کے تاجوں کے نور (ہر جگہ) پھیل جائیں گے یہاں تک کہ ہر ایک یتیم جس کو انہوں نے تعلیم دی تھی اور اسے جہل کی تاریکی اور حیرانی سے نکالا تھا، ان کے نور کی کرنوں سے وابستہ ہو جائے گا اور انہیں اوپر اٹھایا جائے گا یہاں تک کہ جنت کے مقابل میں لائے جائیں گا پھر انہیں پہلے سے اپنے استادوں کے نزدیک اور ائمہ ؑ کے حضور میں آمادہ منزلوں پر اتارا جائے گا جن کی طرف یہ (لوگوں کو) بلایا کرتے تھے اور نواصب میں سے جس جس پر ان تاجوں کی شعاع پڑے گی، ان کی آنکھیں اندھی، کان بہرے اور زبان گنگ ہو کر رہ جائے گی اور ان پر یہ نور آگ کی لپٹ سے بھی شدید ہوگا۔ تو یہ لپٹ انہیں اٹھا کر جہنم کے فرشتوں کی طرف پھینک دے گی جو انہیں جہنم کے بیچوں بیچ پھینک دیں گے۔

یہ فضیلت علم میں وارد ہونے والی احادیث میں سے چند ایک ہیں۔ (فضیلتِ علم میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں) لیکن اس کتاب کی مناسبت اور اختصار کے پیش نظر ہم صرف انہیں پر اکتفا کریں گے۔

....

پانچویں فصل

فضیلت علم، گزشتہ آسمانی کتب اور قدیمی حکیمانہ اقوال کی روشنی میں

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے بیٹے مجالس اور محافل کو دیکھ بھال کر اختیار کیا کرو، اگر تم کسی ایسے گروہ کو پاؤ جو ذکر خدا کر رہا ہو تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، کیونکہ اگر تم عالم ہو گے تو تمہیں تمہارا علم نفع پہنچائے گا اور اگر جاہل ہو گے تو وہ تمہیں تعلیم دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کا سایہ کرے اور تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ۔ اور جب تم کسی ایسے گروہ کو پاؤ جو ذکر خدا نہ کر رہا ہو تو ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار مت کرو چونکہ اگر تم عالم ہو گے تو تمہارا علم تمہیں فائدہ نہیں دے گا اور اگر جاہل ہو گے تو وہ تمہاری جہالت میں اضافہ کرے گا اور شاید اللہ ان پر اپنا اپنا غضب نازل کرے جو تمہیں بھی ان کی لپیٹ میں لے۔ (اصول کافی ج ا کتاب فضل العلم، ج ا ص ۱۲۸۔۱۲۹)

زبور میں آیا ہے:

بنی اسرائیل کے علماء اور ان کے پادریوں سے کہہ دو! پرہیز گاروں سے بحث و گفتگو کرو اور اگر تمہیں پرہیز گار نہ ملے تو علماء سے ہم کلام ہو اور اگر علماء نہ ملے تو عقلاء سے باتیں کرو

چونکہ تقوی، علم اور عقل یہ تین ایسے مراتب ہیں جن میں سے ہر ایک، میں اپنی مخلوق کو اس غرض سے عطا کرتا ہوں کہ وہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔ (منیۃ المرید ص،۱۲۰ ناشر مکتب اعلام اسلامی)

کہا گیا ہے کہ شاید اس لئے تقویٰ کو (علم اور عقل سے) پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ تقویٰ علم کے بغیر حاصل نہیں ہوتا چنانچہ گزر گیا کہ پرہیز گاری اور خوف خدا، بغیر علم کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اس لئے علم کو عقل پر ترجیح دی گئی ہے کیونکہ عالم کے لئے ضروری ہے کہ عاقل ہو۔

انجیل میں مذکور ہے:

اللہ تعالیٰ نے انجیل کے سترھویں سورہ میں ارشاد فرمایا ہے:

افسوس ہے اس شخص پر جو علم کے بارے میں سنے لیکن اسے تلاش نہ کرے، یہ کیونکر (اس بات پر آمادہ ہوسکتا ہے کہ) جاہلوں کے ساتھ جہنم کی طرف لے جایا جائے؟ علم حاصل کرو اور اسے دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ علم اگر تمہیں نیک بخت نہیں بنا دے گا تو بد بخت بھی نہیں کردے گا، اگر تمہیں بلند نہیں کرے گا تو پست بھی نہیں کردے گا، اگر تمہیں غنی نہیں کردے گا تو فقیر بھی نہیں کردے گا اور اگر تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیگا تو ضرر بھی نہیں دے گا۔ اور یوں نہ کہا کرو، ہمیں علم حاصل کرنے سے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم (اس پر) عمل نہ کر پائیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہمیں امید ہے کہ ہم علم بھی سیکھیں گے اور عمل بھی کریں گے علم، صاحب علم کی شفاعت کرتا ہے۔ خدا پر یہ ایک حق ہے کہ اہل علم کو رسوا نہ ہونے دے۔ بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے گروہ علماء! تمہارے رب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو وہ کہہ اٹھیں گے: ہمارا یہ خیال ہے کہ وہ ہم پر رحم فرمائے گا اور ہمیں بخشدے گا۔ تو خدا فرمائے گا: یقیناً میں نے ایسا ہی کیا ہے، بے شک میں نے اپنی

حکمت اس لئے تمہارے پاس امانت نہیں رکھی کہ میں اس سے تمہارے لئے کسی شر کا ارادہ کرتا بلکہ اس سے میری غرض خیر تھی۔ پس میرے صالح بندوں کے ساتھ (اور) میری رحمت کے سائے میں داخل جنت ہو جاؤ۔ (منیۃ المرید ص، ۱۳۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

....

چھٹی فصل

فضیلت علم میں ذکر ہونے والے بعض روایات واقوال اور بعض علماء کی تحقیقات کے بیان میں

حضرت ابوذرؓ سے روایت کی گئی ہے: علم کا ایک باب جو ہم سیکھتے ہیں، ہمارے نزدیک شوق سے پڑھی جانے والی ایک ہزار رکعتوں سے محبوب تر ہے۔

آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب طالب علم کو، طالب علمی کے دوران موت آجائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے۔

وہب بن مُنَبَّہ سے منقول ہے: علم سے شرف وفضیلت پیدا ہو جاتی ہے اگر چہ اس کے سیکھنے والا پست ہو، اور عزت پاتا ہے اگر چہ ذلیل ہو، (خدا سے) قریب ہوتا ہے اگر چہ دور ہو، غنی ہوتا ہے اگر چہ فقیر ہو، شرافت ملتی ہے اگر چہ حقیر ہو، رعب وقار ملتا ہے اگر چہ فرومایہ ہو اور سلامتی ملتی ہے اگر چہ مریض ہو۔

عرفاء کے اقوال:

بعض عرفاء سے نقل ہوا ہے: کیا مریض کو جب کھانا پینا اور دوا بند کر دی جائے تو وہ مر نہیں جاتا؟ اسی طرح دل ہے کہ جب اسے علم، فکر اور حکمت (کی غذا) نہیں ملتی تو مردہ

ہو جاتا ہے۔

بعض دیگر نے فرمایا ہے: جو شخص عالم کے پاس بیٹھے جبکہ وہ اس کے علم کے حفظ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو پھر اس کے لئے سات اعزاز ہوں گے: ۱۔ وہ علم سیکھنے والے کی فضیلت پائے گا ۲۔ جب تک اس عالم کے پاس بیٹھا رہے گا گناہوں کو اس سے روک دیا جائے گا۔ ۳۔ طلب علم میں جب اپنے گھر سے نکلے گا تو اس پر رحمت کا نزورل ہوگا۔ ۴۔ جب عالم کی مجلس میں بیٹھے گا تو خدا کی طرف سے اس مجلس پر نازل ہونے والی رحمت سے اس بیٹھنے والے کو بھی حصہ ملے گا۔ ۵۔ جب تک غور سے سنتا رہے اس کو اطاعت گزاروں میں لکھا جائے گا۔ ۶۔ جب غور سے سننے کے باوجود کچھ سمجھ نہیں پائے گا اور اس کا دل اسکے فہم علم سے محروم رہنے پر مغموم ہو جائے گا تو یہی غم بارگاہ خداوندی میں (تقرب) کا وسیلہ بنے گا، اس رشاد الہی کی بناپر: وَ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوبُهُم۔ [میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوتا ہوں۔)

۷۔ اور جب یہ مسلمانوں کی طرف سے عالم کیلئے کئے جانے والے عزت واحترام اور اہل فسق کے لئے کی جانے والی تذلیل کو دیکھ لے گا اس کا دل فسق و گناہ سے پھر جائے گا اور علم کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو جائے گی۔ اس لئے آپ ﷺ نے (لوگوں کو) صالحین کے ساتھ نشست و برخاست کا حکم فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں: جو شخص آٹھ طرح کے لوگوں میں بیٹھے گا، خدا اس کے لئے آٹھ چیزوں میں اضافہ کر دے گا۔

۱۔ جو دولت مندوں میں بیٹھے گا اللہ اس کے حب دنیا میں اضافہ کرے گا، ۲۔ جو فقیروں کے ساتھ رہے گا، اللہ کی تقسیم پر شکر و رضا میں اضافہ ہوگا، ۳۔ صاحبِ قدرت

ومنصب کے ساتھ بیٹھنے والے کے لئے قساوت اور تکبر میں اضافہ کرے گا، ۴۔عورتوں کے ساتھ رہنے والے کو جہل وشہوت میں اضافہ کرے گا، ۵۔بچوں کے ساتھ رہنے والے کو کھیل تماشا اور مزاح میں اضافہ کرے گا، ۶۔اہل فسق کے ساتھ مجالست کرنے والے کو گناہ پر بے باکی اور توبہ میں ٹال مٹول میں اضافہ کرے گا، ۷۔صالحین کے ساتھ بیٹھنے والے کو رغبت اور اطاعت میں اضافہ کرے گا۔ ۸۔اور علماء کے ساتھ بیٹھنے والے کو علم میں اضافہ کرے گا۔

[ہر علم وفن انسان کی نیک بختی کا باعث ہوتا ہے]

خدائے تعالی نے سات شخصیتوں کو سات چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے: آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی، خضرؑ کو فراست اور زیرکی سکھائی، یوسفؑ کو خواب کی تعبیر، داوٗد کو زرہیں بنانے کی صنعت، سلیمانؑ کو پرندوں کی گفتگو، عیسیٰؑ کو تورات وانجیل،'' وَ یُعَلِّمُ الکِتٰبَ وَ الحِکمَۃَ والتَّوراۃَوَ الانجِیلَ[۱]'' اور محمد ﷺ کو شریعت و توحید کی تعلیم فرمائی:''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تعلَم[۲]'' ''وَ یُعَلِّمُ الکِتٰبَ وَ الحِکمَۃَ[۳]'' ''اَلرَّحمٰن عَلَّم الْقُرآن۔[۴] تو آدم کا علم، آپ کے مسجود ملائکہ ہونے اور ان پر آپؑ کی برتری کا سبب بنا، خضرؑ کا علم اس بات کا موجب ہوا کہ اموسیٰؑ اور یوشع آپؑ کے شاگرد ٹھہرے، اور آپ کے لئے خاکسار ہوئے جیسے (ان کے) واقعہ سے استفادہ ہوتا ہے، یوسفؑ کا علم اپنے والدین سے ملاقات، حکومت اور برگزیدگی کا سبب بنا، داوٗد کا علم ریاست وبرتری کا باعث ہوا، سلیمانؑ کا علم بلقیس کے پانے اور قدرت و سلطنت کا سبب ہوا، علم عیسیٰؑ اپنی ماں سے تہمت کے ازالے کا موجب بنا اور علم محمد ﷺ شفاعت کا سامان ہوا۔

راہ جنت چار صنفوں کے اختیار میں ہے: عالم، زاہد، عابد اور مجاہد۔ پس جب عالم اپنے دعوی میں سچا ہو تو اسے حکمت عطا کی جاتی ہے، اگر زاہد ایسا ہو تو اسے امن اور بے خوفی عطا ہوتی ہے، عابد کے لئے خوف اور مجاہد تعریف وثنا پاتا ہے۔

بعض محققین نے فرمایا ہے:

علماء تین قسم کے ہیں: ایک وہ جو معرفت خدا رکھتا ہے، لیکن اس کے احکام کو (اس قدر نہیں جانتا) تو اس شخص کے دل پر معرفت الہی چھا گئی ہے اور وہ خدا کے نور اور اس کی جلالت کے مشاہدے میں اس قدر غرق ہو چکا ہے کہ سوائے واجبات اور ضروری احکام کے، اس کے پاس دوسرے احکام سیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔ دوسرا وہ ہے جو احکام الہی کا علم تو رکھتا ہو مگر اس کی معرفت نہ رکھتا ہو تو وہ ایسا شخص ہے جس نے حلال وحرام اور دیگر دقیق احکام کا علم پایا ہے لیکن عظمت الہی کے اسرار کو نہیں جانتا۔ تیسرا وہ ہے جو خدا اور اس کے احکام دونوں کی معرفت رکھتا ہے تو تو ایسا شخص عالَم معقولات اور عالم محسوسات کے مشترک سرحد پر کھڑا ہے کبھی وہ خدا کی محبت میں ڈوب جاتا ہے اور کبھی مخلوق کے درمیان شفقت ورحمت کا مظارہ کرتا ہے۔ جب وہ اپنے رب سے مخلوق کی طرف پلٹتا ہے تو (اس طرح ان میں گھل مل جاتا ہے) کہ گویا ان میں کا ایک ہے اور خدا کو پہچانتا ہی نہیں، اور جب اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو اس کے ذکر اور عبادت میں غرق ہو جاتا ہے تو گویا وہ مخلوق کو پہچانتا ہی نہیں۔ تو یہی طریقہ رسولوں اور صدیقین کا ہے، یہی مقصود ہے رسول مآب ﷺ کے اس ارشاد "سَائِلِ الْعُلَمَاءَ، وَجَالِسِ الْكُبَرَاءَ" سے۔

لہذا آپ ﷺ کا قول "سائل العلماء" سے مراد وہ علماء ہیں جو اللہ کے احکام کو

جانتے ہیں لیکن (اسرارِ) خدا کی اس قدر معرفت نہیں رکھتے لہذا حکم ہوا کہ ان سے اپنی ضرورت کے احکام سے متعلق دریافت کرو۔ اور حکماء سے مراد وہ علماء ہیں جو خدا کی معرفت رکھتے ہیں لیکن اس کے احکام کو اس قدر نہیں جانتے لہذا ان کے ساتھ گھل مل جانے کا امر ہوا اور رہ گئے الکُبرَ اء، تو یہ وہ لوگ ہیں جو دلوں سے واقف ہیں لہذا ان کے ساتھ ہم نشینی کا حکم ہوا کیونکہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا دنیا و آخرت کی خیر و برکت کا باعث ہے۔

[مذکورہ علماء میں سے ہر ایک کی مخصوص علامتیں]

علماء کی ان تینوں صنفوں میں سے ہر ایک کے لئے تین مخصوص علامتیں ہیں: صرف احکام خدا جاننے والے عالم کا ذکر فقط زبان پر ہوتا ہے دل میں نہیں، اس کا خوف مخلوق سے ہوتا ہے نہ خالق سے، وہ ظاہر میں لوگوں سے تو حیاء کرتا ہے لیکن تنہائی خدا سے حیاء نہیں کرتا۔ صرف خدا کی معرفت رکھنے والا عالم ذکر پڑھتا، خائف رہتا اور حیاء کرتا رہتا ہے لیکن اس کا ذکر دل سے ہوتا ہے نہ زبان سے، اس کا خوف امیدوں پر مبنی ہے نہ گناہوں کا خوف اور اس کی حیاء اپنے دل میں گزرنے والے خیالوں کیوجہ سے ہے نہ ظاہری حیاء۔ اور خدا اور اس کے احکام جاننے والے عالم کی چھ علامتیں ہیں: تین وہ جو صرف خدا کی معرفت رکھنے والے عالم کے لئے ہیں اور اس کے علاوہ تین دیگر علامتیں ہیں: اس کا عالم غیب و شہود کے مشترک سرحد پر ہونا، اس کا مسلمانوں کا معلم ہونا، اور اس کا اس مقام پر ہونا کہ مذکورہ دونوں صنف اس کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ وہ ان دونوں سے بے نیاز ہوتا ہے پس خدا اور احکام الٰہی کے عالم کی مثال سورج کی طرح ہے جو نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے، صرف خدا کی پہچان رکھنے والے عالم کی شان شمع جیسی ہے جو جل کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔

ساتویں فصل

عقل کی رو سے پائی جانے والی فضیلت علم کے بیان میں

ہم (فضیلتِ علم کے سلسلے میں) دو عقلی دلیلیں پیش کریں گے:

۱۔ بیشک معقولات دو قسموں موجود اور معدوم پر تقسیم ہوتے ہیں اور عقل سلیم اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ موجود معدوم سے بہتر ہے بلکہ معدوم کے لئے کوئی فضیلت وشرف ہی پایا نہیں جاتا۔ پھر خود موجودات دو قسموں میں بٹ جاتے ہیں: الف: جمادات ب: وہ جو رشد ونمو پاتے ہیں؛ اور یہ (بھی واضح ہے کہ) رشد ونمو پانے والے موجودات، جمادات سے افضل ہیں۔ پھر نمو پانے والے موجودات بھی دو قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں: ۱۔ حساس ۲۔ غیر حساس؛ اور حساس غیر حساس سے برتر ہیں اس کے بعد حساس عاقل اور غیر عاقل میں تقسیم ہوتے ہیں اور بلا شک وشبہ عاقل غیر عاقل سے باشرف ہیں پھر عاقل بھی عالم اور جاہل میں تقسیم ہوتے ہیں تو یقیناً عالم کا شرف جاہل سے بہت زیادہ ہے۔ پس اس سے واضح ہوا کہ عالم معقولات اور موجودات میں سب سے زیادہ باشرف ہیں اور یہ بات واضح وروشن ہے۔

۲۔ تمام امور چار قسموں پر منحصر ہیں:

ایک قسم وہ جسے صرف عقل پسند کرتی ہے لیکن انسانی خواہشات پسند نہیں کرتیں، دوسری قسم اس کے برعکس ہے۔ تیسری وہ جسے عقل اور انسانی خواہشات دونوں پسند کرتے ہیں اور چوتھی وہ جسے دونوں پسند نہیں کرتے۔تو (ان امور میں سے) پہلی قسم امراض اور دنیا کی سختیاں وغیرہ ہیں دوسری تمام گناہ، تیسری علم اروچوتھی جہالت ہے۔

پس علم کا جہل سے دہی رتبہ ہے جو جنت کا جہنم سے ہے۔ چنانچہ عقل اور انسانی خواہشات آگ کو پسند نہیں کرتیں اسی طرح یہ دونوں جہل کو بھی پسند نہیں کرتے اور جس طرح یہ دونوں جنت کو پسند کرتے ہیں اسی طرح علم کو بھی پسند کرتے ہیں۔

بنا براین جو شخص علم دوست ہوگا موجودہ جنت (دنیا کی نعمتوں) میں غرق ہو جائے گا اور جو جہالت کو پسند کرے گا تو یقیناً اس نے موجودہ آگ (دنیا کی سختیوں) کو اختیار کیا ہے۔

جس نے علم حاصل کی، موت کے بعد اس سے کہا جائے گا: تم اپنے ٹھکانے جنت کی طرف لوٹ چکے ہو لہذا اس میں داخل ہو جاؤ۔ اور جہل کے آگ ہونے کی دلیل یہ ہے: بلاشبہ، لذت کا کمال محبوب کو پالینا ہے اور درد وغم کا اوج محبوب کی فرقت اور جدائی ہے۔ زخم صرف اس لئے درد دیتا ہے کہ وہ بدن کے ایک جزء کو دوسرے جزء سے جدا کر دیتا ہے چونکہ ان اجزاء کی محبوبیت یہ ہے کہ وہ یکجا اور سالم ہوں دوسری طرف سے چلنے سے ہونے والا درد جراحت اور زخم کے درد سے کہیں شدید ہوتا ہے کیونکہ زخم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک جزء کو دوسرے خاص جزء سے جدا کر دیتا ہے جبکہ آگ پورے تن من میں سرائیت کر جاتی ہے جس کے نتیجے میں ایک پورا جزء دوسرے جزء سے جدا ہو جاتا ہے۔

اس بیان کے پیش نظر: جب بھی ادراک اور احساس گہرا اور شدید، ادراک کرنے والا

باشرف و باکمال اور درک کئے جانے والا دائم اور پاکیزہ تر ہوگا تو لذت بھی باشرف اور بافضیلت ہوگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ جس چیز کے وسیلے سے لذت کا احساس ہوتا ہے وہ روح ہے جو کہ تمام اجزائے بدن سے اشرف ہے اور عقل کا ادراک اس سے شدید اور عمیق تر ہوتا ہے اور معلوم تو مخلوقات ہیں جن میں فرشتے وغیرہ بھی شامل ہیں اور کون اس سے بڑھکر باشرف ہوسکتا ہے کہ جس کا علم حاصل کیا جارہا ہو؟ احادیث اور عقل کی رو سے، شرف علم، اس کی برتری اور عظمت و پاکیزگی ثابت کرنے کے بعد ہم مقدمے کو یہیں پر ختم کردیتے ہیں۔

....

پہلا باب

معلّم اور متعلم کے آداب کے بیان میں

یہ باب تین انواع پر مشتمل ہے

پہلی نوع : معلّم اور متعلم کے مشترکہ آداب کے بیان میں

دوسری نوع : معلّم سے مختص آداب کے بیان میں

تیسری نوع : متعلم سے مخصوص آداب کے بیان میں
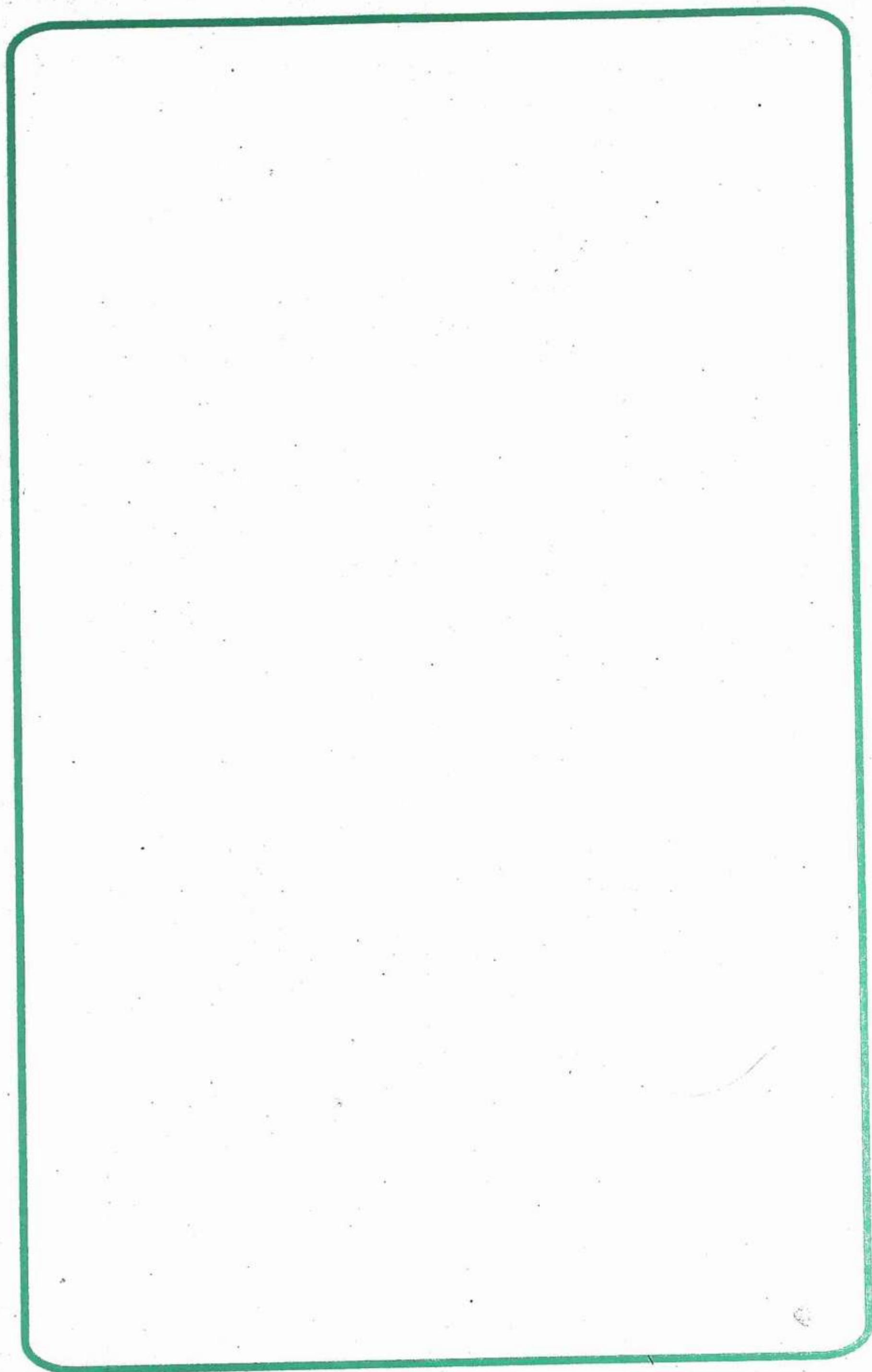
پہلی نوع

معلم اور متعلم کے مشترکہ آداب، یہ آداب دو قسموں پر مشتمل ہیں

۱۔ وہ آداب جو ان کے اپنے بارے میں ہیں ۲۔ وہ آداب جو حلقہ درس سے متعلق ہیں

پہلا مطلب: سب سے پہلی چیز جو استاد اور شاگرد پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک علم کے سیکھنے اور سکھانے کے سلسلے میں اپنی نیت کو خدا کے لئے خالص کرے چونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہوا کرتا ہے اور اسی نیت کے سبب سے کبھی انسان کا عمل ٹھیکریوں جیسی بے قیمت ہو جاتا اور کبھی ایسے نفیس گوہر بن جاتا ہے کہ جس کی قیمت کا اندازہ بھی لگایا نہیں جاسکتا اور کبھی کبھی یہ عمل اس کے کرنے والے پر وبال بن جاتا ہے جو اس کے گناہوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے خواہ واجبات کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

بنابرایں استاد اور شاگرد میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے عمل کو، خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے حکم کی تعمیل، اپنے نفس کی اصلاح اور لوگوں کو ان کے دینی امور میں راہنمائی کے قصد سے انجام دے نہ یہ کہ وہ اس عمل سے دنیا کے مال و منصب، شہرت،

لوگوں میں امتیاز اور یار دوستوں میں فخر و بلندی وغیرہ جیسے برے مقاصد کا ارادہ رکھے۔
چونکہ ایسے برے مقاصد، نصرت الٰہی سے محرومی اور اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں نیز آخرت کی دائمی زندگی اور نعمتوں کے ہاتھ سے جانے کا باعث ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں برے مقاصد کا حامل یہ شخص اس آیت کا مصداق ٹھہر جائے گا، الاَخسَرِینَ اَعمالاً، الَّذِینَ ضَلَّ سَعیُهُم فِی الحَیاِ الدُّنیا وَهُم یَحسَبُونَ اَنَّهُم یُحسِنُونَ صُنعاً.
(یہ وہی لوگ ہیں) جو برے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارت اٹھانے والے ہیں اور دنیا کی زندگی میں ان کی سب کوششیں اکارت گئیں ہیں جبکہ وہ سوچ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔ (کہف/۱۰۳-۱۰۴)

اخلاص کی تعریف: یعنی باطن کو ماسوی اللہ کے تصور سے عبادت کے ذریعے پاک و صاف رکھنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاعبُدُ وا اللّٰہ مُخلِصِینَ لَهُ الدِّینَ. اَلا لِلّٰہِ الدِّینُ الخَالِصُ . پس اللہ کی عبادت کرو دین کو اسی کے لئے خالص کرتے کرکے۔ آگاہ رہو! خالص دین خدا ہی کے لئے ہے۔ (زمر/۲-۳)

وَمَا اُمِرُوا اِلاَّ لِیَعبُدُوا اللّٰہَ مُخلِصِینَ لَهُ الدِّینَ حَنفَآءَ. اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ باطل سے کتراتے ہوئے اللہ کی خالصانہ عبادت کریں۔ یہ ارشاد یہاں تک پہنچتا ہے کہ: وَذَالِکَ دِینُ القَیِّمَةِ ۔ اور اخلاص ہی صحیح دین ہے۔ (بیّنہ/۵)

فَمَن کَانَ یَرجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلیَعمَل عَمَلاً صَالِحاً وَلا یُشرِک بِعبَادَةِ رَبِّهِ اَحَداً پس جو اپنے پروردگار سے ملاقات کی امیدوار ہے تو انہیں چاہئے کہ نیک اعمال

انجام دیں اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ (کہف/۱۱۰)

کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے عمل سے لوگوں کی تعریف چاہتے ہیں۔

نیز ارشاد تعالیٰ ہے: مَن کَانَ یُرِیدُ حَرثَ الآخِرَةِ نَزِدْلَهُ فِی حَرثِه، وَمَنْ کَانَ یُرِیدُ حَرثَ الدُّنیَا نُؤتِیهِ مِنهَا وَمَالَهُ فِی الآخِرَةِ مِنْ نَصِیبٍ. جو آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہے ہم اس کے لئے اسی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے ہم اس کے واسطے اسی میں افزائش دیں گے، اور آخرت میں وہ کوئی حصہ نہیں پائے گا۔ (شوریٰ/۲)

مَن کَانَ یُرِیدُ العَاجِلَةَ عَجَّلنَا لَهُ فِیهَا مَانَشَاءُ لِمَنْ نُرِیدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ یَصْلٰهَا مَذْمُوماً مَدْحُوراً. جو دنیا کا خواستگار ہے (تو) ہم جسے جو چاہے جلد ہی عطا کریں گے (لیکن) پھر ہم نے اسکے لئے جہنم کو آمادہ رکھا ہے جس میں وہ بری حالت میں دھتکارا ہوا داخل ہو جائے گا (اسراء/۱۸)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الاَعْمَال بِا لنیات وَاِنَّما لِکُلِّ امرِئٍ مَا نویٰ ، فَمَن کَانَت هِجرَته اِلَی اللهِ وَرَسُولِه فَهِجرَتُهُ اِلَی اللهِ وَرَسُولِه، وَمَن کَانَتْ هِجرَتُه اِلیٰ دُنیَا یُصِیبُها اَو اِمْرَاۃٍ یَنکَحُهَا، فَهِجرَتُه اِلیٰ مَاهَاجَرَ اِلیه.

اعمال کا دارا و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، بنابراین جس کی ہجرت اللہ اور اس کی رسول کی طرف ہو تو واقعی اس کی ہجرت خدا اور اس کی رسول کی طرف ہے اور اگر اس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو تو اسی کو پائیگا اور کسی

عورت کی طرف ہوتو اس سے نکاح کرے گا اور اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف وہ چلا ہے۔ (سنن بن ماجہ ج ۲ ص ۱۳-۱۴)

یہ حدیث اصول اسلام اور اس کے قوانین میں سے ہے اور اس کا پہلا ستون ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ حدیث علم کا تہائی حصہ ہے اور بعض فضلاء نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ انسان تین چیزوں، دل، زبان، اور ہاتھوں کے ذریعے (چیزوں کو) حاصل کرتا ہے بنابرایں نیت بھی انہیں چیزوں میں سے ہے بلکہ ان میں بہتر اور افضل ہے کیونکہ نیت زبان اور ہاتھوں کے برخلاف، بذات خود ایک عبادت ہے (اور مستقلا بہت سی احادیث کا عنوان ٹھہر چکی ہے)۔

علمائے ماسلف اور ان کے بعض تابعین اپنی تصنیفات کا آغاز زیادہ تر اِسی حدیث سے کیا کرتے تھے تاکہ اس قدام کے ذریعے اپنے قارئین کو حسن نیت اور اسکی اصلاح پر تنبیہ کریں (اور انہیں بتائیں) کہ وہ اس سلسلے میں اہمیت دیتے ہوئے ہر کام کے آغاز میں نیک باطنی اور اخلاص نیت پر توجہ دیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نِیّةُ المؤمِنِ خیرٌ مِنْ عَمَلِه . نِیّةُ المؤمِن اَبْلغُ مِن عَمَلِهِ.

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے بعبارت دیگر زیادہ مقصود کو پہنچنے والی ہے۔

(اصول کافی ج ۲ ص ۸۴ کتاب الایمان والکفر)

☆ اِنَّمَا یُبْعَثُ النَّاسُ عَلیٰ نِیَّاتِهِم.

یقیناً لوگ اپنی نیتوں پر محشور کیے جائیں گے۔ (احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۳۲۲)

آپ ﷺ نے جبرئیل سے اور انہوں نے خدائے عزّ وجلّ سے کہ اس نے فرمایا:

اَلاِخْلَاصُ سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِی اِسْتَودَعْتُهُ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِی .

اخلاص میرے اسرار میں سے ہے جس کو میں اپنے بندوں میں سے جس کے چاہے دل میں امانت رکھ دیتا ہوں ۔ (منیۃ المرید ص، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلا شخص جس کے بارے میں قیامت کے دن فیصلہ سنا دیا جائیگا، شہید ہے۔ جو لا جائے گا اور (پہلے) اسے (عطا کی گئی) نعمتوں کو پہنچوایا جائے گا اور وہ پہچان لے گا۔ تو خدا فرمائے گا: تم نے ان سے دنیا میں کیا کام انجام دیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک میں شہید ہو گیا۔ خدا فرمائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بلکہ تم اس غرض سے جنگ لڑنے گئے تھے تا کہ لوگ تم کو بہادر کہیں اور یقیناً ایسا کہا جا چکا ہے۔ پھر حکم دئے جانے پر اسے منہ کے بل کھسیٹا جائے گا یہاں تک کہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اس کے بعد اس شخص کو لایا جائے گا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن کی تلاوت کی تھی چنانچہ اس سے بھی، اس کو عطا کی گئی نعمتیں پہنچوائی جائیں گی اور وہ ان کو پہچان لے گا۔ تو خداوند فرمائیگا: تم نے دنیا میں کون سے کام انجام دئے؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور اسے (تیرے بندوں کو) سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔ خدا فرمائے گا: تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ تم نے اس غرض سے علم حاصل کیا تا کہ لوگ تمہیں عالم کہیں۔ اس لئے قرآن پڑھا تا کہ لوگ تم کو قاری قرآن کہیں تو واقعی ایسا کہا جا چکا ہے۔ پھر اس کے بارے میں بھی حکم دیا جائیگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یہاں تک جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

آپ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغىٰ بِه وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، لا يَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِيُصِيبَ بِه غَرَضاً مِنَ الدُّنيا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يومَ الْقِيامَةِ.

جو شخص علم کو کہ جس سے صرف خدا کی خوشنودی مقصود ہونا چاہئے ،محض دنیاوی اغراض کے لئے حاصل کرے گا، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ نہیں سکے گا۔ (منیۃ المرید ص ۱۴۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيرِ اللهِ اَوْ اَرادَ بِهِ غَيْرَ وَجْهِهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .

جو غیر خدا کے لئے علم حاصل کرے گا یا اس علم سے خدا کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو تو اسے چاہئے کہ جہم میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔ (سنن ترمذی ج ۵ ص ۳۳ کتاب العلم باب ۶)

جو علم کو اس غرض سے حاصل کرے گا کہ اس سے علماء کے ساتھ ساتھ رہے، یا احمقوں میں خودنمائی کرے یا اس سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے: تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ تلاش کرنا چاہئے۔

لا تَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُمارُوا بِهِ السُّفَهاءَ، وَتُجادِلُوا بِهِ الْعُلَماءَ، وَ لِتُصْرِفُوا وُجُوهَ النَّاسَ اِلَيْكُمْ . وَابْتَغُوا بِقَوْلِكُمْ مَاعِنْدَاللهِ ، فَاِنَّهُ يَدُومُ وَيَبْقىٰ ، وَيَنْفَدُ مَاسِوَاهُ . كُونُوا يَنابِيعَ الْحِكْمَةِ، مَصَابِيحَ الْهُدىٰ، اَحْلاسَ الْبُيُوتِ ، فُرُجَ اللَّيلِ، جَدَدَ الْقُلُوبِ، خلقَانَ الثِّيابِ ، تُرفَعُونَ فِي اَهْلِ السَّماءِ ، تُخْفُونَ فِي اَهْلِ الاَرْضِ.

علم کو اس غرض سے حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعے احمقوں میں اپنے آپ کو جتاؤ، علماء کے ساتھ بحث کرنے لگو اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرو۔ اپنے کلام کے ذریعے

وہ چیز طلب کرو جو صرف خدا ہی کے پاس ہے کیونکہ وہ ذات دائم اور لافانی ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ فانی اور زوال پذیر ہیں۔ تم لوگ حکمت کے سرچشمے، ہدایت کے چراغ، گھر کے بوریے (خانہ نشینی)، تاریکی کے مشعل، زندہ دل اور پرانے گھسے کپڑے بن جاؤ تا کہ تم اہل آسمان میں معروف ہو اور اہل زمین میں گمنام رہو۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

☆ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِاَرْبَعٍ دَخَلَ فِی النَّارِ: لِیُبَاهِیَ بِه الْعُلَمَاءَ، اَوْیُمَارِیَ بِهِ السُّفَاءَ، اَوْلِیُصْرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَیْهِ، اَوْ یَاخُذَ بِهِ مِنَ الْاُمَرَاءِ.

جس نے چار مقاصد کیلئے علم حاصل کیا جہنم میں داخل ہو جائے گا: اس سے علماء میں فخر ومباہات کرے، احمقوں کے ساتھ بحث وتکرار کرے، لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے یا امیروں سے (مال ودولت) حاصل کرے۔ (سنن الدرامی ج ۱ ص ۱۰۳)

☆ مَاازْدَادَ عَبْدٌ فِی الدُّنْیَا رَغْبَةً اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْداً.

جس بندے کے علم کے ساتھ جس قدر دنیا کی رغبت بھی بڑھتی جائے گی اتنا ہی خدا سے دور ہوتا جائے گا۔ (سنن الدرامی ج ۱ ص ۱۰۷)

كُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلٰی صَاحِبِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ بِهٖ

ہر علم، حامل علم کے لئے وبال ہے سوائے وہ علم جس پر عمل ہو۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

☆ اَشَدُّ النَّاسِ عَذاباً یَومَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعُهُ عِلْمُهُ.

قیامت کے دن سب سے شدید عذاب اس عالم پر ہوگا جس کا علم اس کو کوئی نفع نہ پہنچائے۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَثَلُ الَّذِی یُعَلِّمُ النَّاسَ وَ یَنْسٰی نَفْسَهُ مَثَلُ الْفَتِیلَةِ تُضِیءُ لِلنَّاسِ وَ تُحْرِقُ نَفْسَهُ.

خود کو بھلا کرلوگوں کو خیر سکھانے والے کی مثال اس شمع کے مانند ہے جوخود جل کر دوسروں کوشنی دیتی ہے۔ایک روایت میں ہے: وہ چراغ جیسا ہے۔(کنز العمال ج۱۰،ص ۱۸۶)

عُلَمَاءُ هٰذِهِ الاُمَّةِ رَجُلَانِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ عِلْماً فَبَذَلَهُ لِلنَّاسِ، وَلَمْ يأخُذْ عَلَيْهِ طَمَعاً، وَلَمْ يَشْرِ بِهِ ثَمَناً، فَذٰلِکَ تَسْتَغْفِرُ لَهُ حِيتَانُ الْبَحْرِ وِدَوَابُّ الْبَرِّوَ الطَّيْرُ فِی جَوِّ السَّمَاءِ، وَ يَقْدَمُ عَلَی اللهِ سَيِّداً شَرِيْفاً حَتّٰی يُرافِقَ الْمُرْسَلِينَ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ عِلْماً فَبَخَلَ بِهِ عَنْ عِبَادِاللهِ وَاَخَذَ عَلَيْهِ طَمَعاً وَشَرىٰ بِه ثَمَناً، فَذٰلِکَ يُلْجَمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِن نَارٍ و يُنَادِی مُنَادٍ: هَذَالَّذِیْ آتَاهُ اللهُ عِلْماًفَبَخِلَ بِهِ عَنْ عِبَادِاللهِ وَاَخَذَ عَلَيْهِ طَمَعاً وَ اشْتَرىٰ بِهِ ثَمَناً.وَكَذَالِکَ حَتّٰی يَفْرَغَ الْحِسَابَ.

اس امت کے علماء دوطرح کے ہیں: ایک وہ جسے خداعلم عطا کرتا ہےاوروہ بغیرکسی رشوت کےلوگوں کوسکھاتا ہےاورنہ اس کو قیمت کے عوض بھیجتا ہےتو اس شخص کے حق میں سمندر کی مچھلیاں، خشکی کے جانوراورفضاء میں اڑنے والے پرندے طلب مغفرت کرتے ہیں۔اوروہ بارگاہ الٰہی میں سرداروپیشوابن کرآئے گا۔ یہاں تک کہ رسولوں کی رفاقت پالے گا۔دوسراوہ جسے خداتعالیٰ علم کی دولت عطا کرتا ہےاوروہ اسےلوگوں کوسکھانے میں بخل اور کنجوسی کرتا ہےاوراس پر رشوت لیتا ہےاوراسے بھیج دیتا ہےتو قیامت کے دن اس شخص کے منہ میں آگ کی لگام لگادی جائے گی۔پھرایک منادی آوازلگائے گا: یہ وہی ہے

جسے خدا نے علم عطا کیا لیکن اس نے، اسے (خدا کے) بندوں کو سکھانے میں بخل کا مظاہرہ کیا اور اس پر رشوت لی اور اسے بھیج ڈالا، اور یہ اعلان ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اس عالم سے حساب و کتاب ختم ہو جائے۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۶، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ كَتَمَ عِلْماً اَلْجَمَهُ اللهُ بِلِجَامٍ مِن نَارٍ.

جو علم کو پوشیدہ رکھے گا خدا سے آگ کی لگام لگا دے گا۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۱۷)

وَالْعِلْمُ عِلْمَانِ : فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ عِلْمٌ نَافِعٌ. عِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ، فَذَاكَ حُجَّةُ اللهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ.

علم دو طرح کے ہیں: ایک علم دل میں ہوتا ہے جو نفع دینے والا ہے اور ایک علم زبان پر ہوتا ہے تو یہ علم اولاد آدم کے خلاف خدا کی حجت ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۲)

اِنِّی لَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی مُؤمِناً وَلَا مُشْرِكاً. فَاَمَّا الْمُؤمِنُ فَيَحْجُزُهُ اِيْمَانُهُ وَاَمَّا الْمُشْرِكُ فَيَقْمَعُهُ كُفْرُهُ. وَلٰكِنْ اَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ مُنَافِقاً عَلِيْمَا اللِّسَانِ، يَقُولُ مَاتَعْرِفُوْنَ وَ يَعْمَلُ مَاتُنْكِرُوْنَ.

مجھے اپنی امت کے بارے میں نہ مومن سے خوف ہے اور نہ مشرک سے؛ مومن سے اس لئے نہیں کہ اس کو، اس کا ایمان (ضرر پہنچانے سے) روکے رکھے گا اور مشرک سے اسلئے کہ اس کا کفر ہی اس کا قلع قمع کر دے گا بلکہ مجھے اگر تمہارے بارے میں کوئی خوف ہے تو اس چرب زبان منافق سے ہے جو کہتا وہی کچھ ہے جو تم جانتے ہو اور کرتا وہی کچھ ہے جس سے تم باز رہتے ہو۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۹)

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ بَعْدِى: كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ.

میرے بعد جس چیز سے مجھے سب سے زیادہ تم مسلمانوں کے بارے میں خوف ہے

وہ چرب زبان منافق ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۶)

اَلاَ اَنَّ شَرَّ الشَّرِّ ،شِرَارُ الْعَلَمَاءِ وَاِنَّ خَيرَ الْخَيرِ ، خِيَارُ الْعَلَمَاءِ.

آ گاہ رہو! برے سے برا شر، علماء کا شر ہے اور اچھے سے اچھے لوگ علمائے نیک (سیرت) ہیں۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ قَالَ اَنَا عَالِمٌ فَهُوَ جَاهِلٌ.

جس نے کہا کہ میں عالم ہوں، تو وہ جاہل ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

دین اس قدر پھلتا جائے کہ سمندروں کے پار پہنچ جائے گا اور سارے سمندر راہِ خدا میں سرگرم ہونگے پھر تمہارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور کہے گی: ہم نے قرآن پڑھا، اور کون ہم سے بڑھکر پڑھنے والا ہے؟ اور کون ہم سے زیادہ جاننے والا ہے؟ پھر آپؐ اپنے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمانے لگے: کیا ایسے لوگوں میں کوئی خیر ہے؟ کہا نہیں! فرمایا: اور وہ تمہیں میں سے ہوں گے، جو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

....

پہلی فصل

حصول علم اور اس کی تعلیم کی اہمیت ولزوم کے بارے میں وارد ہونے والی ان روایتوں کے بیان میں ہے جو شیعہ راویوں سے نقل ہو چکی ہیں

شیعہ راویوں کے حوالے سے کلینیؒ نے روایت کی ہے کہ جس کا سلسلہ علیؑ تک پہنچتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنهُومَانِ لاَ یَشْبَعَانِ: طَالِبُ دُنْیا وَطَالِبُ عِلْمٍ. فَمَنِ اقْتَصَرَ مِنَ الدُّنیا عَلٰی مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَهُ، سَلِمَ. وَمَنْ تَنَاوَلَهَا مِنْ غَیْرِ حِلِّهَا هَلَکَ اِلاَّ اَنْ یَتُوبَ وَیُرَاجِعَ. وَمَن اَخَذَ الْعِلْمَ مِنْ اَهْلِهِ وَعَمِلَ بِهِ، نَجیٰ. وَمَن اَرَادَ بِهِ الدُّنیا، فَهِیَ حَظُّهُ.

دو بھوکے ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے: طالب دُنیا اور طالب علم؛ تو جس نے دنیا میں خدا کی حلال کردہ چیزوں پر اکتفا کی تو وہ محفوظ رہے گا اور جو دنیا کو حرام طریقے سے حاصل کرے گا، ہلاک ہوگا مگر یہ کہ پشیمان ہو کر توبہ کرے۔ جو علم کو اس کے اہل سے حاصل کرے گا نجات پالے گا اور جو علم سے دنیا کو طلب کرے گا تو وہی اس کا نصیب ہوگا۔ (بحار

الانوار ج ۱ص ۱۶۸۔ ج ۲ص ۳۵)

نیز شیخ کلینیؒ سے منقول ہے جس کی سند امام محمد باقرؑ تک پہنچتی ہے:

جو علم اس غرض سے حاصل کرے گا کہ اس سے علما میں مباہات کرے یا احمقوں سے الجھ پڑے یا اس سے لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے تو اسے جہنم میں اپنا ٹکانہ ڈھونڈ نا چاہئے۔ بے شک ریاست اپنے اہل کے لئے سزاوار ہے۔

انہیں سے منقول ہے جس کی سند امام جعفر صادقؑ تک پہنچتی ہے:

مَنْ اَرَادَ تَحْصِيلَ الْحَدِيثِ لِمَنْفَعَةِ الدُّنيا، لَمْ يَكُن لَهُ فِي الآخِرَةِ نَصِيبٌ. وَمَنْ اَرادَ بِهِ خَيرَ الْآخِرَةِ اَعْطَاهُ اللهُ خَيرَ الدُّنيا وَالْآخِرَةِ.

جو دنیا کی منفعت کی خاطر حدیث کا ارادہ کرے گا تو اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ ہوگا اور جو اس سے آخرت کی بھلائی چاہے گا اللہ اس کو دنیا و آخرت کی خیر عطا کرے گا۔ (بحار الانوار ج ۲ص ۱۰۷)

اِذَا رَأيْتُمُ الْعَالِمَ مُحِبّاً لِلدُّنيافَاتَّهِمُوا هُ عَلىٰ دِينِكُم، فَاِنَّ كُلَّ مُحِبِّ الشَّيءِ يَحُوطُ مَااَحَبَّ.

جب تم کسی عالم کو دنیا کا دوستدار پالو تو اپنے دینی امور میں اسے متّہم قرار دو (یعنی اس کی ہر بات پر اعتماد نہ کرو) کیونکہ ہر محبّ اس چیز کے گرد پھرتا ہے جو اسے محبوب ہوتی ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۸، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

پھر امامؑ نے فرمایا: خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر وحی فرمائی:

لاتَجْعَلْ بَينِي وَبَينَكَ عَالِماً مَفْتُوناً بِالدُّنيَاء فَيَصُدُّكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي، فَاِنَّ اُولٰئِكَ قُطَّاعُ طَرِيقِ عِبَادِيَ الْمُرِيدِينَ. اِنَّ اَدنىٰ مَااَنَا صَانِعٌ

بھِمْ : اَنْ اَنْزِعَ حلاوَۃَ مُناجَاتِیْ مِنْ قُلُوبِھِمْ

میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ قرار مت دو جو دنیا کے فتنوں میں فریفتہ ہو کہیں وہ تجھے میری محبت سے پھیر نہ دے کیونکہ یہی لوگ میرے چاہنے والے بندوں کے راہزن ہیں۔ معمولی ترین عذاب جو میں ان پر کروں گا یہ ہے کہ میں ان کے دلوں سے میری مناجات کی میٹھاس اور حلاوت چھین لوں گا۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۸، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

آپؐ - ہی سے منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء اسی وقت تک انبیاء کے امین (اور وارث) ہوں گے جب تک وہ (محبتِ) دنیا میں گرفتار نہ ہوں۔ کہا گیا: یا رسول اللہ، ان کا دنیا میں گرفتار ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: صاحبان منصب کے تابع ہو جانا، پس جب وہ ایسا کریں گے تو تم اپنے دین کے سلسلے میں ان سے ہوشیار رہو۔

علم طلب کرنے والے تین طرح کے ہیں: تو تم انہیں ان کی فطرت اور اوصاف کے ذریعے پہچان لو۔ ایک صنف وہ ہے جو علم کو ٹھٹے بازی اور خودنمائی کی خاطر طلب کرتی ہے۔ دوسری صنف وہ ہے جو اس کی علم کو غلبہ حاصل کرنے اور مکر وفریب کی غرض سے طلب کرتی ہے۔ تیسری صنف وہ ہے جو علم کو، دین سے آگاہی اور عمل کی خاطر طلب کرتی ہے؛ تو جو نادان اور خودنما ہیں خودنمائی کرنے والے اور آزار رساں ہوں گے جو حلم اور علمی مذاکرہ کا مظاہر کرتے ہوئے لوگوں کی محفلوں میں (بحث وتکرار) کی باتیں چھیڑیں گے، ان کے تن پر جامہ تقوی ہوگا جبکہ باطن خوف وورع سے بالکل خالی ہوگا تو خدا ایسوں کی ناک کا بانسا کوٹ کر رکھدے گا اور ان کے سینے کی ہڈیاں توڑ کر رکھدے گا۔

دوسرا اگروہ جو سلطہ جو اور مکار ہے تو وہ جلد باز اور چاپلوس ہونگے، اپنے جیسوں پر غلبہ پانے کی کوشش کریں گے، اور امیروں کے سامنے جھک کر پیش آئیں گے تو یہ لوگ

رشوت کو ہضم کرنے اور دین کی کمر توڑنے والے ہوں گے۔ اللہ اس بنا پر ان کی شہرت کو خاک میں ملا کر رکھدے گا اور انکا، علماء کی فہرست میں نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ اور تیسرا گروہ جو دین سے آگاہی اور عمل کیلئے (علم حاصل کرنے والے ہیں): غمگین ومحزون اور شب زندہ دار ہوں گے اور تحت حنک لگائے رات کی تاریکیوں میں عبادت کر رہے ہوں گے باعمل، خوفزدہ، ہراساں، خائف اور دین کی طرف بلانے والے، اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ اور اپنے زمانے کے لوگوں کو اچھی طرح پہچانتے ہوں گے۔ اپنے بااعتماد ترین بھائیوں سے بھی وحشت میں ہوں گے لہذا اللہ ان کے توسط سے دین کے ستونوں کو مستحکم کرے گا اور روز قیامت انہیں اپنے امان میں رکھے گا۔

علم حاصل کرنے والوں کے سات گروہ

شیخ صدوقؒ نے کتاب ''الخصال'' میں امام جعفر صادق -کے حوالے سے لکھا ہے:

۱۔ بے شک بعض علماء ایسے ہیں جو صرف اپنے علم کو ذخیرہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان سے سیکھے تو ایسے علماء جہنم کے پہلے طبقے میں ہونگے؛

۲۔ کچھ صاحبان علم ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور جب وہ خود (دوسروں کو) نصیحت کرنے لگتے ہیں تو سختی اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ جہنم کے دوسرے طبقے میں ہوں گے۔

۳۔ بعض علماء ایسے ہیں جو اپنے علم کو صرف اُمَراء اور شرَفاء تک تک محدود رکھنا چاہتے ہیں اور اسے مسکینوں کو سکھانے سے گریز کرتے ہیں، تو یہ جہنم کے تیسرے طبقے میں ہوں گے۔

۴۔ بعض علماء ایسے ہیں جو اپنے علم میں جابروں اور سلاطین کی چلن چلتے ہیں یعنی اگر

ان کو جواب دیا جائے یا ان کی شان میں کوئی کمی واقع ہوئی تو غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ لوگ جہنم کے چوتھ طبقے میں ہوں گے۔

۵۔ بعض علام ء ایسے ہیں جو یہود و نصاریٰ کی احادیث کی بھی کھوج لگاتے ہیں تا کہ اس سے اپنے علم کو وسعت دیں اور احادیث میں اضافہ کریں (چنانچہ دور حاضر کے بعض علماء اپنے علمی مواد اور اطلاعات کو زیادہ معیاری ظاہر کرنے اور دوسرں پر اپنا رعب جمانے کے لئے ایسا ہی کیا کرتے ہیں،) تو یہ گروہ جہنم کے پانچویں طبقے میں ہوگا۔

۶۔ بعض علماء ایسے ہیں، جو اپنے آپ کو صاحب فتویٰ سمجھتے ہیں اور سلونی (مجھ سے پوچھو) کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں جبکہ ایک لفظ بھی شاید صحیح معنوں میں نہ جانتے ہوں ،حالانکہ اللہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پس یہ گروہ جہنم کے چھٹے طبقے میں ہوں گے۔

۷۔ علماء میں بعض ایسے ہیں جو علم کو عقل و مروّت کی خاطر حاصل کرتے ہیں یہ گروہ جہنم کے ساتویں طبقے میں ہوں گے۔

....

دوسری فصل

ضرورتِ اخلاص کے بارے میں منقول انبیاء ؑ کے فرمودات

پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث:

جب حضرت موسی ؑ نے حضرت خضر ؑ سے ملاقات کی تو کہا: مجھے نصیحت کریں! حضرت خضر نے فرمایا اے طالب علم! یقیناً بولنے والا سننے والے سے بہت کم تھک جایا کرتا ہے۔ پس جب تم اپنے ہم نشینوں سے باتیں کرنے لگو تو انہیں نہ تھکاؤ اور جان لو کہ یہ تمہارا دل ایک ظرف ہے لہذا جو کچھ اس برتن میں بھرتے ہو اس پر نظر رکھو، دنیا کو پہچان لو اور اسے پس پشت پھینکو! کیونکہ یہ تمہارا گھر نہیں ہے اور نہ اس میں تجھے قرار ملے گا بلکہ اسے بندوں کے واسطے زادِ آخرت پانے کا ایک وسیلہ قرار دیا ہے۔

اے موسیٰ! آپنے آپ کو صبر پیشہ بناؤ کہ حلم پا جاؤ گے، تقوی کو کو اپنے دل سے چسپاں لباس قرار دو کہ علم حاصل کرو گے اور اپنے نفس پر صبر و تحمل کی ریاضت کرو کہ گناہوں سے گلوخلاصی پاؤ گے۔

اے موسیٰ! اگر تم علم چاہتے ہو تو اپنے آپ کو اس کے لئے فارغ کر دو، چونکہ علم صرف

اسی کو مل سکے گا جو اس کے لئے مکمل فارغ ہو جائے ، باتونی اور بیہودہ گو نہ بنو کیونکہ باتونی ہونا علماء کے لئے ننگ وعیب ہے اور یہ صفت کم عقلوں کی برائیوں کو آشکار کر دیتی ہے بلکہ تمہیں چاہئے کہ میانہ روی اختیار کرو کیونکہ یہ کامیابی اور استحکام کی علامت ہے اور جاہلوں اور کم عقلوں سے روگردانی کرو چونکہ یہ عمل حلیم لوگوں کی فضیلت اور علماء کی زینت ہے۔ جب جاہل تم کو برا بھلا کہے اس سے بچتے ہوئے خاموشی اختیار کرو اور محتاط ہو کر اس سے کترا ؤ کیونکہ جو کچھ جہل اور شتامت کی باتیں تیرے خلاف اس کے پاس باقی ہیں وہ اس سے بڑھکر ہیں۔

اے فرزند عمران! اس دروازے کو نہ کھولو جس کے بند ہونے کی وجہ تم نہ جانتے ہو اور نہ اس دروازے کو بند کرنے کی کوشش کرو جس کے کھلے رہنے کا سبب تمہیں معلوم نہ ہو۔

اے فرزند عمران! جس کا پورا ہم وغم دنیا ہی (سے وابستہ) رہے اور کبھی اس کی رغبت دنیا سے ختم نہ ہو، کیونکر وہ عابد ہو سکتا ہے؟ جو اپنے حال کو ناچیز سمجھے اور اللہ کو اس کے بارے میں کئے ہوئے فیصلے پر متہم کرے، کیونکر وہ زاہد بن سکتا ہے۔ اے موسیٰ! جو کچھ سیکھتے ہو عمل کیلئے سیکھو اور نہ صرف سنانے کے لئے ورنہ علم تیرے لئے وبال اور اس (کو ان کر عمل کرنے والے) کے لئے نور بن جائے گا۔

حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا: کیا تم دنیا کی خاطر (اس قدر) مشقت اٹھاتے ہو جبکہ رزق اس میں تمہیں بغیر محنت کے ملے گا اور آخر کے لئے عمل نہیں کرتے ہو جبکہ وہاں بغیر عمل کے کچھ بھی تمہیں نہیں ملے گا؟ کیا تم ان برے علماء میں ہو جو اجرت لے کر اپنے اعمال کو برباد کرتے ہیں؟ قریب ہے کہ پروردگار ایسے عالم سے اس کے عمل کا حساب کرے اور اسے اس وسیع وعریض دنیا سے نکال کر تنگ وتاریک قبر میں اتارے۔ حالانکہ اللہ نے گناہوں

سے ایسے ہی منع کیا ہے جسطرح روزے اور نماز کا حکم دیا ہے۔ تو ایسا شخص کیوں کر عالم ہو سکتا ہے جو اس کے رزق پر ناخوش اور اپنی منزلت کو ناچیز سمجھے؟ حالانکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ ایسا اللہ کے علم اور اسکی قدرت سے ہوا ہے۔ کیونکر ایسا شخص اہل علم کے زمرے میں ہوگا جو اللہ پر اس کے بارے میں کیے گے فیصلے سے متعلق تہمت لگائے اور اس کی نعمتوں پر راضی نہ ہو؟ کس طرح ایسا شخص عالم کہلایا جائے گا جس کی نگاہوں میں دنیا کی آخرت سے زیادہ اہمیت ہو اور اس پر ٹوٹ پڑتا ہو، اور اس کا ضرر اس کے فائدے سے زیادہ محبوب ہو؟ کیسے ایسا شخص اہل علم کے شمار میں ہوگا جو بات کو فقط بات کی حد تک رکھے اور اس پر عمل نہ کرے؟

وَيۡلٌ لِلۡعُلَمَاءِ السُّوءِ تَصۡلَى عَلَيۡهِمُ النّارُ. ثُمَّ قَالَ: اِشۡتَدَّ مَؤُنَةُ الدُّنۡيا وَ مَؤُنَةُ الآخِرَةِ: اَمَّا مَؤُنَةُ الدُّنۡيا فَاِنَّکَ لاَ تَمُدُّ يَدَکَ الیٰ شَیءٍ مِنۡهَا اِلاَّ وَجَدۡتَ فَاجِراً قَدۡ سَبَقَکَ اِلَيۡهِ. وَاَمَّا مَؤُونَةُ الآخِرَةِ فَاِنَّکَ لاٰ تَجِدُ اَعۡوَاناً يُعِينُوکَ عَلَيۡهَا.

افسوس ہو علماے سوء پر جو جہنم میں داخل ہوں گے۔

پھر فرمایا: دنیا اور آخرت دونوں کے رنج و مشقت شدید ہیں: دنیا کے رنج و مشقت اس لئے کہ جب بھی تم کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو تم دیکھو گے کہ کسی فاجر نے تم سے قبل ہی اس میں پہل کی ہے، رہ گئی آخرت کی مشقت تو وہ اس لئے کہ وہاں تم کسی کو بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو تیرا مددگار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر وحی فرمائی: اے داؤد! میرے اور تیرے درمیان ایسے عالم کو واسطہ نہ بنانا جو دنیا کے فتنوں کا فریفتہ ہو کہیں وہ تجھے میری محبت سے پھیر نہ دے

کیونکہ یہی لوگ میرے چاہنے والے بندوں کے راہزن ہیں۔ معمولی ترین عذاب جو میں ان پر کروں گا یہ ہے کہ میں ان کے دلوں سے مجھ سے مناجات کی میٹھاس اور حلاوت چھین لوں گا۔ (منیۃ المرید ص ۱۳۸، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَن تَعَلَّمَ عِلماًمِنْ عِلمِ الآخِرَةِ لِيُرِيدَ بِهِ غَرَضاً مِنْ غَرَضِ الدُّنيا، لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل ہوا ہے: جو آخرت کے علم کو دنیا کی غرض اور ہدف کے لئے سیکھے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (بحار الانوار ج ۲۱ ص ۳۳)

....

تیسری فصل

شیطان کی میکاریوں اور اخلاص کی اہمیت کے بارے میں

اخلاص کا درجہ عظیم اور قابل قدر ہے۔ یہ پر خطر، دقیق معنی کا حامل اور ترقی پانے میں بہت مشکل ہے۔ اس کے طلبگار کو دقت نظر، صحت فکر اور سخت محنت کی ضرورت ہے۔ کیونکر ایسا نہیں ہوگا کہ قبولیت اور ثواب کا دارومدار اخلاص پر ہے اور اسی کی بنیاد پر عابد کی عبادت، عالم کی زحمت اور جدو جہد کرنے والوں کی جدو جہد کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہے۔

انسان اگر اپنے نفس اور اپنے عمل کی حقیقت پر غور و تفحص کرے تو یقیناً وہ اخلاص کی کمی، برائیوں کے شائبے اور مسلسل موانع کا اپنے اندر مشاہدہ کرے گا مخصوصا علماء اور طالب علم؛ چونکہ خصوصا ابتدائی مراحل میں طالب علم کو (غلط اہداف کی طرف) ابھارنے کی بہت سی وجوہات پائی جاتی ہیں۔ جیسے: مال و منصب اور شہرت و مقبولیت کی خواہش، برتری کی لذت، فرمانروائی کی خواہش اور اپنی تعریف و ثناء کی چاہت (وغیرہ) ان کے علاوہ بسا اوقات شیطان ان کو دھوکے میں ڈالتے ہوئے کہتا ہے: تمہارا ہدف تو دین کی نشر و اشاعت اور شریعت محمدیؐ (کی خدمت) میں سبقت لے جانا ہے۔

ان مقاصد کے آثار اس وقت ظاہر ہوں گے کہ جب اس کا ساتھیوں میں سے کوئی زیادہ علم اور بہتر حالات کا مالک بن جائے بطوریکہ لوگوں کو اپنی طرف موڑے۔تو اس وقت طالب علم کو دیکھ لینا چاہئے کہ: اگر اس کا رویہ، اس حترام وتوقیر پانے والے شخص اور اس کو علم وفضل کا مالک جاننے والوں کے ساتھ اچھا ہو، ان کا زیادہ احترام کرتا ہو اور اس سے مل کر زیادہ خوش ہوتا ہو چنانچہ دوسرے شخص جو ہر حوالے سے قابل احترام ہو، کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ کرے، تو (سمجھ لینا چاہئے) وہ اپنے دین میں دھوکہ کھایا ہوا ہے اور اسے نہیں پتہ کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ بسا اوقات اہل علم کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایک دورسرے سے عورتوں جیسی غیرت کرنے لگتے ہیں لہذا اپنے شاگردوں کا، کسی کے پاس آمد ورفت کرنا ان پر شاق گزرتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ شاگرد اس غیر سے دینی امور میں استفادہ کر رہا ہے۔

یہ، (علما) کے دلوں میں پوشیدہ ان مہلک صفات کی ایک جھلک ہے جن کے بارے میں عالم سوچتا ہے کہ وہ ان ان صفات سے بری ہے جبکہ وہ اس سلسلے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے جو کہ ان علامات کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر واقعی دین کا درد اسے علم پر ابھار رہا ہو، تو جب وہ اپنے غیر کو اس کے مہم میں شریک، یا صاحب نظر یا تعلیم کے سلسلے میں مددگار پائے گا، یقیناً اللہ کا شکر ادا کرے گا چونکہ خدا نے اس مہم میں اس کی کفالت ارو مدد فرمائی ہے اور دین کو مضبوط بنانے کے لئے مزید زمینہ فراہم کیا ہے، اسے لوگوں کا راہنما اور ان کے دینی امور میں معلم؛ اور انبیاءؑ کی سیرتوں کو بقا بخشنے والا بنایا ہے۔

بعض اوقات شیطان عالموں کو شبہات میں ڈالتے ہوئے کہتا ہے: تیرا رنج تو صرف

اس واسطے ہے کہ تو ثواب سے محروم ہو چکا ہے نہ اس لئے کہ لوگوں نے تجھے چھوڑ کر دوسرں کی طرف رخ کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ تیرے پاس رجوع کرتے تو تُو انہیں وعظ و نصیحت کرتا اور وہ تجھ سے فائدے پاتے اور یوں تو ثواب پا جاتا! اور تیرا، ثواب سے محروم ہونے پر مغموم ہونا، قابل تعریف ہے۔

یہ بیچارہ نہیں جانتا کہ حق کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور اسی کے حکم کو مان لینا ہی افضل اور بہترین ثواب کا باعث ہے اور اس کا تنہا رہ جانا ہی آخرت میں زیادہ منفعت بخش ہے۔

جان لینا چاہئے کہ اگر انبیاء اور ائمہ ؑ کے پیروکار اس بات پر رنج و غم میں مبتلا ہوتے کہ (تبلیغ کا) یہ مرتبہ ان سے چھٹ کر صرف اپنے اہل سے مخصوص ہو چکا ہے، تو یقیناً وہ نہایت قابل مذمت و ملامت ہوتے بلکہ ان کا خدا کے حکم پر گردن جھکانا اور امر تبلیغ کو اپنے اہل کے لئے ہی سزاوار سمجھنا، ان کے بہترین اعمال ہیں اور آخرت میں زیادہ کارآمد اور نفع پہنچانے والا ہے۔

یہ سب کچھ شیطان کے مکروفریب ہیں بلکہ کبھی تو اچھے خاصے اہل علم بھی شیطان کے دھوکے میں آکر اپنے آپ سے کہنے لگتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ سے بہتر اور اہلیت رکھنے والا ہوتا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی البتہ اس کے نفس کا ایسا کہنا امتحان اور دھوکہ کھانے سے قبل ہے کیونکہ انسان کا نفس پہلے پہل تو آسانی سے وعدوں کو قبول کر لیتا ہے لیکن جب وقت آتا ہے تو یکدفیعہ بدل جاتا ہے اور اپنے کئے ہوئے وعدوں کو پورا نہیں کرتا۔ سوائے وہ جسے خدا ہی بچا رکھے۔ البتہ ایسے مہلک ترین مکاریوں کو صرف وہی پہچان سکتے ہیں جو نفس کی مکاریوں اور حیلہ بازیوں سے واقف ہوں اور اس کی آزمائشوں میں ایک عمر گزاری ہو۔

تو جو شخص اپنے اندر اس قسم کی مہلک بیماریوں کا احساس کرے اس پر واجب ہے کہ اس

کے علاج کے لئے روحانی طبیبوں سے رجوع کرے اور اگر ان طبیبوں کو نہ پائے تو اس سلسلے میں تالیف کردہ ان کی کتب سے استفادہ کرنا چاہئے اور اگر دونوں کا کچھ نشان نہ پائے اور ان سے متعلق آگاہی رکھنے والا بھی کوئی نہ ہو اور فقط ان کے نام ہی باقی رہ چکے ہوں تو اللہ ہی سے توفیق طلب کرنا چاہئے اور اگر ایسا کرنے سے بھی رہ گیا تو اس پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی اور گمنامی اختیار کرے اور جب کچھ پوچھا جائے تو اپنا بچاؤ کرے، سوائے اس کے کہ جب تعلیم و تعلّم کا موقع فراہم ہو۔

کبھی کبھی شیطان کچھ اور بہانے سے اس کے پاس آکر کہنے لگتا ہے: اگر یہی کچھ (تبلیغ سے لاتعلقی) ہوتا رہیگا، تعلیم کا سلسلہ جاتا رہے گا اور مخلوق میں دین کا نام و نشان نہ رہے گا چونکہ اس طرح علم کے شرائط اور خلاص کی طرف توجہ کرنے والے بہت ہی کم ہوں گے حالانکہ دین کی ترویج و تبلیغ سب سے عظیم اطاعتوں میں سے ہے۔ تو ایسے موقع پر طالب علم کو چاہئے کہ (شیطان کو) یوں جواب دے: دین اسلام اس وجہ سے کبھی کمزور نہ ہوگا چاہے شیطان خدا کے بندوں میں ریاست و حکومت کی محبت پیدا کرتا رہے، لیکن قیامت تک وہ ان کے اعمال میں کوئی فتور یا نقص پیدا نہیں کرسکے گا۔ بلکہ دین کی تبلیغ اور ترویج کے لئے ایسے لوگ بھی اقدام کریں گے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

چنانچہ رسولِ خدا ﷺ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھذا الدِّینَ بِاَقْوامٍ لاٰخَلاقَ لَھُمْ.

خدا اس دین کی ایسے لوگوں کے ذریعے سے مدد فرمائے گا جن کا آخرت میں کوئی نصیب نہیں ہوگا۔ (کنز العمال ۱۰/۱۸۳-۱۸۴)

نیز آپ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھذا الدِّینَ بِالرَّجُلِ الْفاجِرِ.

خدااس دین کی مدد فاجر وفاسق کے ذریعے بھی کردے گا۔(وہی کتاب)

لہذا مناسب نہیں ہے کہ (شیطان کے) ان مکاریوں سے دھوکہ کھاجائے کہ جس کے سبب لوگوں میں اس قدر کھوجائے جس کے نتیجے میں اس کے دل میں جاہ ومنصب اور تعظیم وتعریف کی خواہش بڑھنے لگے۔ چونکہ یہ خواہشات نفاق کی بیج ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُبُّ الْجاہِ وَالْمالِ یُنْبِتُ النِّفاقَ فِی الْقَلْبِ کَما یُنْبِتُ الْماءُ الْبَقْلَ.

منصب ودولت کی محبت (انسان کے) دل میں اسطرح نفاق کو پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزیوں کو۔(منیۃ المرید ص ۱۳۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاذِ نُبانِ ضاریانِ اُرْسِلا فی زَریبَۃِ غَنَمٍ بِاَکْثَرَ فَساداً مِنْھُما مِنْ حُبِّ الْجاہِ وَالْمالِ فی دینِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ

ایک مسلمان کے دین کے لئے منصب ودولت کی محبت ان دو بھیڑیوں سے زیادہ ضرر پہنچانے والی ہے جو مویشیوں کے گلے میں چھوڑ دے جاتے اوران کو چیر پھاڑ کرر کھ دیتے ہیں۔(وہی کتاب)

لہذا طالب علم کواس کے دل میں پوشیدہ ان صفات اوران سے چھٹکارا پانے کے طریقوں پرغور کرنا چاہیئے کیونکہ عالم اور طالب علم میں ان صفات کے پائے جانے سے پیدا ہونے والی فتنہ انگیزیاں اورنقصانات دوسرے نقصانات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ اس کے فعل وترک دوسروں کے لئے نمونہ عمل ہوتے ہیں۔ لہذا جاہل ایسے دوفعلوں پر

(دلیل پیش کرتے ہوئے) کہتے ہیں: اگر یہ عمل قابلِ مذمت ہوتا تو علماء ہم سے زیادہ اس سے پرہیز کرتے۔ یوں وہ ان برے افعال کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مگر علماء اور جاہلوں کے گناہوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے کیونکہ قیامت کے دن جاہل صرف اپنے گناہوں کو لے آئے گا جبکہ عالم اپنے اور قیامت تک کے اپنی پیروی کرنے والوں کے گناہوں کا (بوجھ) لے آئے گا چنانچہ مستند روایتوں میں بیان ہوا ہے۔

بہر حال اخلاص کی پہچان اور اس پر عمل کرنا ایک ایسا عمیق سمندر ہے کہ جس میں سبھی غرق ہو جاتے ہیں سوائے چند گنے چنے افراد کے جن کا استثناء قولِ تعالیٰ میں کیا گیا ہے:

اِلّا عِبادَکَ مِنهُمُ المُخلَصینَ. (سوائے وہ بندے جو مرکز اخلاص ہیں)۔

لہذا عبد خدا کو اخلاص کے بارے میں پائے جانے والے ان دقیق اور ظریف نکتوں سے متعلق بہت ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہئے ورنہ وہ شیطان کے اہلکاروں میں جا ملے گا اور اسے خبر بھی نہ ہوگی۔

دوسرا امر: عالم اور متعلم پر فرض ہے کہ اپنے علم پر دھیرے دھیرے عمل کریں چونکہ عاقل کا پورا ہم و غم عمل کا خیال رکھنا ہوتا ہے جبکہ جاہل کی کوشش صرف سنانے کی حد تک ہوتی ہے۔ حضرت علی -نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے فرمایا:

اَلعُلَماءُ رَجُلانِ:

رَجُلٌ آخِذٌ بِعِلمِه، فَهذا ناجٍ، وَعالِمٌ تارِکٌ لِعِلمِه، فَهذا هالِکٌ. وَاِنَّ اَهلَ النّارِ لَيَتَاَذَّونَ مِن ريحِ العالِمِ التّارِکِ لِعِلمِه. وَاِنَّ اَشَدَّ اَهلِ النّارِ نَدامَةً وَحَسرَةً رَجُلٌ دَعا عَبدَاللهِ تَبارَکَ وَتَعالی فَاستَجابَ لَهُ وَقَبِلَ مِنهُ فَاَطاعَ اللهَ فَاَدخَلَهُ الجَنَّةَ وَاَدخَلَ الدّاعِیَ النّارَ بِتَرکِه عِلمَهُ وَاِتّباعِهِ الهَوی وَطُولِ

اُلْاَمَلِ ، اَمَّا اتبا عُ الْهوى فَيصُدُّ عَنِ الْحَقِّ ، وَطُولُ الْاَمَلِ يُنسِى الْآخِرَة .

علماء دوطرح کے ہیں: ایک وہ عالم جواپنے علم پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو یہ نجات پائیں گے اور دوسرے وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ، لہذا یہ ہلاک ہوجائیں گے۔ بہ تحقیق اہل دوزخ، عالمِ بے عمل کی بد بو سے بیزار ہوں گے۔ جہنمیوں میں سب سے زیادہ پشیمانی اور افسوس اس شخص کو ہوگا جس نے لوگوں کو خدائے متعال کی طرف دعوت دی تو انہوں نے اسے قبول کر کے اللہ کی اطاعت کی اور وہ داخل بہشت ہونگے جبکہ انہیں بلانے والے خود اپنی بے عملی، خواہشات کی پیروی اور لمبی آرزوں کی وجہ سے جہنم میں جھونک دئے جائیں گے۔ چونکہ خواہشات کی پیروی (انسان) کو حق سے روک دیتی ہے؛ اور لمبی آرزو آخرت کو بھولنے کا سبب ہوتا ہے۔ (اصول کافی ج ۱ص ۴۴، کتاب فضل العلم حدیث ۱)

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے:

اِنَّ الْعالِمَ اِذا لَمْ يَعْمَلْ بِعِلْمِه زَلَّتْ مَوْعِظَتُهُ عَنِ الْقُلُوبِ كَمايَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفا .

جب عالم اپنے علم پر عل نہیں کرتا تو اس کی نصیحتیں (لوگوں کے) دلوں سے اس طرح پھسل جاتی ہیں جس طرح چکنے پتھر سے بارش کے قطرے۔ (اصول کافی ج ۱ص ۴۴، کتاب فضل العلم حدیث ۳)

ایک شخص امام زین العابدین ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مسائل سے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے اسے جواب دیا۔؛ پھر وہ شخص دوبارہ اسی طرح کے مسائل پوچھنے کی غرض سے لوٹ آیا تو امام ؑ نے فرمایا، انجیل میں مکتوب ہے:

لا تَطْلُبوا عِلْمَ مَا لا تَعْمَلُوْنَ وَلَمَّا تَعْمَلُوا بِما عَلِمْتُمْ ، فَاِنَّ الْعِلْمَ اِذا لَمْ

يُعْمَلُ بِه لَمْ يَزِدْ صَاحِبَهُ اِلاَّ كُفراً ، وَلَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ اِلاَّ بُعْداً.

اگرتم اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہوتو (مزید) ایسے علم کی جستجو میں نہ پھرو جسے تم نہیں جانتے ہو۔ چونکہ جب علم پر عمل نہیں ہوتو وہ اس کے حامل کے لئے صرف کفر اور خدا سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ (وہی کتاب حدیث ۴)

مفضّل بن عمر نے امام جعفر صادق ؑ سے سوال کیا کہ نجات پانے والے کیونکر پہچانے جاتے ہیں؟ تو فرمایا:

مَنْ كَانَ فِعْلُهُ لِقَوْلِهِ مُوافِقاً فَآتٍ لَهُ بِالشَّهادَةِ [لِلنَّجاةِ] وَمَنْ لَمْ يَكُنْ فِعْلُهُ لِقَوْلِهِ مُوافِقاًفَاِنَّما ذالِكَ مُسْتَوْدَعٌ. (وہی کتاب حدیث ۵)

فرمایا: جس کا عمل اس کے قول کے مطابق ہو تو تم گواہ رہنا کہ وہ (نجات پا جائے گا) اور جس کا کام اس کے قول کے موافق نہ ہو تو اس کا علم ایک وقتی شے ہے۔

حضرت امیرالمؤمنین ؑ نے منبر پر اپنے خطبے کے دوران فرمایا:

لوگو! جب تم علم سیکھتے ہو تو اپنے علم پر عمل کرو شاید تم ہدایت پالو۔ یقیناً عالم بے عمل اس پریشان حال جاہل کی طرح ہے جسے اپنی جہالت (کی بیماری سے) افاقہ نہیں ملتا۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ عالم بے عمل پر خدا کی لعنت (اور مؤاخذہ) اپنی جہالت میں پریشان حال جاہل سے زیادہ شدید اور اس کی حسرت و پشیمانی زیادہ طولانی ہے حالانکہ دونوں ہی سرگردان اور ہلاک ہونے والے ہیں۔

(اے لوگو!) گمان نہ کرو کہ شک میں پڑ جاؤ گے، شک میں نہ پڑو کہ کفر کرنے لگو گے، اپنے نفس کو چھوٹ نہ دو کہ دھوکہ کھا جاؤ گے اور حق کے بارے میں دھوکہ نہ کھاؤ کہ نقصان اٹھاؤ گے۔ یقیناً حق یہی ہے کہ تم حلال وحرام کو پہچان لو، حلال وحرام کو پہچاننے سے مراد یہ

ہے کہ مغرور نہ ہو۔ اپنے نفس کیلئے تم میں سب سے زیادہ خیر خواہ وہی ہے جو اپنے رب کا زیادہ اطاعت گزار ہو اور تم میں سب سے زیادہ جری اور بے باک وہ ہے جو اپنے پالنے ولاے کی زیادہ نافرمانی کرے۔ جو اللہ کی اطاعت کرے گا امن اور خوشحالی پالے گا اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا نامراد اور پشیمان ہوگا۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

اَلْلاِنْصاتُ .قالَ ثُمَّ مَهْ یا رَسُولَ اللهِ ؟قالَ: اَلاِسْتِماعُ .قالَ ثُمَّ مَهُ ؟ قالَ: الْحِفْظُ .قالَ ثُمَّ مَهُ ؟قالَ الْعَمَلُ بهِ، قالَ ثُمَّ مَهُ یا رَسُولَاللّٰہ؟ قالَ: نَشْرُهُ.

یارسول اللہ علم کیا چیز ہے؟ فرمایا: خاموش رہنا۔ پھر عرض کیا: خاموشی سے کیا مراد ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا: غور سے سننا: پھر عرض کیا: غور سے سننے سے کیا مقصد ہے؟ فرمایا: محفوظ رکھنا۔ عرض کیا محفوظ رکھنے سے کیا مقصود ہے؟ فرمایا عمل۔ عمل کیا چیز ہے؟ فرمایا: اپنے علم کو (اس پر عمل کے بعد) پھیلانا۔ (اصول کافی ج ا ص ۴۸ کتاب فضل)

حضرت موسی کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے، جو کافی علم سیکھ چکے تھے، ایک دفعہ آپؑ سے اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کی اجازت چاہی تو حضرت موسیؑ نے اس سے فرمایا: بے شک رشتہ داروں سے تعلقات رکھنا ضروری ہے لیکن تم دنیا کی طرف مایل ہونے سے ہوشیار ہو چونکہ خدا نے تجھے علم سے مالا مال کیا ہے لہذا دنیا کی طرف رجوع کر کے اسے ضائع نہ کرو۔ اس شخص نے کہا: خیر ہی ہوگا۔ (یہ کہہ کر) وہ اپنے رشتہ داروں کی طرف چلا گیا۔ جب اس کو گئے ہوئے کافی مدت ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا لیکن کسی کو اس کے متعلق خبر نہ تھی۔ پھر آپؑ نے حضرت

جبرئیل ؑ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے فرمایا: کیا میرے فلاں صحابی سے متعلق آپ جانتے ہیں؟ تو بتا دیجئے! جبرئیل ؑ نے فرمایا: ہاں! یہ پڑا ہے دروازے پر جو بندر کی شکل میں مسخ ہو چکا ہے اور اس کے گلے میں زنجیر لگی ہوئی ہے (یہ دیکھ کر) حضرت موسیٰ ؑ خدا سے فریاد کرنے لگے اور اٹھ کر اپنی جائے نماز پر گئے اور خدا سے دعا کی: پروردگارا! یہ میرا ہم نشین اور صحابی (کے ساتھ کیا ہوا ہے)؟ خدا نے ان پر وحی کی: اے موسیٰ، اگر تم اس شخص کے بارے میں اس قدر دعائیں مانگو کہ تیری ہنسلی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں تو بھی میں تیری دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ میں نے اسے علم (کی دولت سے) مالا مال کیا لیکن اس نے اس کو ضائع کیا اور دوسری چیزوں کی طرف رخ کیا۔

ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے حضرت امیر المؤمنین ؑ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ فرماتے ہیں:

اے طالب علم! بلاشبہ علم کی بڑی فضیلتیں پائی جاتی ہیں، علم کا سر چشمہ تواضع، اس کی آنکھ حسد سے بچنا، اس کے کان سمجھ بوجھ، اس کی زبان سچائی، اس کا تحفظ جستجو، اس کا دل نیک نیتی، اس کی عقل مختلف امور کے اسباب کو پہچاننا، اس کے ہاتھ مہربانی، اس کے پیر علماء کی زیارت، اس کی سلامتی ہمت و مردانگی، اس کی حکمت حرام سے بچنا، اس کا قرار نجات، اس کی راہنمائی عافیت، اس کی سواری وفا، اس کا اسلحہ نرم کلامی، اس کی تلوار رضا (بہ تقدیر الٰہی) اس کا کمان مدارات، اسکی فوج علماء سے گفتگو، اس کی دولت ادب، اس کا ذخیرہ اور پونجی گناہوں سے پرہیز کرنا، اس کی اوڑھنی نیکیاں اس کی پناہ امانتداری، اس کی راہبری ہدایت اور اس کا ساتھی نیکو کاروں سے محبت ہے۔

امام جعفر صادق ؑ سے منقول عنوان بصری نامی طویل حدیث میں ذکر ہوا ہے:

لَیسَ الْعِلمُ بِکَثْرَ التَّعَلُّمِ ،اِنَّما هُوَنو رٌ ، یَقَعُ فی قَلْبِ مَنْ یُرِیدُ اَنْ یَهْدِیهُ . فَاِذا اَرَدْتَ الْعِلْمَ فَاطْلُبْ اَوَّ لاً فِی نَفْسِکَ الْعبو دِیَّةَ، وَاطْلُبِ الْعِلْمَ باسْتِعمالِه، وَاسْتَفْهِمِ اللهَ بِفَهْمِکَ.

علم زیادہ سیکھنے سے نہیں ملتا بلکہ یہ ایک نور ہے جو، خدا جس کی ہدایت چاہے اس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ لہذا جب تم علم چاہو تو پہلے اپنے نفس میں بندگی کی حقیقت پالو، علم کو اس پر عمل کرنے کے لئے تلاش کرو اور خدا سے طلب فہم کرو کہ وہ تمہیں فہم و آگہی عطا کرے۔ (وہی کتاب)

....

فصل

اس بیان میں کہ طلب علم سے مقصد صرف عمل ہے

جان لو! علم کی مثال پھلدار درخت جیسی ہے۔ پھلدار درخت سے صرف اس کا پھل مقصود ہوتا ہے۔ جہاں تک درخت کی بات ہے تو اسے استعمال میں نہیں لایا جاتا بنابراین خود درخت سے کسی قسم کی غرض نہیں ہوتی کیونکہ اس سے جس طرح کا بھی فائدہ اٹھایا جائے گا، وہ اس کے پھل سے اٹھائے جانے والے فائدے کی ایک قسم ہوگی۔

لہذا ہر علم کی اصل غرض اور ہدف عمل ہی ہے کیونکہ سارے علوم کی بازگشت دو ہی قسم کی طرف ہوتی ہے: ا۔ معاملات کا علم ۲۔ معرفت کا علم؛ معاملات کے علم سے مراد حلال و حرام اور دیگر احکام کو جان لینا نیز نفس کے برے اور اچھے اخلاق اور اس کے علاج اور نجات کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ہے۔ رہا علم معرفت، تو اس سے مقصود معرفت خدا اور اس کی صفات اور اسماء کا علم ہے۔ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام علوم یا تو ان دونوں کے لئے وسیلہ ہے یا مجموعی طور پر عمل ہی ان سے مراد ہے چنانچہ یہ بات غور و فکر کرنے والوں پر مخفی

نہیں۔ بظاہر علوم سے محض عمل مقصود ہے بلکہ اگر عمل نہ ہو تو علم کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

[عالم بے عمل کی ایک خوبصورت مثال]

اب ہم عرض کرتے ہیں: شرعی اور دیگر علم میں ماہر شخص، اگر اپنے اعضاء و جوارح کی دیکھ بال اور ان کو گناہوں سے بچانے، انہیں اطاعت (خداوند) کے پابند بنانے، نیز ان کو فرائض سے نوافل اور واجبات سے مستحبات تک ترقی دینے میں اپنے علم پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی اور کاہلی برتے اور اس کا مقصد سرف علم ہی ہو، تو ایسا شخص اپنے نفس سے غافل اور دین میں دھوکہ کھایا ہوا ہے اور اپنی عاقبت کے بارے میں شبہہ میں مبتلا ہے۔ تو اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جس کا مرض فقط ایک ایسی دوا سے ٹھیک ہو سکتا ہے جو بہت سے عناصر اور اجزء کا مرکب ہو۔ اس بیماری کو ماہر طبیبوں کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ پس یہ بیمار طبیب کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرتا ہے حتی کہ اپنے وطن سے نکل جانے کے بعد ماہر طبیب کو پا لیتا ہے اور وہ طبیب اسے دوائی، اس کی ترکیبات اور ان کی اقسام اور استعمال کے طریقے سکھا دیتا ہے نیز اس کو یہ بھی بتلا دیتا ہے کہ اس دوائی کے مرکبات کہاں کہاں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور ان کو کس طرح کوٹ کر گوندھا جاتا ہے۔ بہر حال بیمار یہ سب کچھ سیکھ لیتا ہے اور ان ہدایات کا بہترین خط میں ایک نسخہ تیار کر کے اسے بار بار دھراتے ہوئے اپنے گھر لوٹ آتا ہے بلکہ وہ اسے دوسرے مریضوں کو بھی سکھاتا ہے لیکن وہ خود اس دوائی کو پیس کر بناتا نہیں یا اس کو استعمال نہیں کرتا۔ تو آپ کی رائے میں کیا یہ دوائی اسے کچھ فائدہ دے گی؟ کبھی نہیں دے گی۔ اگر چہ وہ اس کا ہزار نسخے بنا ڈالیں اور اسے ہزار بیمار کو سکھائے یہاں تک کہ وہ سب شفا بھی پا جائیں، اور وہ اسے ہر رات ہزار مرتبہ دھراتے رہے پھر بھی اس کے لئے مفید نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ (اپنی جیب سے) پیسے

خرچ کر کے دوا خریدے اور سکھائے گئے طریقوں کے مطابق اس کو تیار کرے، اس کی کڑواہٹ کو برداشت کرے اور پرہیز پر عمل کرتے ہوئے معینہ وقت پر اسے پی لے غرض اس کی تمام شروط پر عمل کرے۔ جب یہ سب کچھ وہ کرے گا تو وہ شفا کے نزدیک ہو جائے گا اور اگر بالکل ہی نہ پئے تو کیا حالت ہوگی؟

اسی طرح فقیہ بھی ہے کہ جب وہ دینی علوم کو پوری طرح سیکھے اور اس پر عمل نہ کرے نیز وہ تمام مخفی اور ظاہر گناہوں کا علم حاصل کرے لیکن ان سے گریز نہ کرے، تمام بری عادتوں اور نفس کو پاک بنا دینے والے اچھے اخلاق سے اچھی طرح واقف ہو جائے لیکن اپنے اندر یہ صفات نہ پائی جاتی ہوں، تو ایسا شخص اپنے نجس باطن سے غافل اور دین میں فریب خوردہ ہے۔ چونکہ خدا فرماتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰيها (جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ فلاح پا گیا) اور یوں نہیں فرمایا: جس نے نفس کو پاک رکھنے کے طریقے سیکھ لئے، اس کے علم کو لکھ لیا اور اسے لوگوں کو سکھایا، وہ فلاح پا گیا۔

ایسے موقع پر شیطان اس فقیہ سے کہنے لگتا ہے: ایسی مثال تجھے دھوکے میں نہ ڈالے چونکہ دواء کا علم بیماری کو ختم نہیں کرتا لیکن تیرا مقصد اور ہدف خدا کی قربت اور اس کا اجر پانا ہے اور علم ہی سے ثواب کما سکتا ہے۔ پھر وہ علم کے فضائل میں منقول احادیث سنائے گا۔ پس اگر وہ بے چارہ کم عقل دھوکہ کھانے والا ہوگا، اس کی خواہش کے مطابق عمل کرے گا اس سے اطمینان پا کر کوتاہی کرنے لگے گا اور اگر ہوشیار ہوگا تو شیطان سے کہدے گا: کیا تم مجھے علم کے فضائل یاد دلا کر، ان احادیث کو بھلوا رہے ہو جو عالم بے عمل کی مذمت میں آئی ہیں؟ جبکہ خدائے تعالیٰ بلعم بن باعور کہ جس کے پاس بارہ ہزار صاحبان قلم علمی نکات لکھ لیتے تھے اور اس کے علاوہ خدا نے اسے اور بھی بہت سے معجزات عطا کئے تھے کہ جن

میں سے ایک یہ ہے جب وہ (اور پر کی طرف) دیکھتا تو عرش بھی نظر آنے لگتا تھا؛ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عالم بے عمل کی مذمت میں فرماتا ہے:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ.

بے عمل عالم کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے یا یونہی چھوڑے رکھو تو بھی زبان نکالے رہے۔ (اعراف/۱۷۶)

عالم بے عمل کی مذمت میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرِيةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَاراً.

جن لوگوں (کے سروں پر) تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جن پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ (جمعہ/۵)

یعنی ان کو اٹھا کر حقیقی مقصد جو کہ عمل تھا، کو حاصل نہ کیا تو وہ گدھے جیسے ہیں جو صرف بوجھ ہی اٹھاتا ہے۔

تو اس سے بڑھکر رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایسے شخص کو کتے اور گدھے سے مثال دی جارہی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ ازْدَادَ عِلْماً وَلَمْ يَزْدَدْ هُدىً لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ الاّ بُعْداً.

جس نے علم میں اضافہ تو کیا لیکن ہدایت (اور عمل) میں اضافہ نہ کیا تو وہ خدا سے دور ہی ہوتا جائے گا۔ (منیۃ المرید ص ۱۵۲ ناشر مکتب اعلام اسلامی)

آپؐ نے فرمایا:

يُلْقَى الْعَالِمُ فِى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ، فَتَدُورُ بِهِ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ فِي الرَّحىٰ.

عالم (بے عمل)، جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے گرد گھومتا رہے گا جس طرح گدھا چکّی کے گرد گھومتا ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج۳ص۳۳۴)

آپ - نے فرمایا:

شَرُّ النَّاسِ، الْعُلَماءُ اسّوءُ وَیْلٌ لِاَّمتی مِنْ عُلَماءِ السُّوءِ.

بدترین لوگ علمائے بے عمل ہیں، میری امت پر ان کی علمائے سوء کی وجہ سے افسوس ہو۔ (منیۃ المرید ص۱۵۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

ابو درداء کا کہنا ہے: جو شخص نہیں جانتا اس پر ایک افسوس ہو چونکہ اگر اللہ کی مرضی ہوتی تو ضرور اسے علم سکھا دیتا، اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس پر سات مرتبہ افسوس ہو یعنی علم اس کے خلاف ایک حجت اور دلیل ہے کیونکہ اس سے کہا جائے گا: تم نے اپنے علم کے ساتھ کیا کِیا؟ اور کیونکر تم نے خدا کا شکر ادا کیا؟

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذا باً یَوْمَ القِیمَۃِ :عالِمُ لَمْ یَنْفَعُہُ اللہ بِعِلْمِہ .

قیامت کے دن سب سے بدترین عذاب اس عالم پر ہوگا جس کو اللہ اس کے علم کے ذریعے فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ (احیاء علوم الدین، ج اص ۳رج ۳ص ۳۳۴)

(علماء کو تنبیہ کرنے والی) ان احادیث کے علاوہ اور بھی بیشمار احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے کتاب کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔

جس نے علم کی فضیلت کی خبر دی ہے اس نے ان علماء کی مذمت اور ملامت کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کے سلسلے میں کوتاہی کرے گا اس کا حال جاہلوں سے کہیں بدتر ہوگا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ.

کیا تم کتاب کے بعض حصے کی تصدیق اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ (بقرہ/)

(یہ وضاحتیں علمِ معاملات کے بارے میں تھیں) رہا خداشناسی کا علم یعنی خدائے متعال کی معرفت اور اس پر متوقف دوسرے علومِ عقلیہ (جیسے منطق وفلسفہ وغیرہ)۔

وہ عالم جو خدا کی معرفت رکھتا ہے اور نہایت غفلت کی وجہ سے عمل میں کوتاہی اور اللہ کے حکم اور اس کی حدود کو پائمال کرنے والا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک بادشاہ کی خدمت کا آرزومند ہے تو وہ بادشاہ کو اور اس کے اخلاق، اس کے اوصاف، اسکی شکل، قدوقامت، عادتیں اورس کی نشست و برخاست سبھی کو پہچان لیتا ہے لیکن اس کی پسندیدہ اور اس کو غضبناک کرنے والی چیزوں کو نہیں پہنچانتا۔ یا وہ ان کو بھی پہچانتا ہے لیکن اس کا مقصد صرف اور صرف خدمت ہی ہے اور وہ ان تمام چیزوں کا مرتکب ہو رہا ہے جو اس بادشاہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور ان تمام خصوصیتوں اور حرکات وسکنات کو ترک کر رہا ہے جو اس کو پسند ہیں۔ پھر وہ بادشاہ کے پاس پہنچتا ہے اور اس کے تمام ناپسندیدہ خصوصیتوں کے حامل اور محبوب خصوصیتوں سے عاری ہونے کے باوجود وہ اس بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچ کر اس کی قربت حاصل کرنا اور اس کا خاص الخاص بننا چاہتا ہے اس سبب سے کہ وہ خود باشاہ کو اس کے حسب ونسب، اس کے نام ونمود، اس کے ملک، شکل و صورت، اس کے غلاموں کے بارے میں کرنے والی سیاست اور رعایا کے ساتھ کرنے والے رفتار سے بخوبی آگاہ ہے۔

بلکہ یہ مثال (خداشناسی اور معاملات) دونوں قسم کے علماء پر صادق آتی ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو سمجھ لو وہ غفلت اور دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا عالم اپنے

سارے علم کو بھلا بیٹھتا اور خدا کی معرفت اور اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے متعلق تھوڑے سے علم میں لگے رہتا تو یہ اس کو زیادہ اپنی مراد تک پہنچا دیتا جو کہ (خدا کی) قربت اور (اس کی بارگاہ میں) خاص مقام پیدا کرنا ہے۔ بلکہ اس کی عمل میں سستی اور اپنی خواہشات کی پیروی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے حقیقی معنوں میں معرفت کو پہچانا ہی نہیں بلکہ وہ صرف اس کے کھوکھلے لفظ کو جانتا تھا کیونکہ اگر وہ حقیقی معنوں میں خدا کی معرفت رکھتا تو ضرور اس کا خوف رکھتا اور پرہیزگاری اختیار کرتا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ اس بارے میں توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّما یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبادِہِ الْعُلَماءُ. اللہ کے بندوں میں سے علما ہی اس سے ڈرنے والے ہیں۔ (فاطر/۲۸)

اس شخص کو عاقل نہیں کہا جاتا جو شیر کو تو پہچانے لیکن اس سے نہ ڈرے اور اس سے دور نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد -پر وحی فرمائی: مجھ سے اس طرح ڈرو جس طرح چیر پھاڑ کرنے والے بھیڑیئے سے ڈرا جاتا ہے۔

جی ہاں! جو صرف شیر کا رنگ، اس کی شکل اور نام جانتا ہو تو وہ شیر سے کیا ڈرے گا کیونکہ (اس صورت میں) گویا اس نے شیر کو پہچانا ہی نہیں ہے۔

زبور کی ابتدا میں ہے: حکمت کا سرچشمہ خوف خدا ہے۔

....

دوسری فصل

طالب علم کے دھوکہ کھانے اور عالموں کے غافل ہونے کے بیان میں ہے

شرعی احکام کی پیروی نیز فقہاء کی ، نماز ، روزہ ، دعا اور تلاوتِ قرآن اور ایسی ہی دیگر عبادات کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر عمل پیرا ہونے کے بعد بھی عالم کی عمل میں کوتاہی ہونا ممکن ہے کیونکہ واجب اعمال ، قطع نظر از مستحبات ، مذکورہ اعمال تک ہی محدود نہیں بلکہ ان ابواب کے علاوہ دیگر احکام کا سیکھنا بھی نہایت ضروری ہے جنہیں فقہاء نے (اپنی کتب میں) لکھا ہے جو ان مذکورہ اعمال سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ، ان کی جستجو اور ان پر بحث و مذاکرہ کرنا زیادہ عظیم ہے اور وہ علم ، نفس کو تکبر ، ریاء ، حسد اور بغض و دشمنی وغیرہ جیسے بری اور مہلک عادتوں سے پاک رکھنا ہے (جو اپنی مخصوص کتب میں بیان ہو چکی ہیں)۔ نیز زبان کو غیبت ، چغلی خوری ، منافقت اور مسلمانوں کی عیب جوئی وغیرہ سے محفوظ رکھنا ہے ، اور یہی حکم دوسرے اعضاء کے بارے میں بھی ہے ۔ چونکہ ان کے بھی اپنے مخصوص احکام اور گناہ ہیں جو اپنے مقام پر ذکر ہو چکے ہیں ۔ لہذا ہر ایک پر ان کے بارے میں جاننا

اور ان کے احکام پر عمل کرنا لازم ہے۔ یہ ایسے احکام ہیں جو فقہی کتب کے معاملات اور اجارات وغیرہ کے ابواب میں پائے نہیں جاتے بلکہ ان کے لئے ضروری یہ ہے کہ حقیقی باعمل علماء اور ان کی اس سلسلے میں لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

ایک عالم ربّانی کے لئے اس سے زیادہ دھوکے اور غفلت کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیائی علوم پر خوش رکھے لیکن نفس کی اصلاح اور اپنے پروردگار کو خوشنود کرنے سے غفلت میں پڑے رہے۔

ایسے علماء کے غرور اور غفلت، عملی میدان میں کھل کر آپ کے سامنے آئے گی۔ عمل کے سلسلے میں (ایک عالم کے) دھوکے میں پڑنے کے اسباب ہم عرض کرچکے ہیں اور اس کی مثال (بھی بیان کی جاچکی ہے کہ وہ) اس مریض کے مانند ہے جو دوا کا نسخہ سیکھ کر اس کو تکرار کرتے ہوئے اسے دوسروں کو سکھانے میں مصروف رہے۔ نہیں بلکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بواسیر اور بَرسام کے مرض میں مبتلا ہو اور وہ ہلاکت کے دھانے پر ہو نیز دوا اور اس کے استعمال کے محتاج ہو لیکن وہ استحاضے (کے علاج) کے لئے دوا ڈھونڈھتا پھر رہا ہو اور اس کے لئے دن رات دوڑ دھوپ کرتا رہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ مرد ہے جسے نہ کبھی حیض آئے گا اور نہ کبھی استحاضہ سے دوچار ہوگا۔ مگر وہ یہ کہتے ہوئے ایسا کرتا ہے کہ ممکن ہے کبھی کسی عورت کو استحاضہ کی بیماری لگ جائے اور مجھ سے اس بابت میں سوال ہو جائے۔ تو ایسا کرنا غفلت کی انتہا ہے کیونکہ اس نے اس دوا کا علم حاصل نہیں کیا جس کا استعمال اس کی بیماری کے لئے مفید تھا بلکہ کسی اور مرض کے علاج میں پھرتا رہا جس کو ہم نے ذکر کیا۔

اسی طرح وہ بے چارہ فقیہ ہے جس پر خواہشات کی پیروی، حب دنیا، حسد، دکھاوا،

غضب، بغض اور خود بینی وغیرہ کا غلبہ ہے، جن کی وجہ سے اس کے وہی اعمال جن کو وہ اچھا خیال کر رہا ہے، اگر ان کے باطن کا مشاہدہ کرے تو وہی اسے واضح گناہ نظر آئیں گے۔ لہذا ایسے عالم کو پیغمبر اکرم ﷺ کے ان فرمادات پر توجہ رکھنی چاہئے کہ: اَدْنَـــــــی الرّیاءِ: الشِّرْکُ. یعنی ریاء کا کمترین درجہ (بھی) شرک ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا:

لا یَدْ خُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ فی قَلْبِہِ مِثْقالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ .

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔ (احیاء علوم الدین، ج۳ص۳۳۵)

۳. اَلْحَسَدُ یا کُلُ الْحَسناتِ کَما تَا کُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَلْحَسَدُ یأْ کُلُ الْاِیمانَ کَما تأْکُلُ النّارُ الْحَطَبَ .

حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج۳ص۳۳۵)

حُبُّ الْمالِ و الْشَّرَفِ یُنْبِتانِ النِّفاقَ کَما یُنْبِتُ الماءُ الْبَقْلَ .

مال و منصب کی محبت اس طرح نفاق کو پروان چڑھاتی ہے جس طرح پانی سبزی کو۔ (منیۃ المرید ص۱۵۶، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اس کے علاوہ ان احادیث پر بھی نظر رکھنی چاہئے جو اسی طرح کی مہلک بیماریوں کے بارے میں بیان ہوئی ہیں۔ (جی ہاں!) تو ایسا فقیہ ایسی اور دیگر روحی مہلک بیماریوں کے علاج کے فکر میں نہیں ہوتا جن کی وجہ سے ممکن ہے کہ موت توبہ سے پہلے ہی اسے اُچک لے جائے اور وہ ان کی تلافی بھی نہ کرپائے۔ اور اس حالت میں بارگاہ الٰہی میں پہنچے کہ وہ اس پر غضبناک ہو۔

بہر حال ایسا عالم (روحی علاج کے) ان تمام نکات کو چھوڑ کر علم نحو، صرف اور منطق کے مبحث دلالات، حیض واستحاضہ، بیعِ سلَم، اجارات، لعان، جراحات، دوورے، شواہد اور قصاص ودیات وغیرہ جیسے مسائل سیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے جس کی، پوری عمر میں شاذ و نادر ہی ضرورت پڑتی ہے اور اگر وہ یا دوسرے ان علوم کی طرف محتاج ہوئے بھی تو یہ واجب کفائی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان علوم سے غفلت میں ہے جن کے واجبِ عینی ہونے پر پورے مسلمانوں کا اجماع ہے۔ تو ان علوم کا حاصل کرنا اگر ان سے خدائے تعالیٰ کی ذات عظیم، اور اس کے لازوال ثواب کے قصد سے ہو تو بھی واجبِ کفائی ہے اور واجب کفائی کا مرتبہ واجب عینی کے سیکھنے کے بعد آتا ہے۔ پس اگر اس فقیہ و عالم کی غرض اس کے علم سے خدائے تعالیٰ کی ذات ہوتی تو وہ ضرور اپنے علوم کو ان کی اہمیت اور منفعت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ ترتیب دیتا۔ لیکن وہ یا تو غافل اور مغرور ہے یا اپنے دینی امور میں جھگڑالو اور فریب خوردہ ہے یا ریاست وسلطنت اور مال واثر ورسوخ کا طلبگار ہے۔ لہذا اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی ان دو بیماریوں (غفلت اور دھوکے میں مبتلا ہونے) میں سے ایک کے علاج پر توجہ دے، اس سے پہلے کہ وہ غلبہ پا کر اسے ہلاک کر دے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان تالیف شدہ مسائل کو یاد کر لینا ہی اللہ کی نظر میں فقیہ نہیں ہے بلکہ فقہ سے مراد تو صرف اس کی عظمت وجلالت سے آگاہ ہونا ہے اور دین وہ علم ہے جو خوف، ہیبت اور خشوع کا موجب بنتا ہے اور جو آدمی کو تقوی اور پرہیزگاری، نیز خدا کی ان صفات جن سے ڈرنا چاہئے، کی معرفت اور آگاہی کی طرف ابھارتا ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ ان سے دوری اختیار کرتا ہے اور اسی طرح صفات محمودہ

کی معرفت کی طرف بھی اکساتا ہے تاکہ وہ ان صفات کو اپنائے، خوف کا لبادہ اوڑھے اور حزن وغم کو ہمیشہ ترجیح دے جیسا کہ خدائے متعال نے اپنی کتاب میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے:

فَلَوْ لا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنهُم طائِفَةٌ لِيَتفقَّهوا فِي الدّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذارَجعُوا اِلَيهِم.

تو کیوں نہ ہر قبیلے میں سے ایک گروہ دین کے علم سیکھنے کے لئے نکل نہیں جاتا کہ وہ لوٹ کر اپنی قوم کو ڈرائے۔ (توبہ/۱۲۲)

اور وہ چیز جسکے ذریعے خبردار کیا جاسکتا ہے وہ اس مروجہ علم کے علاوہ ہے۔ چونکہ اس مروّجہ علم سے غرض، معاملات کے دستورات کے ذریعے اموال کی حفاظت، اور مال اور قتل وغارت کے روک تھام کے ذریعے جسموں کو تحفظ دینا ہے جبکہ مال خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ، اور بدن ایک سواری ہے۔ مہم علم وہی ہے جو خدا اور بندے کے درمیان معرفت کی راہ اور دل کی گھاٹیوں یعنی بری صفات کو سر کرنے کا ذریعہ ہے جو کہ خدا اور بندے کے درمیان پائے جانے والا پردہ ہے لہذا جب یہ عالم ان بری خصلتوں کے ساتھ مرجائے گا تو (رحمتِ) خدا سے دور رہ جائے گا (جبھی تو فرمایا گیا ہے کہ:) علم خوفِ خدا کا موجب ہے بلکہ خوف خدا صرف عالم میں ہی منحصر ہے جیسے خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے: "اِنَّما يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبادِهِ الْعُلَماءُ. بندگان خدا میں سے صرف علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں"۔ تو یہاں علماء سے عالمِ فقیہ اور غیر فقیہ دونوں ہی مراد ہیں۔

رائج علوم پر اکتفاء کرنے والے اِس فقیہ کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو حج پر جانے کے سلسلے میں مشک اور چمڑے کے موزے سینے کے علم پر اکتفا کرے۔ البتہ اگر وہ ایسا نہ

کرے توجہ سے رہ جائیگا لیکن اسی پر ہی اکتفا کرنے والے میں حاجی کی کوئی خصوصیت تو پیدا نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس فقیہ کی بھی یہی حالت ہے کہ اگر وہ حلال وحرام کے ان علوم کو حاصل نہ کرے تو احکام کے جاننے سے رہ جائے گا مگر ایسا نہیں ہے کہ یہی حرام وحلال کا علم ہی اس کو نجات دینے والا ہو بلکہ یہ علم اس کے اصل مقصد کے لئے ایک مقدمہ ہے چنانچہ ہم نے ذکر کردیا۔

خدا اور سول ؐ اور ائمہ ؑ کی شرعت اور دین خدا کے احکام کو اچھی طرح جاننے والے فقیہ کی جب یہ حال ہوگا تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جس نے اپنی عمر اس دنیائے رنگ وبو کے طلب میں گنوادی ہو کہ جس کا انجام فساد ہی فساد ہے اور جو اس چیز کو جاننے کی کوشش میں رہے کہ آیا وجود ہی ذاتِ موجودات ہے یا وجود ان پر زائد ہے یا یہ ان میں ایک مشترک شے ہے؟ اور اسی طرح کے دوسرے نکات کے طلب میں رہے کہ جن کا کوئی ثمرہ پایا نہیں جاتا۔ بلکہ ایسے افراد نے اس چیز کو پایا ہی نہیں جس کی معرفت کے وہ خواہاں تھے چہ جائے کہ اس کے علاوہ بھی سیکھے۔

اس سلسلے میں ان کی مثال اس بادشاہ کے مانند ہے جو اپنے غلاموں کو جمع کرکے انہیں گھر میں داخل ہونے اور اپنی خدمت کرنے کا حکم دے نیز یہ بھی بتائے کہ اپنے آپ کو مکمل (چوکنّا) رکھے جو کہ بادشاہ کی بارگاہ میں اس کی قربت کا باعث ہوتا ہے اور ایسا نہ کرنا اس سے دوری کا سبب ہوتا ہے۔ پس جب وہ ان غلاموں کو گھر میں لے جائے تاکہ وہ اپنے کام میں مشغول ہوں، تو یہ (اپنے کام کو چھوڑ کر) اگر اس کے گھر کی دیواروں، فرشوں اور چھتوں کو دیکھتے رہیں یہاں تک کہ وہ اس حالت میں مرجائیں اور اس گھر سے متعلق جس چیز کو جاننا چاہتے تھے نہ جان سکیں پس ان لوگوں کا حال کیا ہوگا جو اپنے حقیقی سید وآقا کی،

انہیں عطا کی جانیوالی نعمتوں اور عظیم احسانوں کے باوجود نافرمانی کریں بلکہ وہ عظیم گناہوں میں سرگرم رہتے ہوں؟

جان لینا چاہئے کہ ان سب کی مثال اس گھر کی طرح ہے جو اندر سے تاریک ہو لیکن اس کی چھت پر روشنی کے لئے چراغ جلایا گیا ہو بلکہ ان کی مثال اس کچرے خانے کی طرح ہے جو باہر سے سفید رنگ کیا گیا ہو لیکن اندر سے بدبو اور گندگی سے بھرا ہوا ہو یا ان قبروں کی طرح ہے جن کے اندر مردے اور اوپر سے زینت دی گئی ہیں یا اس شخص کے مانند ہے جو ایک بادشاہ کی میزبانی کرنا چاہتا ہے جس کے لئے وہ اپنے گھر کے دروازے کو رنگ روغن کرتا ہے لیکن صدر دروازے پر گندگی اور کچرے چھوڑ رکھے تو یہ ایک کھلی اور عظیم غفلت ہوگی۔ بلکہ ان کی واضح تر مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کھیتی کی اور وہ اُگ آئی اور ساتھ ایسی گھاس پھوس بھی اگ آئیں جو اس کے لئے نقصان دہ ہیں تو ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا حکم کیا جانا چاہئے لیکن اگر وہ ان کے سروں ہی کو نوچ نوچ کر پھینکنے لگے تو اس صورت میں اس کی جڑ روز بروز مضبوط رہوتی جائے گی اور اگتی رہیں گی۔ (عالم اور فقیہ کی ایسی مثال پیش کرنے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ انسان کے عیوب اور بری عادتوں کا سرچشمہ، دل میں پیدا ہونے والے برے خیالات اور خصلتیں ہیں۔ بنابراین جو اپنے دل کو ان بری خصلتوں سے پاک نہیں کرے گا تو اس کی ظاہری اطاعتیں بڑی سختیاں جھلینے کے بعد ہی مکمل ہوں گی۔ بلکہ ان کی مثال اس مریض کے مانند ہے جسے خارج کی بیماری ہو اور اسے مالش کرنے اور دوا پینے کی ہدایات کی گئی ہوں۔ مالش اس لئے کہ اس کی ظاہری بیماری کو ختم کرے اور پینے کی دوا اس لئے کہ اس بیماری کی جڑ کو ہی اندر سے ختم کرے۔ پس اگر یہ مریض پینے کی دوا کو چھوڑ کر صرف مالش پر اکتفا کرے گا تو اس کی جڑ

مضبوط ہوتی جائے گی اور اگر چہ وہ مالش پر مالش کرتا جائے لیکن اس کی خارج اندر سے بڑھتی ہی جائے گی یہاں تک کہ اسے ہلاک کردے گی۔

ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نفس کی اصلاح فرمائے اور ہمارے عیوب ہم پر واضح فرمائے اور یہ کہ ہمارا علم ہمیں فائدہ پہنچائے اور اسے ہمارے خلاف حجت اور دلیل قرار نہ دے چونکہ یہ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

تیسری فصل

استاد اور طالب علم میں سے ہر ایک کے لئے مذکورہ دو امور (یعنی اخلاص نیت اور استعمالِ علم) کے علاوہ بھی بہت سی شرائط اور مختلف وظائف پائے جاتے ہیں البتہ ان تمام وظائف دوسرے امر یعنی استعمال علم کی طرف پلٹتے ہیں کیونکہ علم، اچھے اخلاق، نیک صفات اور برائیوں سے پاکیزگی پر مشتمل ہوتا ہے۔لہذا جب علم کو اپنے صحیح طریقے پر استعمال کرے گا تو تو وہ اسے، ہر ممکنہ خیر و بھلائی تک پہنچائے دے گا نیز ہر قسم کی پستی اور عیب سے اسے محفوظ رکھے گا۔

خدا پر توکل اور بھروسہ کرنا

نفس کو متذکرہ بری خصلتوں سے پاک کرنے کے بعد، جو چیز استاد اور شاگرد دونوں پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کرے اور اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرے نیز اسی سے فیض الٰہی طلب کرے کیونکہ علم جیسا کہ اس سے پہلے امام جعفر صادق - کے قول میں گذر گیا، زیادہ سیکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف خدا کی

طرف سے ایک نور ہے جسے وہ، جس کی ہدایت چاہتا ہے اسی پر نازل کر دیتا ہے ۔ نیز علم سے مراد اللہ ہی پر بھروسہ کرنا، اپنے سارے کام کو اسی کے حوالے کرنا اور ظاہری اسباب پر اعتماد نہ کرنا ہے، کہ اگر ایسا کریگا تو اسے انہیں اسباب کے حوالے کر دیا جائے گا اور وہ اسباب اس کے لئے وبال جان بن جائیں گے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور پر توکل کرنا چاہئے بلکہ اپنے امور اور رزق جیسے معاملات کی کنجی کو اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے۔ تو جب اس مرحلے پر پہنچے گا وہ آسمانی خشبوؤں اور انس وقربت کے لمحوں کو احساس کرنے لگے گا کہ جس سے اس کی کجیاں درست اور آرزوئیں پوری ہو جائیں گی اور ہر بگڑی بن جائے گی۔آپ ﷺ کی حدیث ہے:

اِنَّ اللہَ تعالیٰ قَد تَکَفَّلَ لِطَالِبِ الْعِلمِ بِرِزْقِہٖ خَاصَّۃً عَمَّا ضَمِنہُ لِغَیرِہٖ.

بلاشبہ اللہ تعالی نے دوسروں کی نسبت طالب علم کے خاص طور پر کفالتِ رزق کی ضمانت لی ہے۔ (منیۃ المرید ۱۶۰ص، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اس سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کو رزق کے حصول کے لئے کافی دوڑ دھوپ کرنا پڑتا ہے لیکن طالب علم کو ایسی زحمتیں اٹھانے سے نہیں دیتا بلکہ اس کو صرف طلب علم سے مل جاتا ہے اور اگر وہ اپنی نیت کو صاف اور اپنے عزم کو خالص رکھے تو خدا ہی اس کے رزق کے مشقتوں کے لئے کفالت کریگا۔

میرے پاس اس سلسلے میں بہت سے واقعات اور ظریف و دقیق نکات پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کو اکٹھا کر دوں تو خدا ہی جانے کہ میری علمی زندگی کے آغاز ۹۳۰ھ کے اوائل سے لے کر آج ۱۵ رمضان المبارک ۹۵۳ تک مجھ پر کی گئی اللہ کی عنایتیں اور اس کی عظیم

حمایتیں کہاں تک پہنچتیں؟ بہر حال "شنیدن کے بود مانند دیدن!(سننا کب دیکھنے کی طرح ہو سکتا ہے۔)

[اللہ پر توکل اور بھروسہ نہ کرنے کا نتیجہ]

ہمارے استاد محمد بن یعقوب کلینی قدس سرہ نے حسین بن علوان کے حوالے سے روایت کی ہے؛ انہوں نے کہا: ہم حصول علم کے سلسلے میں کسی مجلس میں تھے جبکہ ہماری پونجیاں سفر میں ختم ہو چکی تھیں تو میرے کسی رفیق نے مجھ سے پوچھا: تم اپنی اس مشکل میں کس پر آس رکھتے ہو؟ میں نے کہا: فلاں پر۔ تو اس نے کہا: خدا کی قسم نہ تیری جماعت پوری ہو گی اور نہ ہی تم اپنی آرزو کو پا لو گے اور نہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے! میں نے کہا: خدا تم پر رحمت کرے۔ تم کیونکر پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: امام جعفر صادق - نے مجھے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے:

اللہ تعالی فرماتا ہے: میری عزت و جلالت، میری بزرگی اور عرش پر میرے بلند مقام کی قسم! یقیناً میں ہر اس شخص کی امید کو نا امیدی میں بدل دوں گا جو میرے غیر سے امید رکھے۔ اسے ضرور لوگوں کے سامنے ذلت کا لباس پہناؤں گا اور اسے میری قربت اور وصل سے محروم کر دوں گا۔ کیا وہ سختیوں میں میرے غیر سے امید رکھتا ہے حالانکہ سختیاں میرے دست قدرت میں ہیں؟ کیا وہ غیر سے آس لگائے فکر ہی فکر میں اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جبکہ دروازے سارے بند اور ان کی چابیاں میرے قبضے میں ہیں؟ نیز میرا دروازہ ہر اس کے لئے کھلا ہے جو مجھے پکارے، پھر کون ہے جو اپنی سختیوں اور بلاؤں میں مجھ پر امید کرے کہ میں اس کی امیدیں پوری کروں؟ کون ہے جو عظیم مصیبتوں میں مجھ سے آس لگائے رکھے کہ میں اس کی آس ٹوٹنے نہ دوں؟ میں نے اپنے بندوں کی آرزوؤں کو اپنے

پاس محفوظ رکھا ہے لیکن وہ میرے اس محفوظ رکھنے سے راضی نہ ہونے، میں نے آسمانوں کو میری تسبیح سے کبھی نہ تھکنے والی مخلوق سے پر کر دیا اور پھر انہیں یہ حکم دیا کہ میرے اور میرے بندوں کے درمیان دروازے بن نہ ہونے پائیں لیکن میرے بندوں نے میرے اس قول پر بھروسہ نہ کیا۔ کیا جس شخص پر میری بلا نازل ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ میرے بغیر کوئی بھی اس کی بلا کو ٹال نہیں سکتا مگر جس کو میری اجازت ہو؟ تو پھر کیوں میں اسکو مجھ سے غافل دیکھ رہا ہوں؟ جبکہ میں اپنے جود کرم سے اسے وہ چیز عطا کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے سوال نہیں کرتا۔ پھر میں اسے اس سے چھین لیتا ہوں تو وہ دوبارہ مجھ سے اس کا سوال نہیں کرتا بلکہ میرے غیر سے اس کی درخواست کرتا ہے۔ کیا تم سوچتے ہو کہ میں بن مانگے تو دیدوں لیکن سوال کرنے پر اس کا جواب نہ دوں؟ کیا میں کنجوس ہوں کہ میرا بندہ مجھے کنجوس گردانے؟ کیا میں جود و عطا کا مالک نہیں ہوں؟ کیا عفو اور بخشش میرے دست قدرت میں نہیں؟ کیا میں ہی امیدوں کا مرکز نہیں؟ تو کون میرے علاوہ ان کو پورا کر سکتا ہے؟ کیا آرزو کرنے والا میرے غیر سے لو لگانے میں خوف نہیں کھاتا؟ تو پھر (سن لو) اگر میرے آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات مل کر آرزو کریں اور میں ان میں سے ہر یک کو اتنا عطا کروں جتنی ان سب نے آرزو کی تھی پھر بھی میری حکومت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ کیسے اس حکومت میں کمی آئے گی جس کا میں سنبھالنے والا ہوں؟ تو افسوس ہو ان پر جو میری رحمت سے ناامید ہوں؛ اور حزن ہو اس پر جو میری نافرمانی کرے اور میری (رضایت) کا خیال نہ رکھے۔

شیخ بزرگوار یعنی کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن عبد الرحمٰن سے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس کے آخر میں کچھ یوں ہے: میں نے (امام جعفر صادقؑ -) سے

عرض کیا: یابن رسول اللہ! مجھے اس حدیث کی اِملا فرمائیں (کہ میں لکھ لوں) تو امامؑ نے اس کو مجھے املا فرمائی پھر میں نے عرض کیا: خدا کی قسم اب کے بعد میں کسی سے بھی کوئی حاجت طلب نہیں کروں گا۔

حقیر (مؤلف) عرض کرتا ہے: عظیم آسمانی حدیث کہ جس کا نور، نبوتؐ کے مطلع سے پھوٹ کر امامت کے افق پر چمک رہا ہے، خدائے تعالیٰ کے اوپر مکمل بھروسہ کرنے اور ہر کام اور مہم کو اسی کے حوالے کر کے اس پر اعتماد کرنے کی ترغیب دلانے میں تیرے لئے کافی ہے۔ خدا پر توکل کے سلسلے میں یہ حدیث اسقدر کامل اور جامع ہے) کہ اس مقام پر اس سے بڑھ کر کوئی جامع حدیث نہیں ہو سکتی۔ اور یہ آداب میں پائے جانے والا تیسرا مرحلہ تھا۔

چوتھا امر:

طالب علم اور استاد پر فرض ہے کہ وہ نفس کو کمال تک پہنچانے کے لئے دوسروں سے بڑھکر خوش اخلاقی، تواضع اور مدارات و دوستی کا مظاہر کریں۔ معاویہ بن وہب میں سے مروی ہے: میں نے امام جعفر صادق -کو فرماتے ہوئے سنا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَتَزَيَّنُوا مَعَهُ بِالْحِلْمِ وَالْوَقَارِ ،وَتواضَعُوا لِمَنْ طَلَبْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ وَلا تَكُونُوا عُلَماءَ جَبّارِينَ فَيُذْهِبَ بَا طِلُكُم بِحَقِّكُمْ .

علم حاصل کرو اور اسکے ساتھ حلم و وقار کے ذریعے (خود کو) زینت دو۔ جن کو تم تعلیم دیتے ہو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ اور اس کے ساتھ بھی کہ جن سے تم علم سیکھ رہے ہو، ظالم علماء میں سے نہ ہوں کہ تمہارا غلط رویہ تمہارے حق کو پائمال کردے گا۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۶ کتاب فضل العلم، باب مجالس العلماء)

حلبی نے روایت صحیح کے ذریعے امام جعفر صادق -سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: امیر المؤمنین ؑ نے فرمایا:

اَلا اُخبِرُ کُمْ بِالْفَقیهِ حَقَّ الْفَقیهِ ؟مَنْ لَمْ یُقَنِّطِ النّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ، وَمَنْ لَمْ یُؤَمِّنْهُمْ مِنْ عَذابِ اللّٰهِ ، وَلَمْ یُرَخِّصْ لَهُمْ فِی مَعاصِی اللّٰهِ ، وَلَمْ یَتْرُکِ الْقُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ اِلی غَیْرِه .اَلا لاَ خَیْرَ فی عِلْمٍ لَیْسَ فیهِ تَفَهُّمٌ ، اَلاٰ لاَ خَیْرَ فِی قِراءَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَدَبُّرٌ ، اَلا لاَ خَیْرَ فِی عِبادَةٍ لَیْسَ فیها تَفَکُّرٌ.

کیا میں تمہیں حقیقی فقیہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ فقیہ وہ ہے جو نہ لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس ہونے دے، نہ اللہ کے عذاب سے انہیں امن دلائے نہ اللہ کی نافرمانی پر انہیں چھوٹ دے اور نہ قرآن کو دوسری چیزوں کی طرف رغبت دلانے کی خاطر ترک کرے۔ آگاہ رہو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہ ہو، جان رکھو! اس تلاوت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبّر نہ ہو، جان لو! اس عبادت کا کوئی ثمرہ نہیں جس میں تفکر نہ ہو۔ (وہی کتاب)

یہ بات جان لینی چاہئے کہ اہل علم پر سب کی نظر ہوا کرتی ہے اور اس کے قول وفعل اور ڈیل ڈول کی لوگ پیروی کرتے ہیں۔ لہذا جب اس عالم کے اخلاق نیک، طور طریقے ٹھیک اور نفس متواضع ہوگا اور وہ اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص کردے گا تو اس کے یہ اوصاف اس کے ماتحت افراد میں بھی سرائیت کر جائیں گے اور ان میں اس کی نیکی پھیل جائے گی اور ان کے خیالات سدھر جائیں گے۔ لیکن جب وہ ایسا نہیں کرے گا تو لوگ اس سے مرتبہ میں پست ہی ہوتے جائیں گے چہ جائیکہ وہ اس کے برابری کریں۔ جس کی بنا پر وہ اپنے نفس کے ساتھ ایک پورے معاشرے کی تباہی اور بربادی کا باعث بنے گا۔

اور آپ کے لئے گناہ، حق سے دھتکارے جانے اور نفرین کے لئے یہی کچھ کافی ہے۔
اے کاش اس عالم کے مرنے پر ہی اس کے اعمال کا سلسلہ اور اس کا وبال ختم ہوتا (لیکن افسوس ایسا نہیں ہوگا) بلکہ یہ سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا کہ جب تک اس کے پیروی کرنے والے اور اس کی سیرت پر چلنے والے باقی رہیں گے۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں: بلاشبہ، عوام ہمیشہ اہل علم سے مرتبہ میں پست ہوتے ہیں۔ پس جب عالم، پرہیز گار، متقی اور صالح ہوگا تو عوام مباح کاموں کو اپنائیں گے اور جب یہ مباح کاموں میں مشغول ہوگا تو عواب شبہات میں سرگرم رہیں گے اور جب عالم شبہات کو انجام دینے لگے گا تو عوام حرام کے مرتکب ہونگے اور جب وہ حرام کا مرتکب ہوگا تو عوام کفر کرنے لگیں گے۔ اس بات کی سچائی کی گواہی کے لئے نگاہیں اور منصف ضمیر ہی کافی ہیں۔

پانچواں امر:

عالم کو پاکباز، عالی ہمت اور حکمرانوں اور دنیا داروں سے کتراتے رہنا چاہیے اور جب تک ممکن ہے کبھی ان کے ہاں لالچ میں نہیں جانا چاہئے تاکہ وہ علم کی ایسی ہی لاج رکھے جس طرح علمائے ماسلف رکھا کرتے تھے۔ پس جو اس طرح علم کا تحفظ نہیں کرے گا تو اس نے اپنے آپ کو تباہی میں) ڈالا ہے اور علم (کے اس گوہر) کے ساتھ خیانت کی ہے۔ ایسے افراد اکثر و بیشتر اپنے ہدف تک نہیں پہنچ پاتے اور اگر بعض کو پا بھی جائیں تو اس کا حال اس پاکباز اور اہل منصب سے کترانے والوں کی طرح نہیں ہوتا۔ جس کی گواہی احادیث کے علاوہ انسان کا ضمیر بھی دیتا ہے۔

ایک فاضل نے کسی ولی اللہ سے پوچھا: ہمارے بزرگوں اور بادشاہوں کو کیا ہوا ہے کہ

کبھی ہماری طرف رخ ہی نہیں کرتے اور علم کی اہمیت کے قائل نہیں حالانکہ گزشتہ علماء ایسے نہیں تھے (اور بادشاہ اور اہل منصب ان کی چوکھٹ پر آتے اور اور ان کی تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے)؟

اس پر وہ کہنے لگے: اس زمانے کے علماء کے پاس خود بادشاہ اور دنیا دار اور اکابرین چل کر آتے اور انہیں اپنے مال و دولت پیش کرتے اور ان سے علم کی خواہش کرتے تھے تب بھی وہ ان سے دور رہنے اور ان کی منت کشی سے منہ پھیرنے میں بڑی جدوجہد کیا کرتے تھے جس کے نتیجے میں دنیا، اہل دنیا کی نظروں میں ناچیز دکھائی دینے لگتی اور علم کی ان کی نظر میں قدر و منزلت بڑھ جاتی تھی کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ اگر علم کی اس قدر منزلت اور قیمت نہ ہوتی تو یہ صاحبان علم، اس کو دنیا پر ترجیح نہ دیتے اور اگر دنیا ناچیز اور پست نہ ہوتی تو یہ حضرات اس سے بے رخی نہیں برتتے۔ لیکن ہمارے زمانے کے علماء نے بادشاہوں اور دنیا داروں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنے علم کو دنیا کی خاطر ان کے حوالے کیا تو ان کی نگاہوں میں دنیا کی عظمت بڑھ گئی اور انہی وجوہات کی بنا پر علم ان کی نظروں میں بالکل بے قیمت ہو کر رہ گیا۔

آپ نے اس سلسلے میں بہت سی احادیث سن رکھی ہیں جیسے پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ فرمان:

اَلْفقھاءُ اُمَناءُ الرُّسُلِ ما لَمْ یَدْخُلُوا فِی الدُّنْیا. فَقِیلَ یا رَسُولَ اللہ: وَما دُخُولُھُمْ فِی دُنْیا؟ قالَ: اِتِّباعُ السُّلطانِ. فَاِذا فَعَلُوا ذالِکَ فاحذَرُوھُمْ علی دِینِکُمْ

یعنی علماء اسی وقت تک انبیاء کے امین (اور وارث) ہیں جب تک وہ دنیا میں گرفتار نہ

ہوں۔عرض ہوا: یا رسول اللہ! ان کے دنیا میں گرفتار ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ پس جب وہ ایسا کرنے لگیں گے، ان سے اپنے دین کے معاملات میں ہوشیار رہو۔

بادشاہوں کی پیروی کی اس قدر مذمت سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ کسی بھی صورت میں انکی پیروی نہ ہو بلکہ اس غرض سے ان کی پیروی کرنا قابل مذمت ہے کہ اس کو اپنی شان بڑھانے، ساتھوں میں برتری جتانے نیز اثر رسوخ، دنیا طلبی اور ریاست وغیرہ کا وسیلہ قرار دے۔لیکن اگر اس پیروی کو معاشرے میں نظام قائم کرنے، کلمہ حق کی برتری، دین کے پرچار، بدعت گزاروں کے خاتمے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر جیسے کاموں کے لئے ایک ذریعہ بنایا جائے تو یہ بہترین اعمال میں سے ہوگا چہ جائیکہ اس کی رخصت کی بات ہو۔انہی اغراض کے پیش نظر، بادشاہوں کی پیروی کی مذمت اور اس کی اجازت کے سلسلے میں نقل ہونے والی (متضاد) احادیث میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے بلکہ برجستہ اشخاص کے عمل کے ذریعے بھی جیسے علی بن یقطین، عبداللہ بن نجاشی اور ابوالقاسم بن روح (جو امام زمانہ -کے خاص چار) نمائندوں میں سے تھے، نیز محمد بن اسماعیل بن بزیع اور نوع بن دراج وغیرہ جیسے اصحابِ ائمہؑ، اسی طرح فقہاء میں سے جلیل القدر فقیہ سید مرتضیؒ اور سید رضیؒ ان کے والد بزرگوار، خواجہ نصیر الدین اور علامہ بحر العلوم جمال الدین بن مطہر وغیرہ (کے عمل سے بھی اس سلسلے میں اجازت کی تصدیق ہوتی ہے)۔

محمد بن اسماعیل بن بزیع جو ایک معتمد اور بڑے سچے راوی تھے، نے امام رضا -سے نقل کیا ہے:

یقیناً ظالموں کے دروازوں پر خدا کے کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے ذریعے خدا

ذلیلوں کو نورانی بناتا اور خود انہی لوگوں کو شہروں میں قدرت عطا کرتا ہے تا کہ ان کے ذریعے اپنے خاص بندوں کا دفاع اور مسلمانوں کے معاملات کی اصلاح کرے چونکہ یہی لوگ مومنوں کی مشکل میں پناہگاہ ہوتے ہیں اور انہی کے پاس ہمارے دردمند شیعہ فریاد لے کر جاتے ہیں۔ نیز انہی کے توسط سے خدا مومنوں کے دلوں کو دیار ظالم میں بے خوف بنا دیتا ہے کیونکہ یہی گروہ حقیقی مومن اور خدا کی سرزمین پر اس کے امین ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ جن کے پیروکاوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نورانی کردے گا یہاں تک کہ ان کا نور اہل آسمان کے لئے ایسا چمکے گا جیسے ستارے اہل زمین کے لئے چمکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے نور سے میدان قیامت منور ہوگا۔ خدا کی قسم یہ جنت کے واسطے اور جنت ا نہیں کے واسطے خلق کردی گئی ہے۔ تو ان کے لئے جنت مبارک ہو۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ تم میں سے بھی اگر کوئی چاہے تو یہ سب کچھ حاصل کرسکتا ہے۔

میں نے عرض کیا: خدا میری جان آپ پر فدا کرے! کیسے؟ فرمایا: تم بھی انہی کے ساتھ ہو جاؤ اور ہمارے مومن شیعوں کے دلوں کو خوش کر کے ہمیں بھی خوش رکھو پس تم ان ہی میں سے ہو جاؤ اے محمد!

یہ بات جان لینی چاہئے کہ یہ ایک عظیم ثواب ہے لیکن اس میں بڑا خطرہ اور دھوکہ کا بھی احتمال ہے کیونکہ جب دلوں میں دنیا کے زرق و برق اور ریاست و برتری کی چاہت پیدا ہوتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان کو ان کے صحیح مقاصد سے روک دیتی ہے جو اجر و ثواب کا باعث ہوتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں ہوشیار رہے۔

چھٹا امر: (استاد اور شاگرد کو چاہئے) کہ شعائر اسلام اور اس کے احکام کے پابند رہیں جیسے نماز کو مسجد میں اول وقت جماعت کے ساتھ ادا کرنا، ہر عام و خاص کو بلند آواز

میں سلام کرنا اور جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور انہی کاموں کے سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں کو برداشت کرنا تاکہ اپنے نفس کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے بلا خوفِ ملامت دین کا دفاع کرے اور ترویج دین میں پیغمبر اکرم ﷺ اور دیگر انبیاءؑ کو درپیش سختیوں اور تکالیف کر یاد کرتے ہوئے اس سلسلے میں ان کی پیروی کریں۔ عالم کو اپنے ظاہری اور باطنی کاموں کے جائز ہونے پر خوش نہیں رہنا چاہئے بلکہ اپنے نفس کو مزید نیکی اور کمال کی منزل تک لے جانا چاہئے۔ کیونکہ علماء ہی راہنماء ہوتے ہیں اور انہی کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں۔ یہی لوگ عوام پر خدا کی حجت ہیں اور کبھی تو ایسے لوگ بھی علماء پر ان کے اخلاق کو اپنانے کی غرض سے نظر رکھتے ہیں جن پر ان کی نظر بھی نہیں پڑتی اور ایسے افراد بھی ان کی پیروی کرتے ہیں جنہیں یہ علماء جانتے تک نہیں۔ بنابر این جب عالم اپنے علم کے فائدے سے محروم رہیں گے تو دوسرے ان کے علم کی منفعت سے ان سے کہیں دور رہیں گے یہی وجہ ہے کہ ان کی لغزشیں ان پر پڑنے والے برے اثرات اور ضرر کے حوالے سے بہت عظیم ہیں۔

پس طالب علم اور استاد کو ان خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہئے جن کی شریعت میں ذکر آیا ہے اور جن پر ابھارا ہے نیز حسب ذیل اچھی خصلتوں اور پسندیدہ عادتوں کا بھی حامل ہونا چاہئے، جیسے:

جود و سخا، خندہ روئی بغیر اس کے کہ حد سے گزر جائے، غصہ پی جانا، دوسروں کو اذیت نہیں پہنچانا اور ان کی اذیت پر تحمل کرنا، صبر و مروّت، پست قسم کی کمائی سے پاک رہنا، ایثار و فداکاری کا خوگر ہونا اور دوسروں سے اس کی امید نہ رکھنا، خود با انصاف ہونا اور اوروں سے انصاف کی توقع نہ رکھنا، عطا کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنا؛ اور دوسروں کی

حاجت روائی اور شفارش کرنے ،فقیروں اور ناداروں سے مہربانی ،ہمسایوں اور دوستوں سے اظہار محبت اور اپنے ماتحت پر احسان کرنے میں جد و جہد کرنا اور زیادہ ہنسی اور ٹھٹھے بازی سے پرہیز کرنا؛ خوف وحزن ،انکساری وفروتنی اور خاموشی کو اس طرح اپنے اندر سمو دینا کہ اس کے ہیکل ،طور وطریقوں ،حرکات وسکنات ،اور تکلم سے خوف خدا کے آثار نمایاں ہوں۔ جو بھی اس پر نگاہ ڈالے وہ یاد خدا میں پڑ جائے اور اس کی صورت اس کے عمل کی نشانی ہو نیز ظاہری اور باطنی طور پر قول وفعل میں ہمیشہ آداب اسلامی کے پابند رہیں جیسے:

قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے معانی پر غور کرنا ،اس کے احکام کی پیروی کرنا ،اس کی ڈانٹ پر باز آجانا ،اس کے وعدوں اور دھمکیوں پر ٹھہرنا ،اپنے فرائض اور حدود کا خیال رکھنا ،ہمیشہ دل وزبان سے یاد خدا کرنا اور اسی طرح روایتوں میں مذکور دعاؤں ،شب وروز کے اذکار اور نماز ،روزہ اور حج بیت اللہ جیسی عبادتوں میں مستحبات کا پابند رہنا وغیرہ۔ اُنہیں اپنی عبادتوں میں صرف علم پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے کہ اس سے دل سخت اور اس کا نور جاتا رہے گا جیسے کہ پہلے اس سلسلے میں تنبیہ گذر چکی ہے۔

ان کو چاہیئے کہ دوسروں سے زیادہ صفائی کا خیال رکھیں اور وہ یوں کہ گندگیوں کو خود سے دور کریں ،ناخنوں کو کاٹیں ،،زاید بالوں کو صاف کریں ،بدبوؤں سے دور رہیں ، داڑھی میں کنگی پھریں ،اور ان تمام امور میں سنت وشریعت اور عالی اخلاق کی پیروی میں جد و جہد کرتا رہے۔ اپنے نفس کو بری عادتوں اور مذموم اوصاف سے دور رکھے جیسے حسد ،ریاء ،خود پسندی ،لوگوں کو حقیر سمجھنا اگر چہ وہ درجے میں اس سے کہیں کم ہوں ،کینہ توزی ، ظلم وستم ،غیر خدا کے لئے غصہ رکھنا ،خیانت ،بخل بد باطنی ،تکبر لالچ ،فخر ومباہات ،خود بینی ،

دنیائی کاموں میں پیش پیش رہنا اور اس پر فخر کرنا، فریب کاری، لوگوں کے واسطے آراستہ ہونا، ان کاموں کی تعریف کی چاہت رکھنا جو انجام بھی نہیں دئے ہیں، اپنے عیبوں کو نظرانداز اور دوسروں کی غلطیاں نکالنے میں سرگرم رہنا، غیر خدا کے لئے غیرت اور طرفداری کرنا اور اس کے غیر کی رغبت اور خوف رکھنا، غیبت، چغلی خوری، بہتان، جھوٹ اور بدگوئی وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام برائیوں کے علاج اور ترغیب وترہیب کے بارے میں کافی تفصیلات پائی جاتی ہیں جو اپنے مخصوص مقام پر مذکور ہیں۔ان برے اوصاف کو یہاں ذکر کرنے سے مقصد طالب علم اور عالم کی ان کے اصول کی طرف توجہ دلانا ہے تاکہ وہ ان کے ارتکاب اور ان سے اجتناب کے بارے میں کسی حد تک متوجہ رہیں۔ان اوصاف سے اگرچہ سبھی کو بچنا چاہئے تاہم یہ دونوں دوسروں سے زیادہ سزاوار اور حقدار ہیں اسی بنا پر ہم نے ان اوصاف سے دوری کو ان دونوں کے فرائض میں قرار دیا۔ کیونکہ بعض اکابر کے بقول علم دل کی عبادت، عمارت اور مخفی نماز ہے اور جیسے کہ نماز جو اعضاء کا وظیفہ ہے۔ برائیوں اور گندگیوں سے پاک ہوئے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی، اسی طرح باطنی عبادت (علم) بھی باطنی طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی۔

اللہ علم کے نور کو باطنی برائیوں اور اخلاقی گندگیوں سے آلودہ دل میں داخل نہیں کرتا۔ چنانچہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

لَیُسَ الُعِلُمُ بِکَثُرَۃِ التَّعَلُّمِ ، وَاِنَّما ھُوَ نُورٌ یَقُذِفُہُ اللّٰہُ (تعالیٰ) فِیُ قَلُبِ مَنُ یُرِیدُاَنُ یَھُدِیَہُ.

علم زیادہ سیکھنے سے عبارت نہیں، یہ تو ایک نور ہے جسے اللہ جس کی ہدایت چاہتا ہے اس

کے دل میں داخل کرتا ہے۔(منیۃ المرید ص۱۶۹، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اسی طرح ابن مسعود کہتے ہیں:

لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ الرِّوایَۃِ ، اِنَّما الْعِلْمُ نُورٌ یُقْذَفُ فِی الْقَلْبِ .

علم سے مراد زیادہ سے زیادہ روایتیں یاد کرنا نہیں بلکہ یہ ایک نور ہے جسے اللہ دلوں میں داخل کرتا ہے۔(منیۃ المرید ص۱۶۹، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے مراد صرف زیادہ معلومات حاصل کرنا نہیں اگر چہ عرفِ عام میں اسے علم کہا جاتا ہے بلکہ یہ مذکورہ کا نور ہے جس سے ایسا علم پھوٹتا ہے جو موجب بصیرت اور خوف خدا کا موجب ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ طالب علم اور عالم کے مشترک وظائف ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق علم کے استعمال کے ساتھ ہیں، مگر یہ ہم نے ن وظائف کی اہمیت اور قدر و منزلت اور فضائل کے اصول کے پیش نظر ان کو استعمال علم کے باب سے علیحدہ ذکر کیا ہے۔

....

دوسری قسم

طالب علم اور استاد کے درس اور ان کی مشغولیت کے بیان میں ہے

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہیں:

پہلا امر: ان میں سے ہر ایک کو پڑھنے، مطالعہ کرنے، حاشیہ وغیرہ لگانے، مباحثہ و مذاکرہ، فکر و تفکر اور حفظ کرنے نیز پڑھکر سنانے میں ہمیشہ مشغول رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یعنی علم کی جستجو میں اس طرح مسلسل مصروف رہنا چاہئے کہ وہی اس کا اثاثہ اور پونجی ہو۔ لہذا اس کے علاوہ دنیوی کاموں سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے۔ اگر مجبور ہو تو صرف ضرورت کی حد تک اس کو انجام دے لیکن یہ بھی اپنے علمی وظائف کو حسب معمول انجام دینے کے بعد۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے: جب علم کو اپنا سب کچھ دوگے تو وہ اپنا کچھ تمہیں دے گا۔

امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے:

تَذاکُرُ الْعِلْمِ بَیْنَ عِبادِی مِمَّا تَحْیَی عَلَیْهِ الْقُلُوبُ الْمَیِّتَةُ اِذا انْتَهَوْا فیهِ

اِلی اَمْری.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدائے عزّ وجل فرماتا ہے: میرے بندوں میں علمی مذاکرہ، اگراس کا انجام میرے امور پر ہو، تو مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۴۰ ۔۴۱، کتاب فضل العلم،)

امام باقر ؑ نے فرمایا:

رَحِمَ اللہُ عَبْداً اَحْیَی الْعِلْمَ .قیلَ : وَما اِحْیاؤُہ ؟ قَالَ :اَنْ یذاکِرَبِہِ اَھْلَ الدِّینِ وَالْوَرَعِ .

خدا اس بندے پر رحمت کرے جو علم کو زندہ کرے پوچھا گیا کیونکر علم کو زندہ کیا جاتا ہے ؟ فرمایا: اس کے ذریعے وہ دیندار اور پرہیز گار لوگوں سے مذاکرہ کرے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۴۰ ۔۴۱، کتاب فضلِ العلم،)

آپ ؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

علمی مذاکرہ درس ہوا کرتا ہے اور درس بہترین نماز ہے۔

دوسرا امر: کسی سے، اس کو مرعوب اور عاجز کرنے کی غرض سے کوئی سوال نہ پوچھے بلکہ طالب علم کا سوال اللہ کی خاطر سیکھنے کے لئے ہو اور معلم کا سوال خدا کی خاطر خیر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہو۔ اور اس سے راہنمائی یا طلب راہنمائی کا قصد رکھے۔ تب علم و تعلیم کا جوہر ظاہر ہوگا اور اس کا درخت پھل دینے لگے گا۔ لیکن اگر سوال سے صرف خودنمائی اور بحث وتکرار مراد ہو اور اپنا غلبہ چاہ رہا ہو تو ایسا کرنا انسان کے نفس میں بری عادتوں اور خصلتوں کو جنم دیتا ہے جو خدائے تعالیٰ کے غضب کا باعث بنتا ہے۔ ایسی حرکتوں میں اس کے علاوہ اور بھی متعدد گناہ پائے جاتے ہیں۔ جیسے مخاطب کو اذیت پہنچانا،

اس کو جاہل شمار کرنا اور اس پر طنز کرنا اسی طرح اپنے نفس کی تعریف اور اس کی پاکیزگی دکھانا وغیرہ اور یہ سب ایسے گناہ اور عیوب ہیں کہ جن سے پرہیز کی سنت شریفہ میں اپنے اپنے مقام پر تاکید کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ایسا کام زندگی کو ہی اجیرن بنا دیتا ہے کیونکہ جب تم کسی بے وقوف اور کم عقل سے بحث و تکرار کرو گے وہ تجھے اذیت پہنچائے گا اور اگر کسی حلیم کے ساتھ ہوگی تو اس کے دل میں رنجش پیدا ہوگی۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے نبیؐ اور ائمہؑ کی زبانی مجادلہ اور بحث و تکرار کی شدید ممانعت فرمائی ہے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تُمارِ اَخاکَ ، وَلا تُمازِ حْهُ وَلا تَعِدْهُ مَوْعِداً فَتُخْلِفَهُ .

اپنے دینی بھائی سے بحث و تکرار اور مزاح نہ کیا کرو اور نہ اس کو ایسا وعدہ دو جس کے تم خلاف کرو۔ (احیاء علوم الدین، ج ۱ ص ۹۷۳۔ ج ۳ ص ۱۰۰)

نیز فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الْمِراءَ وَهُوَ مُحِقٌّ ،بُنِیَ لَه بَیْتٌ فی اَعْلَی الْجَنَّةِ . وَمِنْ تَرَکَ الْمِراءَ وَهُو مُبْطِلٌ ، بُنِیَ لَه بَیْتٌ فی رُبُضِ الْجَنَّةِ .

جو شخص، حق بجانب ہوتے ہوئے بحث و تکرار سے دوری اختیار کرے گا اس کے لئے جنت کے اعلیٰ مقام پر ایک گھر تعمیر کیا جائے گا اور جو حق بجانب ہوتے ہوئے مجادلہ سے پرہیز کرے گا اس کے لئے جنت کے کنارے گھر تعمیر کیا جائے گا۔ (وہی کتاب)

ذَرُوا الْمِراءَ فَاِنَّهُ لاتُفْهَمُ حِکْمَتُهُ وَلا تُؤْمَنُ فِتْنَتُهُ.

بحث و تکرار کو ترک کرو کیونکہ نہ تم اس کی حکمت کو پاؤ گے اور نہ اس کے فتنے سے ہی امن میں رہو گے۔ (وہی کتاب)

ام سلمہ کہتی ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یقیناً سب سے پہلی چیز جس (سے دوری) کا بت پرستی اور شراب کی ممانعت کے بعد خدا نے مجھ سے وعدہ لیا ہے، لوگوں سے بحث و تکرار اور جھگڑنا ہے۔

نیز فرمایا:

کوئی قوم ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ بحث و تکرار اور مجادلہ کرے۔

بندے کا ایمان اس وقت تک حقیقی معنوں میں کامل نہیں ہوتا جب تک حق بجانب ہوتے ہوئے مجادلہ اور بحث و تکرار کو ترک نہ کرے۔

امام صادق ؑ نے فرمایا: بحث ونزاع ایک سخت قسم کا مرض ہے، انسان کے اندر اس سے بڑھکر کوئی اور بری خصلت نہیں ہوتی اور یہ ابلیس کی صفت اور اس کا کام ہے پس کبھی بھی بحث ونزاع میں نہ پڑو ورنہ اپنے آپ اور دوسروں سے جاہل اور دینی حقائق سے محروم رہو گے۔

روایت ہوئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب ؑ سے عرض کیا: بیٹھ جائیں کہ ہم دین سے متعلق مناظرہ کریں! تو آپؑ نے فرمایا:

اے شخص میں اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہوں اور ہدایت کا راستہ مجھ پر آشکار ہے اور اگر تم اپنے دین سے بیگانہ ہو تو جاؤ اسے طلب کرو! میں کیوں کر بحث و نزاع میں پڑھ جاؤں؟ (ہوشیار رہو!) یقیناً شیطان آدمی کو وسوسے میں ڈالتا ہے اور اس سے سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتا ہے: لوگوں سے خوب بحث و مناظرہ کرو تا کہ وہ تمہیں عاجز اور جاہل نہ جانیں۔ بحث و حجت بازی ان چار وجوہات سے خالی نہیں ہوتی:

۱۔ کیا تم اور تمہارا دوست اس چیز کے بارے میں بحث و مناظرہ کرو گے جسے تم دونوں

نہیں جانتے ہو کہ جس پر دونوں نصیحت کو چھوڑ کر رسوائی کو مول لو گے یوں تم دونوں اپنے علم کو ضائع کرو گے۔ ۲۔یا اس چیز میں بحث کرو گے جسے تم دونوں نہیں جانتے ہو تو اس صورت میں دونوں نے اپنی اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا اور جہالت ہی کی بنیاد پر الجھ گئے؛ ۳۔یا اس چیز کو تم تو جانتے ہو لیکن تمہارا دوست نہیں جانتا تو اس صورت میں تم نے اپنے دوست کی لغزش اور کمزوری ثابت کرتے ہوئے اس پر ظلم کیا؛ ۴۔یا اس کو تمہارا دوست جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے تو تم نے اپنے ساتھی کا احترام نہیں کیا اور یہ سب ناممکن ہیں۔لہذا جس نے انصاف کو اپنایا اور کج بحثی اور نزاع سے دوری اختیار کی تو اس کا ایمان پختہ، دینی گفتگو درست اور عقل محفوظ ہوگی۔یہاں تک امام جعفر صادق -کی حدیث تھی۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ مجادلہ اور نزاع سے مراد دوسرں کی باتوں میں لفظ، معنی یا مراد سے متعلق غلطیاں نکالنا ہے بغیر اس کے کہ اس سے کوئی دینی غرض مقصود ہو جس کا خدا نے حکم دیا ہو۔کج بحثی اور تکرار کو اسی وقت ترک کیا جا سکتا ہے کہ کسی کے بھی باتوں پر اعتراض نہ کرے اور جو باتیں سنی جارہی ہوں اگر وہ بات حق پر مبنی ہوں تو دل و جان سے انہیں قبول کرے نیز ضرورت پڑنے پر ان کی تصدیق کرے؛ اور اگر باطل اور دینی امور پر مشتمل نہ ہو تو اس وقت تک اس سے خاموشی اختیار کرنا چاہئے کہ جب تک نہی عن المنکر کی شرائط اس پر پوری نہ ہوں (ورنہ ایسی باطل گفتگو پر خاموش نہیں رہنا چاہئے)۔

اور جہاں تک دوسروں کی باتوں میں نقص نکالنے کی بات ہے تو یہ یا لفظی ہوتا ہے جیسے نحو، لغت اور جملوں کی ترتیب و ترکیب کے حوالے سے غلطیاں نکالنا جو کم علمی یا لغزش زبان کی وجہ سے ہو سکتی ہیں، یا یہ نقص اس کی مراد اور مقصود کے اعتبار سے ہو جیسے یہ کہا جائے کہ بات تو صحیح ہے لیکن آپ کی مراد درست نہیں وغیرہ وغیرہ۔

بات کرنے والے کی نیت اور مقصد کا کھوٹا ہونا، اپنی علمیت اور فضیلت جتانے کے لئے اوروں سے ظاہر ہونے والے حق پر اس کی ناگواری سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مقصد پر ابھارنے والا عامل، اپنی بڑائی اور فضیلت کے اظہار اور دوسروں پر اعتراض کے ذریعے برتری جتانے کا جذبہ ہوا کرتا ہے اور یہ دونوں یعنی دوسروں کی عیب جوئی اور خود کو بلند سمجھنا پست نفسیاتی خواہشات ہیں۔ کیونکہ تزکیہ نفس کہ جس سے مراد یہاں خودستائی ہے، انسان کے وجود میں پائے جانے والے ادعائے برتری و کبریائی کی طغیانی کے اثرات میں سے ہے، حالانکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس سے منع فرمایا ہے:

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ. "اور اپنے آپ کو پاک نہ جتایا کرو۔" (نجم/۳۲)

رہی دوسروں میں نقص نکالنا تو یہ درندہ خوئی اور ایک حیوانی صفت ہے کیوں کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسروں چیر پھاڑ کر رکھدے اور ان کو صدمہ اور دکھ پہنچائے اور یہ تو مہلک صفات میں سے ہے۔

نزاع اور بحث و تکرار اس قسم کی مہلک صفات کو تقویت دیتی ہیں اور یہ دونوں ہمیشہ آزار رسانی اور شدید غصے نیز اس بات کا بعث بنتی ہیں کہ معترض، کسی نہ کسی طرح دوسرے کو اپنے موقف سے ہاتھ اٹھانے پر مجبور کرے اور اس کی بات کی چاہے حق پر ہو یا نہ ہو تائید نہ کرے۔ وہ ہر طریقے سے دوسرے کو قابل مذمت (اور اس کو سرکوب) کرنے کی کوشش کرتا ہے جو نزاع کے طرفین میں تلخ کلامی اور جھگڑے کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے جیسے دو کتّوں کو للکار کر بھڑکایا جاتا ہے اور دونوں اس بات کے درپے ہوتے ہیں کہ اپنے مقابل کو کاٹے اور زخمی کرے تاکہ اس کو شکست دینے اور خاموش کرنے میں اپنی طاقت اور برتری ثابت کرے۔

اس مرض کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنے تکبر کو ختم کرے جو اس کو خود پسندی اور درندہ خوئی پر ابھارتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دوسروں کی عیب جوئی کرنے لگتا ہے۔ (اور تکبر کا خاتمہ) ان مؤثر دواؤں کے ذریعے کیا جا سکتا ہے جو غرور و تکبر اور غضب کے علاج کے سلسلے میں ہماری ''مفار القاصدین فی اسرار معالم الدین'' نامی مذکورہ کتاب اور علم اخلاق کی دوسری کتب میں مذکور ہیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان آپ کو دھوکہ دے اور کہے: حق کا اعلان کرو اور اس میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ وہ ہمیشہ حق کی روپ میں آ کر کم عقلوں کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ بنا بر این آپ کو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ شیطان (اس طرح دھوکہ دینے کے بعد) آپ پر مسخرہ کرتے ہوئے ہنسنے لگے۔

البتہ سامعین کے لئے حق کا ظاہر ہونا ایک اچھا کام ہے بشرطیکہ اخلاص کے طور پر ہو نہ خودنمائی اور بحث جھگڑے کے طور پر۔

نصیحت اور خیر خواہی کے لئے خاص اوصاف اور انداز پائے جاتے ہیں اور اس میں لطف و مدارات کی ضرورت ہے ورنہ یہی نصیحت فضیحت میں بدل جائے گی کہ جس کے برے نتائج اس کے مثبت اثرات سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہوں گے۔

اگر کوئی شخص عصر حاضر کے ظاہری فقہاء اور نام کے علماء کے ساتھ رفت و آمد رکھے گا تو اس کے مزاج میں بحث و نزاع کا غلبہ پا جائے گا اور جب برے دوست اس سے کہیں کہ ا اس طرح بحث کرنا فضیلت کی بات ہے، تو اس وقت اس پر خاموشی ناگوار اور مشکل ہو جائے گی تو ایسے لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

تیسرا امر: ایسے لوگوں سے استفادہ کرنے اور سیکھنے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے جو

منصب، عمر، شہرت دینداری یا کسی دوسرے علم میں اس سے کمتر ہو بلکہ اس سے جتنا ہو سکے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی منصب یا شہرت اس کام میں مانع نہ ہو کہ وہ نہ جاننے والی چیزوں کو حاصل کرے ورنہ اس کا معاملہ خسارت میں ہوگا اور علم گھٹ جائیگا اور سرانجام غضب الٰہی کا حقدار ہو جائے گا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤمِنِ ، فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا.

علم وحکمت مومن کا گمشدہ گوہر ہے تو مومن جہاں اسے پائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔

سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

آدمی اس وقت تک عالم ہے کہ جب تک وہ سیکھتا رہے اور جب وہ سیکھنا چھوڑ دے اور یہ خیال کرے کہ اب وہ بے نیاز ہو چکا ہے اور جو کچھ علم اس کے پاس ہے وہی کافی ہے؛ تو وہ سب سے بڑھکر جاہل ہے۔

ایک شاعر اس سلسلے میں کہتا ہے:

وَلَیْسَ الْعَمیٰ طُولُ السُّؤَالِ وَاِنَّــما
تَمَامُ الْعمیٰ طُولُ السُّکُوتِ عَلَیَ الْجَھْلِ

یعنی کوری (اور بے علمی، زیادہ اور) طولانی سوالات کرنے کا نام نہیں بلکہ حقیقی اندھا وہ ہے جو جہالت کے باوجود خاموش ہی رہے۔

شرم کی وجہ سے سوال نہ کرنا بھی اس جہالت کے زمرے میں شامل ہے کہ جس کے متعلق کہا گیا ہے: اگر کوئی مسئلہ پوچھنے میں شرمائے جہالت تو اس سے نہیں شرمائے گی۔

نیز کہا گیا ہے: جو شرمائے گا اس کا علم بھی اس سے شرمائے گا۔

شرمیلا اور متکبر دونوں (صحیح معنوں میں) علم نہیں سیکھ سکتے۔

زرارہ، مسلم بن حمد اور برید عجلی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے:

اِنَّمَا النَّاسُ یَهْلِکُ لِاَنَّهُمْ لاَیَتَسائلُونَ.

لوگو اسی بنا پر ہلاک ہوتے ہیں کہ وہ سوال نہیں کرتے۔ (منیۃ المرید ص ۱۷۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپ - نے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْعِلْمُ عَلَیهِ قُفْلٌ وَ مِفْتَاحُهُ، اَلْمَسْئَلَةُ.

علم قفل ہے اور اس کی چابی پوچھ اور سوال ہے۔ (منیۃ المرید ص ۱۷۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

چوتھا امر: (یہ ادب سب سے مہم ہے) یعنی غلطی اور لغزش سرزد ہونے پر حق کا اعتراف کرنا اگرچہ کوئی چھوٹا ہی اس (غلطی کی طرف) متوجہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا فرض ہونے کے ساتھ ساتھ برکتِ علم کا بھی سبب ہے اور ہمیشہ ایسا نہ کرنا تکبر کا باعث بنتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مذمت اور ناپسند ہے نیز اس سے دوری کا موجب ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تو بعض اصحاب کہنے لگے: ہم تو ہلاک ہوئے یا رسول اللہ! کیونکہ ہم میں سے ہر ایک اچھے جوتے اور کپڑے کی خواہش رکھتا ہے۔ فرمایا: یہ تکبر نہیں بلکہ تکبر سے مراد حق کے سامنے اکڑنا اور لوگوں کو ناچیز سمجھنا ہے؛ اور حق کے سامنے اکڑنے سے مراد حق کے ثابت آشکار ہونے کے باوجود اس کا اعتراف نہ کرنا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ آشکار ہونا خواہ چھوٹے سے ہو یا بڑے سے، کسی بڑی ہستی سے ہو یا ایک معمولی شخص سے۔ اور تنبیہ اور ڈرانے کے لئے یہی کافی

ہے۔

پانچواں امر: اپنی بات یا سوال کو بیان کرنے سے پہلے اس کے بارے میں خوب سوچ بچار اور جانچ پڑتال کرنا تاکہ اس کے ذریعے کسی قسم کی غلطی یا لغزش، یا وہم و غلط فہمی میں پڑ جانے سے محفوظ رہے چونکہ اس طرح اس کے اندر ایک اچھی عادت بیٹھ جائے گی اور اگر اس کے برخلاف سوال و جواب میں جلد بازی کرے گا تو زیادہ غلطیوں اور کافی نقصانات کا سامنا ہوگا اور وہ اسی عنوان سے ہی پہچانا جائے گا مخصوصاً جہاں برے دوست ہوں جن سے طالب علم اور استاد کو ڈر ہوتا ہے کہ وہ کہیں ان سے غلطیاں نکال کر انہیں اپنے جیسے حاسدوں میں (ان کی شخصیت کی) نشانی قرار نہ دیں۔

چھٹا امر: ہمیشہ دروس میں اس طرح حاضر ہو کہ خود کو ظاہری اور باطنی خباشتون اور گندگیوں سے پاک کرے، بہترین لباس پہنا کرے اور ان کو صاف ستھرا رکھے نیز ان میں خوشبو لگائے البتہ اس سے مقصود علم کی تعظیم اور حاضرین درس اور ملائکہ کو خوشحال کرنا ہو (نہ خودنمائی اور خدستائی کی غرض سے) مخصوصًا اگر درس مسجد میں ہو۔

(تنبیہ!) صفائی اور نظافت سے متعلق ترغیب دلانے والی یہ احادیث سبھی کے لئے ہیں لیکن عالم اور طالب علم کے حق میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

....

دوسری نوع

معلم سے مخصوص آداب

جان لو! تعلیم وہ بنیاد ہے کہ جس پر دین استوار ہے اور اسی سے دین مٹنے سے محفوظ رہتا ہے لہذا یہ واجبات کفائی میں سے سب سے اہم اور تاکید شدہ واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَاللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهُ.

(وہ وقت یاد کرو کہ) جب اللہ نے اہل کتاب سے مضبوط عہد لیا تھا تاکہ تم ضرور اس کتاب کو لوگوں کے واسطے کھول کر بیان کرو اور اسے نہ چھپاؤ۔ (آل عمران/۱۸۷)

نیز فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَ الْهُدَیٰ مِنْ بَعْدِمَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُولٰئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُوْنَ.

یقیناً جولوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے انہیں لوگوں کو کتاب میں کھول کر بیان کیا ہے، تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت ہے اور ان پر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ (بقرہ/۱۵۹)

اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ ، اَلْغَائِبَ.

تمہارے حاضر کو چاہئے کہ (علم کو) اس تک پہنچائیں جو حاضر نہیں۔ (منیۃ المرید ص ۱۷۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اس مفہوم کی حامل بہت سی روایات پائی جاتی ہیں کہ جن میں سے بعض ذکر ہو چکی ہیں۔

معلّم سے مربوط یہ آداب تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں:

الف:۔ وہ آداب جو معلم کے اپنے بارے میں ہیں۔ ب:۔ وہ آداب جو معلم کو اپنے شاگردوں کے ساتھ ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ ج:۔ وہ آداب جن کی اسے اپنے درس کی مجلس میں رعایت کرنی چاہئے۔

....

پہلی قسم

معلم کے اپنے نفس کے بارے میں جو گزشتہ مشترکہ آداب کے علاوہ ہے

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہیں:

پہلا امر: معلم کو اس وقت تک اپنے آپ کو تدریس کے عہدے پر معین نہیں کرنا چاہئے جب تک اس کی پورے طور پر اہلیت حاصل نہ کرے اور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور معطر باتوں سے یہ بات ظاہر نہ ہوں، اور جب تک صالح اور نیک استاتید اس کی اہلیت کی گواہی نہ دیں۔ مشہور روایت ہے:

اَلْمُتَشَبِعَ بِمَالَمْ يُعْطَ كَلَا بِسِ ثَوْبَیْ زُورٍ

اس چیز پر جو نہ دی گئی ہو، شکم سیری کا اظہار کرنے والا جھوٹ کے دو لبادے اوڑھنے والے کی طرح ہے (جو بظاہر بڑی ٹیپ ٹاپ کے ساتھ نظر آتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔)

بعض اہل فضل نے فرمایا ہے:

مَنْ تَصَدَّرَ قَبْلَ اَوَانِہٖ فَقَدْ تَصَدّٰی لِھَوَانِہٖ.

جو وقت سے پہلے اپنے آپ کو صدر بنائے اس نے اپنی رسوائی کا سامان کیا۔

بعض نے کہا ہے: جو ریاست کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرے گا تو اس وقت تک ذلت میں رہے گا جب تک وہ زندہ رہے۔

کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں پیش کیا ہے:

لَا تَطْمَحَنَّ اِلَی الْمَرَاتِبِ قَبْلَ اَنْ تَتَکَامَلَ الْاَسْبَابُ

اِنَّ الثِّمَارَ تَمُرُّ قَبْلَ بُلُوغِھَا طِعْماً وَھُنَّ اِذَا بَلَغْنَ عِذَابُ

اسباب و مراحل کے پورے ہونے سے پہلے اونچے عہدوں کے بارے میں سوچو بھی نہیں (کیونکہ) پھل پکنے سے پہلے مزے میں کڑوے ہوتے ہیں اور یہی پھل جب پک جاتے ہیں تو میٹھے ہو جاتے ہیں۔

دوسرا امر: علم کو نااہل کے حوالے کر کے اس کی توہین نہ کرے اور نہ علم سکھانے شاگرد کی ڈیوڑھی پر جائے چاہے شاگرد صاحبِ عظمت ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس کو چاہئے علم کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح علمائے ماسلف نے کی ہے۔ خلفاء اور دیگر نااہلوں کے ساتھ علم کا معاملہ کرنے والوں کے بارے میں بہت سے مشہور واقعات پائے ملتے ہیں۔

زہری کہتا ہے: یہ علم کی توہین اور تحقیر ہے کہ عالم علم سکھانے شاگر کی چوکھٹ پر جائے۔

البتہ جہاں مجبوری پیش آئے اور دینی ضرورتوں کا تقاضا ان مفسدوں پر زیادہ ترجیح رکھتا ہو جو اس کے گھر جا کر پڑھانے سے پیدا ہوتے ہیں نیز عالم اس سلسلے میں اپنی نیت کو پاک وصاف رکھتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس بارے میں قاضی ابوالحسن علی بن عبدالعزیز جرجانی نے کیا خوب کہا ہے:

۱ :یَقُولُونَ لِی فِیکَ النقِبَاضٌ وَاِنَّمَا	رَاَوْرَجُلاً عَنْ مَوضِعِ الذُّلِّ اَحْجَمَا
۲ :اَرَی النَّاسَ مَنْ دَانَاهُم هَانَ عِندَهُم	وَمَنْ اَکْرَمَتْهُ عِزَّةُ النَّفْسِ اُکْرِمَا
۳:وَمَا کُلُّ بَرْقٍ لاَحَ لِی، یَسْتَفِزُّنِی	وَلاَ کُلُّ مَنْ لاَقَیْتُ، اَرْضَاهُ مُنعِمَا
۴: وَاِنِّی اِذَا مَافَاتَنِی الاَمْرُ لَمْ اَبِتْ	اُقَلِّبُ کَفِّی نَحْوَهُ مَتَنَدِّمَا
۵: وَلَمْ اَقْضِ حَقَّ الْعِلْمِ اِنْ کَانَ کُلَّمَا	بَدَا طَمَعٌ صَیَّرْتُهُ لِیَ سُلَّمَا
۶: اِذَا قِیْلَ هٰذَا مَنْهَلٌ قُلْتُ اَرَیٰ	وَلٰکِنَّ نَفْسَ الْحُرِّ تَحْتَمِلُ الظِّمَا
۷: وَلَمْ اَبْتَذِلْ فِی خِدْمَةِ الْعِلْمِ مُهْجَتِی	لِاَخْدِمَ مَنْ لاَقَیْتُ لٰکِنْ لِاُخْدِمَا
۸: ااُسْقیٰ بِهِ عِزّاً وَاَسْقِیْهِ ذِلَّةً	اِزَا فَاتِّبَاعُ الْجَهْلِ قَدْ کَانَ اَحْرَضَا
۹: وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوهُ صَانَهُم	وَلَوْ عَظَّمُوهُ فِی النُّفُوسِ لَعُظِّمَا
۱۰: وَلٰکِن اَذَلُّوهُ فَهَانَ وَ دَنَّسُوا	مُحَیَّاهُ بِالاَطْمَاعِ حَتّٰی تَجَهَّمَا

ترجمہ:

۱۔لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم منہ بگاڑے رہتے ہو حالانکہ انہوں نے صرف اس شخص کو دیکھا ہے جو ذلت سے کتراتا ہے۔

۲۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو صاحب علم ان کے نزدیک جاتا ہے وہ ان کی نظروں سے گر جاتا ہے اور جو عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان سے کترائے) اس کا احترام کیا جاتا ہے۔

۳۔ ایسا نہیں کہ جب بھی دنیا کی بجلی چمکنے لگے وہ مجھے اُچک لیجائے اور ایسا بھی نہیں کہ میں ہر ملنے ولاے کو اپنا محسن قرار دوں۔

۴۔ (میں تو ایسا ہوں کہ) جب کوئی چیز میرے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو میں اس پر

مسلسل ندامت کے ساتھ کفِ افسوس ملتا رہتا ہوں۔

۵۔اس وقت مجھ سے علم کا حق ادا نہ ہوگا اگر میں ،اس کو جب جی چاہے اپنے (ہدف، اورغرض کے) لئے وسیلہ قرار دوں۔

٦۔اگر مجھ سے کہا جائے کہ علم تو ایک چشمہ ہے (لہذا اس سے ہر ایک کو سیراب ہونا چاہئے) تو میں کہوں گا: لیکن ایک آزاد اور خود دار نفس پیاس کو برداشت بھی کر لیتا ہے۔

۷۔میں نے حصول علم میں اس لئے اپنا خون جگر نہیں بہایا کہ ہر ملنے والے کی چاکری کرتا پھروں، بلکہ اس لئے حاصل کیا کہ (اس سے بزرگی اور شرافت پا کر) دوسرے میری خدمت کریں۔

۸۔کیا ایسا ممکن ہے کہ میں تو علم کے ذریعے عزت وشرف کے خوشگوار پانی سے سیراب ہو جاؤں لیکن میں اس کو ذلت کا پانی پلاؤں؟ اگر ایسا ہے تو جہالت کی پیروی کرنا ہی احتیاط سے زیادہ قرین ہوگا۔

۹۔اگر اہل علم ،علم کی لاج رکھتے اور اس کی تعظیم کرتے تو وہ بھی ان کی لاج رکھتا اور ان کی بھی تعظیم کیجاتی۔

۱۰۔مگر (افسوس) صاحبان علم نے علم کی عزت کو برباد کیا جس کے نتیجے میں میں علم ناچیز اور حقیر نظر آنے لگا۔نیز انہوں علم کے خوبصورت چہرے کو حرص و لالچ کے (گندگیوں سے) آلودہ کیا یہاں تک کہ علم بھی (ان پر) ترش روئی کرنے لگا (یعنی ان کی علمی شخصیت بھی جاتی رہی۔)

تیسرا امر: متذکرہ مشترکہ آداب کے ساتھ اپنے علم پر عمل کرتا رہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ.

کیا تم صرف لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور خود بھول جاتے ہو؟ (بقرہ/۴۴)

امام جعفر صادق ؑ نے اس آیت: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر/۲۸)

کے بیان میں فرمایا ہے: یعنی وہ لوگ جن کا عمل اس کے فعل کی تصدیق کرے اور جس کے قول کی اس کا عمل تصدیق نہ کرے تو وہ عالم ہی نہیں۔

آپؑ سے منقول ہے: علم عمل کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے تو جو علم سیکھے گا وہ عمل کرے گا اور جو عمل کرے گا وہ علم سیکھ جائے گا۔ علم عمل کے لئے پکار رہا ہے تو جس نے اس کی سنی تو ٹھیک ورنہ وہ ہاتھوں سے نکل جائے گا۔

نیز فرمایا:

اِنَّ الْعَالِمَ اِذَا لَمْ یَعْمَلْ بِعِلْمِہٖ زَلَّتْ مَوْعِظَتُہُ عَنِ الْقُلُوبِ کَمَا یَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفَا.

جب عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی نصیحتیں لوگوں کے دلوں سے اس طرح اُچٹ جائیں گی جس طرح چکنے پتھر سے بارش کے قطرے۔ (منیۃ المرید ص۱۸۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

قَصَمَ ظَهْرِی : عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ، فَالْجَاهِلُ یَغِشُّ [یَغِرُّ] النَّاسَ بِتَنَسُّکِہٖ، وِ الْعَالِمُ یُنَفِّرُهُمْ بِتَهَتُّکِہٖ.

دو طرح کے لوگوں نے میری کمر توڑ دی: وہ عالم جو علم کی ہتک حرمت کرتا ہے؛ اور وہ

جاہل جو عبادت گزار ہوتا ہے؛ کیونکہ جاہل اپنی عبادت کے ذریعے لوگوں کو فریب دیتا ہے اور عالم علم کی بے حرمتی کر کے لوگوں کو علم سے متنفر بناتا ہے۔ منیۃ المرید ص ۱۸۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے:

فَسَادٌ کَبِیرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ وَاَکْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ

هُمَا فِتْنَةٌ لِلْعَالَمِینَ عَظِیمَةٌ لِمَنْ بِهِمَا فِی دِینِهِ یَتَمَسَّکُ

یعنی علم کی بے احترامی کرنے والا عالم بجائے خود ایک عظیم فتنہ ہے اور اس سے بڑھکر وہ جاہل ہے جو صرف (الٹی سیدھی) عبادتوں کی نمائش کرتا پھرتا ہے یہ دونوں دنیا کے لئے عظیم باعث فساد ہیں (مخصوصاً) ان کیلئے جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔

چوتھا امر: مشترکہ آداب کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ خوش اخلاقی، تواضع، شفقت و مہربانی اور نفس کی تکمیل کے لئے جدو جہد کرنا چاہئے کیونکہ اس زمانے میں صالح عالم نبی کے مرتبے پر ہوتا ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیل.

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔ (بحار الانوار ج ۲ ص ۲۲ طبع جدید)

بلکہ اس زمانے کے علماء ان سے بھی باعظمت ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کے ایک ہی زمانے میں ہزاروں انبیاء جمع ہوتے تھے جبکہ اب ایسے عالم بہت قلت کے ساتھ پائے جاتے ہیں بلکہ اب ایسے باعظمت علماء ہیں ہی کہاں؟ لہذا عالم استاد کو یہ جان لینا چاہئے کہ اس نے ایک عظیم امامت کو اپنے ذمے لیا ہے اور دین کے سنگین بوجھ کو اپنے شانوں پر

اٹھایا ہے تو اس کی پوری کوشش اور جد و جہد دین اور تعلیم کے میدان میں ہونی چاہئے تا کہ وہ فلاح پا جائے۔

امام جعفر صادق ؑ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّ لِلْعَالِمِ ثَلٰثُ عَلَامَاتٍ: اَلْعِلْمُ ، وَ اَلْحِلْمُ ، وَالصَّمْتُ. وَلِلْمُتَكَلِّفِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ : يُنَازِعُ مَنْ فَوْقَهُ بِالْمَعْصِيَةِ ، وَيَظْلِمُ مَنْ دُونَهُ بِالْغَلَبَةِ ، وَيُظَاهِرُ الظَّلَمَةَ.

(حقیقی) عالم کی تین نشانیاں ہیں: علم و حلم اور وقار و خاموشی، اور خود ساختہ عالم کی بھی تین علامتیں ہیں: اپنے مافوق علماء سے گناہوں کے ذریعے بحث و نزاع کرنا، اپنے سے کمتر علماء پر غلبہ کے ذریعے ظلم کرنا اور ظالموں اور جابروں کی حمایت کرنا۔ (کافی ج۱ص۴۵)

محمد بن سنان سے مرفوعاً نقل ہوا ہے: عیسیٰ بن مریم ؑ نے فرمایا:

اے میرے حواریو مجھے تم سے ایک کام ہے اور اسے میرے لئے انجام دو! انہوں نے کہا: آپ کی حاجت پوری کر دی جائے گی اے روح خدا! پھر آپ کھڑے ہوئے اور ان کے پیروں کو دھونے لگے تو اصحاب نے عرض کیا: اس کام کے تو ہم حقدار تھے اے روح خدا! فرمایا: خدمت کا سب سے زیادہ حقدار عالم ہے۔ میں نے اس غرض سے تمہارے سامنے اظہار تواضع کیا ہے تا کہ تم بھی میرے بعد اسی طرح لوگوں سے تواضع و انکساری سے پیش آؤ جس طرح میں میں تمہارے ساتھ پیش آیا۔ اس کے بعد فرمایا: حکمت، تواضع اور انکساری کے ذریعے ترقی پاتی ہے نہ تکبر و غرور کے ذریعے جس طرح کھیتی نرم اور ہموار زمین میں پیدا ہوتی ہے نہ چٹانوں میں۔

پانچواں امر: (عالم کو چاہئے کہ) کسی کو اس کی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے علم سکھانے سے دریغ نہ کرے کیونکہ اکثر طالب علموں کو شروع شروع میں نیت کی تصحیح دشوار ہوتی ہے

کیونکہ ان کے نفس کمزور اور آخرت کی سعادتوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں نیز وہ تصحیح نیت کے اسباب سے مانوس نہیں ہوتے۔ لہذا ان کو تعلیم دینے سے گریز کرنا ان کی بہت سی معلومات سے محرومی کا باعث بنتا ہے اس کے علاوہ یہ توقع بھی کی جاسکتی ہے کہ علم سے مانوس ہونے پر اس کی برکت سے وہ اپنی نیت کو درست کرلے۔

کسی فاضل نے کہا ہے:

طَلَبْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰهِ، فَاَبٰی اَنْ یَکُونَ اِلاَّ لِلّٰهِ .

ہم نے تو غیر خدا کے لئے علم حاصل کیا تھا لیکن وہ اس بات کا منکر ہوا کہ وہ غیر خدا کے لئے ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرانجام وہ خدا ہی کے لئے ہوکر رہتا ہے۔

حسن بصری سے منقول ہے: بعض قوموں نے غیر خدا کے لئے علم سیکھا اور اس سے خدا اور اس کی نعمتیں نہیں چاہیں لیکن وہ ہمیشہ علم کے ساتھ لگے رہے یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے خدا اور اس کی نعمتیں طلب کرنے لگے۔

لیکن جب معلم متعلم میں بری نیت کا احساس کرے تو اس پر واجب ہے کہ دھیرے دھیرے اسے نیک نصیحتیں کرے اور اسے غیر خدا کے لئے حاصل کئے جانے والے علم کے خطرناک (نتائج) سے آگاہ کرے نیز وقتاً فوقتاً اس سلسلے میں وارد شدہ احادیث پڑھکر سناتا رہے یہاں تک کہ وہ اپنی نیت درست کرنے لگے۔ پھر اگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہو اور اس (کے ہدایت پانے) سے مایوس ہو جائے تو کہا گیا ہے کہ اس مرحلے پر اسے تعلیم دینے سے باز رہے اور اپنے پر حال چھوڑ دے۔ چونکہ اب علم اس میں مزید شر اور فساد کا باعث بنے گا۔ اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

لا تُعَلِّقُوا الْجَوَاهِرَ فِی اَعْنَاقِ الْخَنَازِیْرِ .

خنزیروں کے گلے میں جواہر کے ہار مت پہناؤ! (منیۃ المرید ص ۱۸۴، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے:

حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ بنی اسرائیل کے درمیان خطبے دینے کی غرض سے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

لاَ تُحَدِّثُوا جُهَّالَ بِالْحِكْمَةِ فَتَظْلِمُوهَا، وَلاَ تَمْنَعُوهَا اَهْلَهَافَتَظْلِمُوهُمْ.

جاہلوں ے سامنے حکمت کی باتیں نہ کیا کرو کہ وہ اس پر زیادتی کریں گے اور نہ حکمت کو اس کے اہل سے روکو کیونکہ اس صورت میں تم نے ان پر ظلم کیا۔ (منیۃ المرید ص ۱۸۴، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فَمَنْ مَنَحَ الْجُهَّالَ عِلْماً اَضاعَهُ　　وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِينَ فَقَدْ ظَلَم

جس نے علم وحکمت کو جاہلوں کے آگے پیش کیا اس نے علم کو ضائع کیا اور جس نے اس کو اس کے اہل سے روکے رکھا تو یقیناً ظلم کیا۔

بعض نے (فسادِ نیت) کے سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: اگر تکبر اور خودنمائی وغیرہ کی وجہ سے اس کی نیت میں فساد پایا جائے تو ایسا ہی کرنا چاہیے (یعنی اسے علم سے محروم رکھنا چاہیے) لیکن اگر دنیوی ریاست کی محبت کے حوالے سے ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کی اصلاح سے مایوسی کے باوجود اس کو علم سے محروم نہ کرے۔ کیونکہ ابھی اس کی یہ بری نیت اس کے اندر سے ریشہ کن نہیں ہوئی ہے نیز شروع شروع میں کوئی بھی طالب علم اس قسم کی خصوصیتوں سے گلوخلاصی حاصل نہیں کر پاتا لیکن جب وہ حقیقی علم سیکھ جائے گا تو جان جائے گا کہ دراصل علم، طلب ہی اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے سعادتِ

ابدی اور ہمیشہ کی خوش بختی حاصل ہو، اور ریاست تو اس کے ساتھ مل ہی جاتی ہے چاہے اس کا قصد ہو یا نہ ہو۔

چھٹا امر: جہاں علم کے مستحق افراد ہوں وہاں علم سکھانے میں کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ نہ کرے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے علم کو لوگوں تک واضح طور پر پہنچانے اور اس کو پوشیدہ نہ رکھنے کے سلسلے میں علماء سے وہ مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے جو انبیاء سے بھی لیا ہے۔

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے: میں نے علی ؑ کی کتاب میں پڑھا ہے:

اِنَّ اللهَ لَمْ يَأْخُذْ عَلَى الْجُهَّالِ عَهْداً بِطَلَبِ الْعُلَماءَ حَتّى اَخَذَ عَلَى الْعُلَماءِ عَهْداً بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهّالِ؛ لِاَنَّ الْعِلْمَ كانَ قَبْلَ الْجَهلِ.

بے شک اللہ نے علماء سے، جاہلوں کو علم سکھانے کے عہد لینے کے بعد ہی جاہلوں سے طلب علم کا عہد لیا ہے کیونکہ علم کا وجود جہل سے پہلے ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۴۱ کتاب فضل العلم ، باب بذل العلم الحدیث ۲)

امام جعفر صادق ؑ نے اس آیت: ولا تُصَعِّر خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ (لوگوں کے سامنے اپنا منہ مت پھلاؤ) کی تفسیر میں فرمایا: تاکہ سب لوگ علم کے حوالے سے تمہارے پاس یکساں ہوں۔ (وہی کتاب)

جابر جعفی ن امام محمد باقر ؑ سے نقل کیا ہے:

زَكٰوةُ الْعِلْمِ اَنْ تُعَلِّمَهُ عِبادَ اللهِ. علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ تم اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ (وہی کتاب)

ساتواں امر: معلم کو چاہئے کہ اپنے اقوال اور افعال میں اختلاف پیدا ہونے نہ دے اگرچہ یہ اختلاف شرعی عذر کی بنا پر ہو۔ (قول و فعل میں تضاد ہونے کی مثال یہ ہے)

جیسے وہ کسی چیز کو حرام قرار دے لیکن خود اس کا مرتکب ہو جائے یا کسی چیز کو واجب کہے لیکن خود اس کو ترک کر دے یا کسی مستحب کی تاکید کرے لیکن خود اس پر عمل نہ کرے۔ اگرچہ اس کا ایسا کرنا اس کی شرعی ذمہ داری کے مطابق ہو کیونکہ شریعت کے احکام اشخاص کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں (بیمار اور معذور کا حکم کچھ اور ہے اور تندرست شخص کا حکم کچھ اور۔ بہر حال معلم کے قول و فعل میں شرعی عذر کے باوجود فرق نہیں ہونا چاہئے) مثلاً وہ تشییع جنازہ اور اس کے دیگر احکام کا حکم یا روزہ رکھنے اور مومنوں کی حاجت روائی، ائمہ اور انبیاء ؑ کی قبور کی زیارت اور دیگر نیک کاموں کی تاکید کرے لیکن خود ان کاموں کو ان سے زیادہ مہم ذمہ داریوں میں مشغولیت کی بنا پر انجام نہ دے سکے یعنی اس کی یہ مصروفیت اس کے دئے ہوئے دستور کے خلاف ہو، جبکہ اس کے یہ کام زیادہ فضیلت رکھتے ہوں یا ایک خاص (وظیفہ کے اعتبار سے معیّن) ہوں۔ تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ دوسروں کو ہونے والی غلط فہمیوں سے ڈرتے ہوئے (اپنے قول و فعل میں پیدا ہونے والے) تضاد کی وجہ بیان کرے تا کہ لوگوں کے دل شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہیں چنانچہ ایسا ہی معاملہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا:

جب بعض اصحاب نے آپ کو رات کی تاریکی میں کسی خاتون کے ساتھ اپنے دولت خانے کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا تو آپؐ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ کوئی اجنبی خاتون ہے۔ لہذا آپؐ نے فرمایا: یہ میری فلاں زوجہ ہے البتہ آپؐ کا یوں علت بیان فرمانا سامع کا فریب شیطان کے شکار ہونے کے خوف سے تھا۔ دوسری طرف سے سامع پر بھی واجب ہے کہ اس طرح کی غلط فہمیوں پر جلد ہی اعتراض نہ کرے بلکہ اپنے گمان کے صحیح ہونے کا قوی احتمال کے باوجود، جب تک فساد

کھل کر ثابت نہ ہو اعتراض نہ کرے۔ چنانچہ انشاء اللہ جلد ہی آداب متعلم کے باب میں بیان ہوگا۔

الغرض اخلاق اور طور طریقے دوسروں میں نقش ہونے کے اعتبار سے، عالم اور متعلم کی مثال نگینہ اور موم کی طرح ہے۔ چونکہ موم پر صرف وہی کچھ نقش ہو جائیگا جو نگینہ میں پایا جاتا ہے۔ اور ہم نے خود اپنی آنکھوں سے بہت سے طلاب علم کو ان کے اساتید کے قول و فعل میں تضاد ہونے کی وجہ سے، اسطرح بری صفت کا شکار ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

آٹھواں امر: جہاں تک ہو سکے بندگان خدا میں، بغیر کسی جھجک اور خوف کے، حق کا اظہار کرے۔ بنابراین اگر کسی کو حق سے کج روی یا کوتاہی کرتے ہوئے پائے تو پہلے تو نرمی اور شفقت کے ساتھ اور پھر ذرا سخت لہجے میں نصیحت کرنی چاہئے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے دوری اختیار کرے پھر اگر یہ بھی مفید ثابت نہ ہو تو اس کو ٹوکنے اور حق کی طرف لوٹانے کے سلسلے میں امر بالمعروف کے مراحل پر عمل کرنا چاہئے۔

یہ حکم (یعنی برائیوں سے روکنا) اصل وجوب کے اعتبار سے ہر مکلّف کو شامل ہوتا ہے تاہم عالم پر اس معاملے میں زیداہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ عالم ایک رئیس کی حیثیت رکھتا ہے جو امر و نہی کا حقدار ہوتا ہے اور اس کی باتوں میں اثر ہوتا ہے لہذا اس معاملے میں اس کی ذمہ داری زیادہ سنگین ہوتی ہے چانچہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِذاظَھَرَتِ الْبِدَعُ فی اُمَّتی فَلْیُظْھِرِ الْعالِمُ عِلْمَهُ . فَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُاللهِ

جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے (لوگوں کو ان سے روکے) اور جو ایسا نہ کرے گا اس پر لعنت خدا ہوگی۔ (اصول کافی ج ا

ص ۵۴، کتاب فضل العلم باب البدع)

آج اگر غفلت اور جہالت کا غلبہ ہوا ہے اور دینی فرائض کو سیکھنے نیز اسلامی سنتوں اور نماز وغیرہ جیسی شرعی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے تو صرف علماء کے اظہارِ حق اور بندگان خدا کی اصلاح کرنے نیز انہیں حکمت وموعظہ کے ذریعے راہ خدا پر لگانے کے سلسلے میں کی جانے والی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے۔

علمائے سوء صرف اس طرح حق کے اظہار میں کوتاہی پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ لوگوں کو گناہوں پر ابھارتا اور ان سے انس دلاتا ہے جس کے نتیجے میں جاہل اور بدکاروں کی رغبت اور سرگرمیوں میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا اور عالم کے وقار اور اس کے رعب میں کمی آتی جائے گی۔ بعض علماء نے کیا خوب کہا ہے: ہر گھر میں بیٹھے رہنے والا چاہے وہ کہیں بھی ہو، اس حیثیت سے کہ وہ لوگوں کی ہدایت وراہنمائی اور انہیں دینی علوم اور اچھے کاموں کی طرف ترغیب دلانے سے دریغ کر رہا ہے، گناہ کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے۔ خاص طور پر علماء کیونکہ اکثر عوام شریعت کے واجبات جیسے نماز اور اس کی شرائط وغیرہ سے نابلد ہوتے ہیں مخصوصا دیہاتوں اور صحراؤں میں رہنے والے۔

بنابراین ہر شہر اور بستی میں ایک ایسے شخص کا ہونا بطور کفائی واجب ہے جو لوگوں کو ان کا حقیقی دین سے آشنا کرے بطوریکہ وہ اپنے آپ کو شفقت ومحبت کے ساتھ لوگوں کی تعلیم کے لئے وقف کرے اور اس سلسلے میں نہایت نرمی اور ایسا رویہ اپنائے جس کی وجہ سے وہ اس کی باتوں کو قبول کرنے لگیں۔ اس بارے میں سب سے مہم چیز یہ ہے کہ وہ عوام اور ان کی دولت کی بالکل لالچ نہ رکھے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی شخص اگر عالم کی اس طرح کی لالچ سے متعلق جان لیگا، اس کی شخصیت اور علم سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ جس کی بنا پر اس

کی باتوں میں بھی وزن نہیں رہے گا۔ اور اگر وہ صرف خدا کی رضا اور اسی کے حکم کی تعمیل کا قصد رکھے، تو اس کی باتیں ہر خاص و عام کے دل میں بیٹھ جائیں گی اور وہ اس کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے سیدھے راہ پر لگ جائیں گے۔

یہ سب باتیں اس وقت ہیں کہ جب اس عالم کے لئے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور مسلمانوں کے لئے بھی اس میں کوئی نقصان نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کیلئے زیادہ سزاوار ہے کہ (اپنے بندوں کا) عذر قبول کرے۔

عبداللہ بن سلیمان سے مروی ہے: میں نے امام جعفر صادق ؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپؑ کی خدمت میں بصرہ کے رہنے والا عثمان اعمی نامی ایک شخص یہ عرض کر رہا تھا: حسن بصری کا یہ عقیدہ ہے کہ اپنے علم کو چھپانے والوں کے شکم کی بدبو سے جہنمی بھی بیزار ہوں گے۔ تو امامؑ سے فرمایا: تو پھر مؤمن آل فرعون (جو فرعونیوں کے خوف سے اپنے علم کو چھپاتے تھے) ہلاک ہو جائیں گے! (یہ حقیقت بھی استاد پر واضح رہے کہ) علم تو، جب سے خدا نے حضرت نوح کو بھیجا، ہمیشہ سے پوشیدہ رہا ہے۔ تو حسن بصری کو چاہئے کہ اب اپنا بغل جھانکے۔ خدا کی قسم صحیح علم صرف ہم (خاندان رسالت سے) حاصل کیا جا سکتا ہے۔

....

دوسری قسم

معلم کے اپنے شاگردوں کے ساتھ آداب

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہیں:

ا۔ معلم کو چاہئے کہ طالب علم کو بتدریج اچھے آداب اور پسندیدہ عادتوں کی تعلیم دے نیز دینی تہذیب اور پوشیدہ باریکیوں کی نشاندہی کے ذریعے انہیں ریاضتِ نفس سکھائے اور انہیں اپنے پوشیدہ اور ظاہری کاموں میں تحفظِ نفس کا خوگر بنائے، خاص طور پر جب ان میں رشد وکمال کا احساس کرنے لگے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ طالب علم کو اپنے علم اور جدوجہد (بلکہ ہر کام) کو اللہ کے لئے خالص بنانے پر ابھارے اور اس کو یہ بھی سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحہ ہمارا نگہبان ہوتا ہے۔ عالم کو چاہئے کہ مسلسل ان کاموں کو جاری رکھے یہاں تک کہ دنیا سے چلا جائے۔ اس کو بتائے کہ ان مذکورہ کاموں کی وجہ سے اس پر علم کے دروازے کھل جائیں گے اور شرح صدر پائے گا، نیز اس کے دل سے حکمت ولطائف کے چشمے پھوٹیں

گے، اس کے حالات اور علم اس کے لئے مبارک ہو۔ لے اور صحیح اقوال و کردار اور احکام بیان کرنیکی توفیق عطا ہوگی۔ استاد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ اس سلسلے میں منقول احادیث پڑھکر سنائے، ایسی مثالیں پیش کرے جو اس بارے میں اسے ابھارے، دنیا سے کنارہ کشی کرے، اور اس سے وابستہ ہونے نہ دے نیز اس کیطرف مائل ہونے اور اس کے زرق و برق سے دھوکہ کھانے سے باز رکھے۔ اس کو یہ بھی یاد دلاتا رہے کہ یہ دنیا فنا ہونے والی اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور فانی سے منہ موڑ کر باقی رہنے والی چیز کیلئے آمادہ ہونا و دوراندیشوں اور خدا کے صالح بندوں کی سیرت ہے۔ یقیناً دنیا، فضل و کمال پانے کی کھیتی اور علم عمل حاصل کرنے کے لئے ایک فرصت ہے تا کہ وہ نیک اعمالکے ذریعے آنے والی دنیا کے لئے سامان فراہم کرے۔

۲۔ انہیں علم کی طرف رغبت دلائے اور علم اور علماء کے فضائل یاد دلاتے رہے (اور یہ بھی بتائے کہ) علماء انبیاء ؑ کے وارث ہیں اور وہ منبر پر ایسے نور ہوتے ہیں جن کی انبیاء اور شہداء بھی تمنا کرتے ہیں اور اسی طرح انہیں علم اور عالم کی فضیلت میں منقول آیات و احادیث اور اشعار و مثالیں بیان کرتا رہے کیونکہ خطابت اور شاعری کے ذریعے کی جانیوالی راہنمائی اور اشاروں کا بھی انسان کے دلوں کو متاثر کرنے میں بڑا کردار ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ان نکات کے ساتھ ساتھ بتدریج ان عوامل و اسباب کی طرف بھی اکسائے جو انہیں دنیوی امور میں جتنا ہو سکے کم پر اکتفاء کرنے نیز قناعت کو اپنانے میں مدد دیں تا کہ اس کے ذریعے انہیں دنیا سے دل لگانے اور ان کے افکار کو پراکندہ ہونے سے محفوظ رکھے۔

۳۔ اس کیلئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند ہو اور اس کے لئے اسی چیز سے

کراہت رکھے جو خود کو بری معلوم ہو۔ کیونکہ یہی ایمان کامل اور مدارات کا تقاضا ہے۔

چنانچہ صحیح روایت میں آیا ہے:

لایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّی یُحِبَّ لِاَخیہِ ما یُحِبُّ لِنفْسِہ ۔

تم میں سے کسی کا بھی ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند نہ کرے جو خود کو پسند ہو۔

بلاشبہ متعلم بہترین بھائیوں بلکہ بہترین اولاد میں سے ہوتا ہے جیسا کہ جلد ہی بیان ہوگا، کیونکہ علم روحانی قربت کا نام ہے جو کہ یقیناً جسمانی نسبت اور قربت سے افضل ہے۔

ابن عباس سے منقول ہے:

میرے نزدیک بافضیلت ترین شخص میرا ہم نشین ہے جو لوگوں کو یاد کرتے ہوئے میرے پاس بیٹھنے کیلئے آجاتا ہے۔ اگر میرے بس میں یہ بات ہوتی کہ اس پر مکھی بھی پر نہ مارے، تو ضرور میں ایسا ہی کر دیتا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ: اس پر مکھی بیٹھنا بھی میرے لئے باعث تکلیف ہے۔

محمد بن مسلم سے مروی ہے: جبل کا رہنے والا ایک شخص حضرت امام جعفر صادق -کی خدمت میں حاضر ہوا اور وقت خدا حافظی آپؑ سے عرض کرنے لگا: مجھے نصیحت فرمائیں، تو آپؑ نے فرمایا:

اللہ سے ڈرو اور اپنے مومن بھائی سے بھلائی کرو۔ اس کے لئے اسی چیز کو پسند کرو جو خود کو پسند ہو اور اس کے لئے اسی چیز سے کراہت رکھو جو اپنے لئے ناپسند ہو؛ اگر وہ تم سے سوال کرے تو عطا کرو اور اگر (شرم سے) سوال نہ کرے تو تم خود اسے پیشکش کرو، اس سے نیکی کرنے میں کوتاہی نہ کرو تا کہ وہ تمہارے لئے کوتاہی نہ کرے؛ اس کے لئے دست

وبازو بن کر رہو، اگر اسے اپنے خلاف پاؤ تو جب تک اس کی ناراضگی کا سبب نہ پوچھو اس سے دوری اختیار مت کرو، اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کی غیر موجودگی میں اس کو (غیبت وغیرہ سے) محفوظ رکھو اور اگر سامنے ہو تو اس کی حمایت اور مدد کرو اور پشت پناہی کرو، اس کی عزت کرو اور اس سے مہربانی کرو کیونکہ وہ تم سے اور تم اس سے ہو۔

حق برادری کے سلسلے میں منقول تمام روایتیں یہاں (یعنی عالم و متعلم کے سلسلے میں) زیادہ تاکید کی حامل ہیں۔

۴۔ معلم کو چاہئے کہ اسے بری عادتوں، محرمات اور مکروہات کے ارتکاب اور ایسی ہر چیز سے ڈانٹے جو اسے فساد، ترک علم اور بے ادبی کی طرف لے جائے یا اسے بیہود گفتگو کرنے اور ناشائستہ افراد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا عادی بنائے۔ جہاں تک ممکن ہو اسے اشارہ کنایہ میں سمجھانا چاہئے نہ تلخ کلامی کے ذریعے، نرمی سے نہ سرزنش کرتے ہوئے، کیونکہ کھل کر ٹوکنا اس کی ہیبت کے پردے کو چاک کر دیگا اور شاگرد کو مزید مخالفت پر جرأتمند بنا دے گا نیز اسے ایسے کاموں کو بار بار کرنے پر ابھارے گا۔

حدیث میں آیا ہے: اگر لوگوں کو مینگنی کے توڑنے سے منع کیا جائے تو وہ ضرور اسے توڑ دیں گے اور کہیں گے کچھ اس میں ہے جو ہمیں منع کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اسی مفہوم کو یوں نظم کیا ہے:

اَلنّفْسُ تَهْوَى مَنْ يَجُورُ وَيَعْتَدى وَالنَّفْسُ مالَةٌ اِلَى الْمَمْنُوعِ

وَلِكُلِّ شَيءٍ يَشْتَهِيهِ طَلاوَةٌ مَدْفُوعٌ اِلّاعَنِ الْمَمْنُوعِ

ترجمہ: انسان کا نفس ظلم و زیادتی کی خواہش رکھتا ہے اور اسی چیز کی طرف اس وہ مایل ہوتا ہے جو ممنوع قرار دی گئی ہے۔

ہر وہ چیز جس کی طرف انسان کا میل ہو اس میں ظاہری اور جھوٹی خوبصورتی ہوتی ہے سوائے وہ چیز جو اسے منع کی گئی ہے۔ (یعنی ہر وہ چیز جس میں ظاہری رونق ہو اسے انسان کے لئے ممنوع کیا گیا ہے لیکن انسان کا نفس ہے کہ اسے انہیں جھوٹی رونق اور برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اِنَّ النَّفسَ لَاَمّارَةٌ بِالسُّوءِ)۔

ذرا رسول اللہ ﷺ کی روش ہدایت اور اس اعرابی کے ساتھ کی گئی نرم کلامی پر نظر کریں جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اور معاویہ بن حکم کے ساتھ (کی گئی مشفقانہ برتاؤ کو بھی ملاحظہ کرے) جس نے نماز کی حالت میں بات کی تھی۔

پس اگر ہوشیاری سے مذکورہ اشاروں پر (برائیوں سے) باز آجائے تو کیا ہی بہتر، ورنہ اسے تنہائی میں تنبیہ کرے اور اگر باز نہ آئے تو کھل کر ٹوک دیا جائے اور اگر اس کے باوجود ہدایت نہ پائے تو اسے دُھتکارنے اور نظر انداز کرنے میں کوئی حرج نہیں، خصوصا جہاں یہ خوف ہو کہ اس کے طالب علم دوست بھی اس کی موافقت میں ہیں۔

اسی طرح طلباء کے آپس کے معاملوں اور رفتار پر بھی نظر رکھے جیسے کھل کر سلام کرنا، مؤدبانہ گفتگو کرنا، نیکی اور تقوی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون اور چاہت کا اظہار کرنا اور انکی تعلیم وغیرہ۔

غرض یہ کہ جیسا کہ انہیں ان کے دین میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کی مصالح اور فائدوں کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح انہیں ان کی دنیوی امور میں بھی لوگوں کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کی تعلیم دے تاکہ وہ دین و دنیا دونوں کی فضیلتیں اور شرف کو پالیں۔

۵۔ شاگردوں کے ساتھ تکبر نہ کرے بلکہ خاکساری اور تواضع کے ساتھ پیش آئے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ.

مؤمنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرے ان سے جھک کر ملو۔ (شعراء/۲۱۵)

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوا.

بے شک اللہ نے مجھ پر یہ وحی فرمائی کہ میں تواضع اختیار کروں۔ (منیۃ المرید ص ۱۹۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

مَانَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَاللّٰہُ عَبْدًا بَعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ.

کوئی صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، اللہ ہر عفو اور درگزر کرنے والے کی عزت کو بڑھا دیتا ہے اور ہر تواضع کرنے والے کو بلندی عطا کرتا ہے۔ (وہی کتاب)

یہ حدیث سبھی لوگوں کے ساتھ تواضع کرنے کے سلسلے میں ہے تو ان شاگردوں سے کیسے تواضع نہیں کیجائے جو اس معلم کی اولاد کے مانند ہیں اور ہمیشہ اسی کے ساتھ ہوا کرتے ہیں اور اسی پر علم نافع حاصل کرنے میں ان کا اعتماد ہوتا ہے مزید یہ کہ معلم اور متعلم کے کچھ باہمی حقوق پائے جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کا ہمدم رہنا، آمدورفت میں احترام کرنا اور شرفِ محبت اور سچی دوستی وغیرہ سے متصف ہونا۔

نیز آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے:

۱. عَلِّمُوا وَلَا تُعَنِّفُوا؛ فَاِنَّ الْعِلْمَ خَیْرٌ مِنَ الْمُعَنِّفِ.

علم سکھاؤ اور (اس میں) سختی اختیار مت کرو کیونکہ علم سکھانے والا سختی کرنے والے

سے بہتر ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۴۱)

لَيِّنُوا لِمَنْ تُعَلِّمونَ [تُعَلِّمُونَهُ] وَلِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ.

جن کو علم سکھا رہے ہو اور جن سے علم سیکھ رہے ہو ان سے نرمی سے پیش آو۔ (تذکرۃ السامع ص ۶۵)

حضرت عیسیٰ ؑ کا قصہ گزر گیا جو آپ ؑ کے اپنے حواریین کے ہمراہ ہونے اور آپ ؑ کے ان کے پیروں کو دھونے کے بارے میں تھا اور اسی طرح اور بھی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

بنا بر این معلم پر یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے طالب علموں سے دوسروں سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے اور جب ان سے ملے تو نرمی اور خندہ پیشانی، گشادہ روری، خوش رفتاری، بے لوث دوستی اور محبت وشفقت کا اظہار کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے اپنے علم و مرتبہ کے شایان شان ان سے بھلائی کرے۔

نیز اس کے لئے سزاوار ہے کہ ان میں سے ہر ایک خصوصا جو فاضل و ممتاز ہو، کو اس کی کنیت اور دیگر ایسے ناموں سے پکارے جن میں اس کے لئے احترام و تعظیم پائی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو بطور تعظیم ان کی کنیت سے پکارا کرتے تھے تا کہ اس کے ذریعے اسے شرح صدر اور اس کے سوال کو وسعت عطا ہو اور شاگردوں کی محبت کو اپنی طرف مبذول کریں۔

اس سلسلے میں، جس شاگرد کی کامیابی کی امید ہو اور اس کی صلاحیتیں واضح ہوں تو اس کے حق میں ایسی روش اختیار کرنے کی مزید تاکید پائی جاتی ہے اور اسے اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرنا چاہئے:

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ ،وَاِنَّ رِجَالاً يَأْتُونَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي

الدِّینِ، فَاِذا اَتوْ کُمْ فَاسْتَوْ صُوا بِهِمْ خَیراً.

بیشک لوگ تمہاری پیروی کرنے والے ہیں اور بعض لوگ زمین کے اطراف واکناف سے تمہارے پاس دین کا علم سیکھنے آتے ہیں تو جب وہ آجائیں تو انہیں نیکی اور بھلائی کی سفارش کرو۔ (منیۃ المرید ص ۱۹۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

بہر حال معلم کی متعلم سے ایسی نسبت ہے جیسے طبیب کی مریض سے ہے تو طبیب مریض کے حق میں ہر وہ کام کر دیتا ہے جس سے اس کی شفا اور صحت کی امید ہو (لہذا معلم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے) کیونکہ جہالت کی نفسانی بیماری جسمانی بیماریوں سے کہیں شدید ہوتی ہیں۔

کبھی ایسا اتفاق بھی پیش آتا ہے کہ طالب علم مذکورہ بالا طریقۂ علاج کے برخلاف سختی کرنے سے بہبودی پا جاتا ہے چنانچہ علاج کے طریقے بھی انسان کے مزاج اور طبیعتوں کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوا کرتی ہے۔ (یعنی کبھی کبھی اس طرح احترام سے پیش آنا اس کے غرور کا باعث بنتا ہے تو اس صورت میں مذکورہ مؤدبانہ روش کی بجائے سختی کے ساتھ پیش آنا چاہئے)۔

۶۔ چھٹا ادب بھی گزشتہ ادب کی طرح ہے (یعنی اس میں بھی نرمی اور شفقت کا پہلو کارفرما ہے) کہ اگر اس کے شاگردوں اور حلقہ درس میں مسلسل شرکت کرنے والوں میں سے کوئی غائب رہے تو اس کے حالات اور غیر موجودگی کا سبب دریافت کرے۔ پس اگر اسے کچھ اطلاع نہ ملے تو کسی کو اس کے پاس بھیج دے یا خود چل کر اس کی قیام گاہ پر جائے اور بہتر بھی یہی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، یا کسی غم میں مبتلا ہو تو اظہار ہمدردی کرے اور اگر وہ سفر میں ہو تو اس کے اہل وعیال اور دیگر متعلقین کی دیکھ بال کرے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور جہاں تک ہو سکے ان سے مربوط رہے۔ اگر وہ کسی چیز کا احتیاج نہیں رکھتے ہوں تو ان سے اظہار محبت کرے اور انہیں دعائیں دے۔

۷۔ اپنے شاگردوں اور درس میں شرکت کرنے والوں کے نام، ان کے حسب ونسب ،کنیت اور ٹھکانوں سے آگاہ رہے اور زیادہ سے زیادہ ان کے حق میں دعا کرتا رہے۔ البتہ ایک حدیثِ ''مسلسل'' میں ان کے ناموں، کنیت، شہر اور محل قیام کے بارے میں دریافت کرنے پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔

۸۔ جو کچھ علم سیکھا ہے اسے کھلے دل اور آسانی سے طالب علموں تک پہنچائے (اور اس سلسلے میں احسان نہ جتائے) علم کے شیدائیوں کو فائدہ پہنچانے میں نرمی اور مہربانی کا مظاہرہ کرے نیز انہیں اہم نکتوں کی طرف توجہ دلانے میں شفقت اور خیر خواہی اختیار کرے۔ انہیں اصلاح نفس کے سلسلے میں بتائے گئے نفیس نکات کو حفظ کرنے (اور ان پر عمل کرنے) کی ترغیب دلائے۔ اہلیت رکھنے کی صورت میں کسی بھی ایسے علمی نکتے کو طلابِ علم سے پوشیدہ نہ رکھے جن کی طرف وہ محتاج ہو یا جس سے متعلق وہ دریافت کرے۔

البتہ ان علمی نکات کو اس سے پوشیدہ رکھا جائے جن کی وہ ظرفیت اور اہلیت نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ اس طرح (یعنی نا اہل کو معارف کے نکات سکھانے) سے اس کے افکار پراکندہ اور رویہ فاسد ہو جاتا ہے، بنابراین اگر وہ (نا اہل) سوال بھی کرے تو اسے سمجھایا کرے کہ یہ تیرے لئے نقصان دہ ہے۔ البتہ اس کو سخت کلامی سے نہیں بلکہ شفقت اور نرمی سے ٹوکے۔ پھر اس کے بعد اسے جد وجہد اور مزید حصول علم پر ابھارے تا کہ ان نکات کی

اہلیت پیدا کرے۔

لفظِ ''ربّانی'' کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کو علم کے بڑے درجے سے پہلے چھوٹے درجے کی تربیت دیتا ہے۔

۹۔ معلم کو چاہئے کہ شاگرد کو واجب سے پہلے غیر واجب میں مشغول ہونے اور واجب عینی کو چھوڑ کر کفائی کو انجام دینے سے روکے رکھے۔ واجباتِ عینی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو خالص اور باطن کو تقویٰ کے ذریعے پاک کرے (استاد پر فرض ہے کہ) وہ شاگردوں کو ان کاموں کے لئے کہنے سے پہلے خود اپنے نفس کا اس سلسلے میں مواخذہ کرے تا کہ اس کے ذریعے طالبِ علم پہلے سے ہی اپنے اعمال اور سیرت میں اس کی پیروی کرے پھر اس کی باتوں سے استفادہ کرے نیز اس کو چاہئے کہ علمِ اخلاق سے پہلے علم ادب وغیر سیکھنے سے منع کرے۔

۱۰۔ معلم پر فرض ہے کہ طالب علموں کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی رکھے اور ان کے فہم و ذہن کو علمی فوائد سے آشنا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا رہے۔ اسے چاہئے کہ اس سلسلے میں جب زیادہ ضروری کام نہ ہو، ان کے کاموں کو اپنے کاموں پر ترجیح دے اور انہیں نصیحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔

ہر ایک کو اس کے فہم و ذہنیت کے مطابق سمجھائے۔ انہیں ایسے مطالب پیش نہ کرے جن کا ان کا ذہن متحمل نہ ہو، نہ بات کو اس قدر پھیلائے کہ یاد نہ کرسکیں اور نہ ہی بلا مشقت سمجھنے والوں کے زیادہ مختصر کرے۔ ضروری ہے کہ ہر ایک سے اک کی شان اور ذہنیت کے مطابق مخاطب ہو۔ بنا براین اس متعلم کو جو ذہین اور ممتاز ہو اور مسئلے کی باریکیوں کو سمجھتا ہو، اشاروں میں سمجھانا چاہئے اور دوسروں کو وضاحت سے، مخصوصا جو کند ذہن ہوں یا جو کئی

بار تکرار کئے بغیر سمجھ نہ سکے اس کے لئے تکرار کرنا چاہئے۔ تعلیم کے دوران پہلے مسئلہ کا خاکہ پیش کرے پھر ان پر ضرورت کی صورت میں مثالوں کے ذریعے روشنی ڈالے۔ مسئلہ کے ادلّہ اور مآخذ کا ذکر ہو اور ان میں سے قابل اعتماد اور ضعیف ادلّہ کی تشخیص کرنی چاہئے تا کہ صحیح ادلّہ پر اعتماد کیا جائے اور اس کے ضعف کی وجہ سے دھوکہ نہ کھائے۔ (یعنی ان پر بناء رکھتے ہوئے استدلال نہ کرے) لہذا اس کو یوں کہنا چاہئے کہ مسئلہ کے مخالفین نے یوں دلیل پیش کی ہے جو کہ فلاں وجہ سے کمزور اور نقص کا حامل ہے۔ جن علماء کے اقوال کو ضعیف قرار دیا جا رہا ہو حسب ضرورت ان کے احترام کا پاس رکھے بطوریکہ (اس طرح اشکال کرنے اور نقص کی نشاندہی سے) صرف بیان حق مقصود ہو چونکہ بیانِ حق اسی پر موقوف ہے، نہ اپنی بڑھائی اور دوسروں کو نظر انداز کرنا ہدف ہو۔

اس کو چاہئے کہ مسئلہ میں پوشیدہ حکمت آمیز نکات اور ان کے علل بیان کرے اور اقوال کی توجیہات، ان کے کمزور زاویوں اور ان کے جواب پر بھی روشنی ڈالے نیز اس کے اصل اور فرع کو بھی واضح کرے اور اس بنیاد کو بھی جس پر متعلقہ مسئلہ اور اسی طرح کے دیگر مسائل مبنی ہیں اور بتائے کہ اسی مسئلے کا حکم دوسرے مسئلوں کا بھی ہے اور جس بنا پر سے ان مشابہ مسئلوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اس علت کو بھی بیان کرے مزید یہ کہ دونوں حکم کے مآخذ اور مسئلوں میں پائے جانے والے فرق، ان سے مربوط ظریف نکات اور تفریحی معمّے، مثالیں، اشعار، لغات اور ان پر وارد ہونے والے اشکال اور ان کے جواب بھی ممکن ہونے کی صورت میں، بیان کرے۔

مصنفوں میں سے جس سے بھی، کسی حکم، استنباط یا نقل وغیرہ میں غلطی سرزد ہوئی ہو تو اس پر متعلم کی توجہ دلائے البتہ تصحیح اور تعمیر کی غرض سے نہ فقط تنقید برائے تنقید ہو بلکہ اس

سے صرف خیر خواہی اور نصیحت مراد ہونی چاہئے تا کہ شاگرد دھوکے میں نہ پڑے اور (یہ نکتہ ضروری ہے کہ) یہ سب سامنے والے کی اہلیت رکھنے کی صورت میں ہے۔

۱۱۔ اسے چاہئے کہ تدریس کے دوران علمی محکم قواعدِ کلیہ اور فارمولے بیان کرے یا اگر ان سے استثناء شدہ موارد ہوں تو انہیں بھی روشن کرے مثلاً یوں کہے: کسی بھی نماز کے رکن میں کمی بیشی ہونے کی صورت میں وہ باطل ہو جاتی ہے سوائے مخصوص مقامات کے۔ اسی طرح اسے کہے کہ جہاں کہیں سبب اور اور مباشر یکجا ہوں تو مباشر سبب پر مقدم ہوگا۔ جس شخص نے غیر سے کسی غرض سے کوئی چیز لے لی ہو تو اسکے مالک کو لوٹانے کے سلسلے میں اس شخص کا قول قابل قبول نہیں ہوگا۔ (شریعت میں پائی جانے والی) حدود اور سزائیں، شبہ یا شک پیدا ہونے پر ساقط ہو جاتی ہیں۔ خدا کی قسم کھانے میں صرف اسی شخص کی نیت معتبر ہے جو قسم کھا رہا ہے سوائے یہ کہ قسم لینے والا قاضی ہو اور اس نے کسی دووی کے پیش نظر اسے قسم پر مجبور کیا ہو تو یہاں قاضی یا اسکی طرف سے قسم لینے والے نائب کی نیت معتبر ہوگی۔ کسی غیر کے فعل کو نفی کرنے کے لئے عدم علم پر قسم کھانا ہوگا مگر وہ شخص جس کے خلاف یہ دعوی ہوا ہو کہ اس کے غلام نے کوئی جرم کیا ہے، ایک قول کی بنا پر یا اس طرح اس کے جانور نے (کسی کو) نقصان پہنچایا ہے؛ اور یہ کہ شروع شروع میں مولا پر وہ چیز ثابت نہیں ہوتی جو اس کے غلام کے ذمے ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح اصول فقہ میں سے بھی اس کے لئے خاص جملوں کو حسب ضرورت واضح کرے جیسے ادلّہ کی ترتیب، قرآن و سنت، اجماع، قیاس (خاص صورت میں)، استصحاب اور قیاس کے انواع و درجات وغیرہ؛ نیز مناسب حدود اور تعریفات بیان کرتا رہے۔ اس پر لازم ہے کہ مشہور اصحاب، تابعین اور علماء کے نام، سوانح حیات

تاریخہائے وفات نیز ان کے انساب اور ناموں پر مشتمل مشکل الفاظ کی وضاحت کرے جو ملتے جلتے، مختلف یا نامانوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح لغت اور عرف سے متعلق تعلیم میں تکرار ہونے والے مشکل الفاظ کو بھی واضح کرے اور کہے یہ مفتوح یا مضموم یا مکسور ہے یا اس پر تشدید ہے یا نہیں وغیرہ۔ معلم کو چاہئے کہ ان سب امور کو دھیرے دھیرے اور درجہ بدرجہ بتائے تو اس کے نتیجے میں ایک مدت کے اندر ان میں ایک خیر عظیم کا ذخیرہ ہوگا۔

۱۲۔ انہیں ہر وقت علم میں مشغول رہنے پر ابھارے اور ان سے وقتاً فوقتاً اپنے یاد کئے ہوئے دروس کو دہرانے کے لئے کہے۔ جو مہم نکات اور مباحث انہیں بیان کئے ہیں ان سے متعلق ان سے سوال کرتا رہے۔ پس جس کو زیادہ یاد کرنے اور اس سلسلے میں رعایت کرنے والا پائے اس کا احترام کرے اور تعریف کرے نیز اس سلسلے میں پرچار کرے۔ البتہ جہاں تک عجب اور خود بینی وغیرہ کی وجہ سے اس کے خراب ہونے کا خوف نہ ہو۔ اور جسے سست پائے اس سے تنہائی میں سختی سے پیش آئے اور اگر صلاح ہو تو سب کے سامنے ہی ایسا کرے کیوں کہ معلم ایک طبیب ہے جو جہاں ضرورت اور نفع ہو دوا کرتا ہے۔

۱۳۔ اسے چاہئے کہ باریک اور پیچیدہ نکات میں سے جو سودمند ہوں، ان کو اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرے تاکہ اس کے ذریعے ان کے ذہنوں کو پرکھا جائے یوں فاضل اور ممتاز طالب علم کی فضیلت آشکار ہو جائے۔ (اس طرح طلاب علموں کو پرکھنے کا مقصد یہ ہے) کہ اس عمل کے ذریعے وہ مشکل اور پیچیدہ نکات کو سمجھنے کی مشق کریں گے اور ان کے عادی ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی غلطی کر جائے تو اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہئے مگر یہ کہ جہاں ضرورت ہو۔

ابن عمر سے مروی ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور اس کی مثال ایک مسلمان کی سی ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں نے صحرائی درخت بتادئے۔ مجھے خیال آیا کہ وہ خرما کا درخت ہوگا۔ لیکن میں (اپنے خیال کے اظہار سے) شرما گیا۔ پھر لوگوں نے عرض کیا: ہمیں بتادیجئے یارسول اللہ! فرمایا: وہ خرما کا درخت ہے۔ تو میرے باپ نے مجھ سے کہا: اگر تم اس کو بتادیتے تو یقیناً تم میرے پاس فلاں فلاں حوالے سے سب سے محبوب ہوتے۔

اسی طرح جب تدریس سے فارغ ہوجائے تو بہتر ہے کہ طالب علموں سے مربوط اسی درس کے مسائل کو ان کے درمیان میں رکھے اور مشکل نکات کو ایک مرتبہ پھر دہرائے تاکہ اس سے ان کی سمجھ بوجھ اور سمجھائے گئے نکات کو درک کرنے کے سلسلے میں امتحان لیا جائے چنانچہ ان میں سے جس کی ذہنی پختگی بار بار صحیح جواب دینے سے واضح ہوجائے اس کی قدردانی کرے اور جو سمجھ نہ سکے اس کے لئے لطف ونرمی کے ساتھ دوبارہ دہرائے۔

استاد کے لئے سزاوار ہے کہ وہ طالب علموں کو اجتماعی طور پر درس میں آنے کا حکم کرے کیونکہ اس سے ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو انفرادی درس میں نہیں ہوتے نیز انہیں یہ بھی کہے کہ درس ختم ہونے پر اس کے بیانات کو اپنے درمیان دہرائیں تاکہ یہ مطالب اور بیانات ان کے ذہنوں میں رسوخ کرجائیں۔

۱۴۔ اس کو چاہئے کہ ان کے ساتھ بحث وگفتگو میں انصاف سے کام لے اور اگر ان میں سے کوئی سودمند بات کہے تو چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس کا اعتراف کرے چونکہ اس کا ایسا کرنا علم کی برکت سے ہے جو اس نے اسے سکھایا ہے۔ کسی فاضل نے کہا ہے: علم کے آداب اور برکات میں سے ایک انصاف ہے تو جس نے انصاف نہیں کیا تو

گویا اس نے نہ سمجھایا ہے اور نہ کچھ سمجھا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ بحث و گفتگو میں کبھی بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑے ۔ اعتراض اور اشکال کرنے والے کے سوال کو غور سے سنے اگر چہ وہ کم سن ہو، اور انکے سننے میں تکبر نہ کرے ورنہ علمی فائدوں سے محروم ہو جائے گا۔

علم سے زیادہ دلچسپی رکھنے یا اپنے بیٹے وغیرہ پر برتری حاصل کرنے پر ان میں سے کسی سے حسد نہ برتے کیونکہ حسد (تو ویسے بھی) حرام ہے تو ان طلباء سے کیسے حرام نہیں ہوگا جو بیٹے کی منزلت رکھتے ہوں ۔ علم کی فضیلت سے شاگرد سے بڑھ کر استاد کو نصیب ہوتی ہے کیونکہ استاد ہی ان کی تربیت کرنے والا ہے لہذا شاگرد کی تعلیم اور اس کو پروان چڑھانے کے سلسلے میں وہ آخرت میں ثوابِ عظیم اور دنیا میں مسلسل دعا اور بہت سی تعریفوں کا مستحق ہوگا۔

ہم نے تو نہ ایسے شخص کو دیکھا ہے اور نہ اپنے کسی استاد سے سنا ہے کہ جو علم کے سلسلے میں اپنے بیٹے کو دیگر طالب علموں پر ترجیح دی ہو اور وہ کامیاب بھی ہوا ہو ۔ بلکہ کامیابی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور علم اللہ کی عنایت ہے؛ وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور خدا تو عظیم فضیلت کا مالک ہے۔

۱۵۔ اس کے لئے سزاوار نہیں کہ اپنے طلبہ کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ کوئی اس کی نظر میں محبت یا توجہ کے اعتبار سے کسی پر فضیلت رکھتا ہے جبکہ عمر، مرتبہ اور دیانت وغیرہ جیسی صفات میں سبھی برابر ہوں ۔ کیونکہ ایسا کرنا بسا اوقات دل میں وحشت اور تنفر کا باعث بنتا ہے بنا براین اگر ان میں سے کوئی تعلیم کے سلسلے میں زیادہ شوق رکھتا ہو یا غیر معمولی محنت اور آداب کا حامل ہو تو اس کا احترام کرنا چاہئے اور یہ بھی واضح کر دینا چاہئے کہ اس کو انہی اسباب کی بنا پر احترام کیا جا رہا ہے ۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو احترام اور زیادہ توجہ کا اظہار

کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسا کرنا طالب علم میں شوق ونشاط پیدا کرتا ہے نیز انہیں اس طرح کی صفات اپنانے پر ابھارتا ہے۔

۱۶۔ جب بہت سے طالب علم (تقاضائے تدریس کے سلسلے میں) اژدحام کرے تو استاد کو چاہئے کہ اسی (کوفقیت دے) جس نے سب سے پہلے تقاضا کیا ہے او جب تک دوسرے راضی نہ ہوں اس کو ایک سے زیادہ درس نہ دے۔ (اگر طالب علموں کا تقاضا کچھ اس طرح ہو کہ) کئی دروس ایک ہی کتاب سے دینا پڑے تو اس صورت میں ان کے اتفاق سے مختلف دنوں میں ہر ایک کے لئے تدریس کا آغاز کرے کہ جس کو تاسیم دروس کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مختلف دنوں میں دئے جانے والے دروس میں توضیح وبیان کے لئے ایک قسم کا شوق ونشاط پیدا ہوتا ہے جو دوسری صورتوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر وہ اطمینان رکھتا ہو کہ (ایک ہی دن میں کئی دفعہ تدریس سے بھی) اپنے اندر شوق ونشاط برقرار رہتا ہے تو اس صورت میں مذکورہ دروس کو اس انداز میں ترتیب دینا چاہئے جس طرح کتاب میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ لہذا (اگر کتاب فقہ کی ہو) تو عبادات کے دروس کو معاملات پر مقدم رکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے باوجود اگر وہ پہلے پہنچنے والے طالب، کو مقدم کرنے میں صلاح دیکھے کہ اس سے بعد میں آنے والے طالب علموں کو بھی پہل کرنے میں رغبت حاصل ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

استاد کا فرض بنتا ہے کہ نہ کسی کو اس کی باری سے پہلے پڑھائے اور نہ ہی اس کی باری کو تاخیر میں ڈالے سوائے یہ کہ ایسا کرنے میں کوئی مصلحت پائی جائے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اگر ایک گروہ اپنی باری کو دوسرے گروہ کے لئے بخش دے تو کوئی حرج نہیں اور اگر سبھی ایک ساتھ آئے (اور کہے ہمارا درس شروع کیا جائے) تو ان کے درمیان

قرعہ ڈالے کہ جس کی شروط انشاءاللہ اس کے مسائل کے ساتھ، تیسری قسم کی تیسری فصل میں تفصیلا بیان کردی جائیں گی۔

۱۷۔ اگر شاگرد، طلب علم کے سلسلے میں ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس کی اہلیت اور برداشت سے باہر ہو اور اس سے، اس کے دل شکنی کا خوف ہو تو استاد کو چاہئے کہ اس کو نرمی سے سمجھائے اور حضور ﷺ کی یہ حدیث یاددلائے کہ:

[لاتُکرِھُوا الٰی اَنفُسِکُمْ عِبادَۃً اِلیٰ اَنفُسِکُمْ عِبادَۃً]، فَاِنَّ الْمُنبَتَّ لا اَرضاً قَطَعَ وَلا ظَھراً اَبقیٰ.

بلاشبہ زیادہ روی کرنے والا نہ کسی مسافت کو طے کرسکتا ہے اور نہ اس کی پشت میں توان باقی رہتی ہے۔

اور اسی طرح کی دیگر نصیحتیں کرے جو اسے جدوجہد کے معاملے میں میانہ روی اور نرمی پر ابھارے۔

جب ان میں سے کسی میں خستگی، دل تنگی یا اس کے آثار نظر آئیں تو اسے آرام اور اپنی مشغولیتوں کو کم کرنے کی نصیحت کرے اور ایسی کتاب یا علم سیکھنے سے منع کرے جس کا، اس کا ذہن اور عمر متحمل نہ ہوں یا ان کو درک کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر کوئی ایسا شخص اُس سے علم (کے بارے میں) مشورہ لے جو کسی علم یا کتاب کے سیکھنے میں اپنے فہم اور حافظہ سے بے خبر ہو تو ایسے آدمی کو اس وقت تک مشورہ نہ دے جب تک کہ اس کے ذہن اور رویہ کی جانچ پڑتال نہ کرے۔ اور اگر اس کی صورتِ حال تعلیمی زمہ داریوں کا متحمل نہ ہو تو اسے ٹال دے اور کوئی مطلوبہ آسان علم سیکھنے کا مشورہ دے؛ اور اگر اس کا ذہن اور حافظہ درست اور مناسب ہو تو اسے کسی ایسی کتاب کا حوالہ دے جو اس کے فہم کے مطابق ہو ورنہ اسے

ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ طالب علم کو ایسی کتاب کی طرف راہنمای کرنا جو اس کے ذہن کی خوبی اور کمال کی نشاندہی کرتی ہو اس کی مزید فراخی اور شوق کا باعث بنتا ہے اور اس کے برخلاف (ایسی کتابوں کی طرف رہنمائی کرنا جو) اس کی کوتاہ ذہنی کی نشاندہی کرتی ہو (اس کی دل تنگی اور خستگی کا باعث بنتا ہے)۔

اور قادر نہ ہونے کی صورت میں طالب علم کو دو یا اس سے زیادہ علم میں مشغول نہ ہونے دے بلکہ جو جو علم اہم ہو اسی کو مقدم رکھتا جائے جیسا کہ انشاء اللہ جلد ہی بیان ہوگا۔ جب استاد کو معلوم ہو جائے یا اس بات کا قوی گمان ہو کہ شاگرد کسی خاص علم میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو اسے، متعلقہ علم کو چھوڑ کر کسی ایسے علم کی طرف راہنمائی کرے جس میں اس کی کامیابی کی امید ہو۔

۱۸۔ اگر متعلم کسی خاص علم کا ماہر ہو تو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ وہ طالب علم کے سامنے دوسرے علوم کی برائی بیان کرے چنانچہ جہالت کی وجہ سے بہت سے معلموں کے ساتھ ایسا اتفاق پیش آتا ہے کیونکہ انسان اس چیز کا دشمن ہوا کرتا ہے جسے وہ جانتا نہیں۔ جیسے عربی اور فلسفہ کے استاد کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ علم فقہ کو برا بھلا کہتا ہے اور علم فقہ کا استاد علم حدیث اور تفسیر وغیرہ کی برائی کرتا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اس سلسلے میں طالب علم کو دوسروں کے پاس علم سیکھنے کی بھی گنجائش دے۔ اور اگر اپنے پاس پائے جانے والے علم کا مرتبہ اس علم کے بعد ہو جو دوسرے کے پاس ہے تو اس صورت میں طالب علم کو اس شخص کے پاس بھیج دینا چاہئے جس کے علم کا مرتبہ مقدم ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور دینی علوم کی حفاظت کے اعتبار سے ایک فرض شناس معلم کے نہایت کمال کی بہترین دلیل ہے نیز متعلم کی نفسانی خوبیوں کا موجب ہے۔

۱۹۔ یہ ادب سب سے مہم ہے یعنی اپنے شاگرد کو اس بات پر اذیت نہ پہنچائے جب وہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسرے کے پاس بھی پڑھے کیونکہ ایسا کرنا ایک آفت ہے جس میں جاہل معلم اور وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو کند ذہنی اور غلط نیت کے سبب اپنے علم سے خدا کی رضایت نہیں چاہتے۔

اور اسطرح دشواریوں میں مبتلا ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم کے سلسلے میں خدائے کریم کی رضایت اور اس کے عظیم ثواب کا قصد نہیں کیا ہے۔ کیونکہ وہ معلم اس بات پر مامور ہے کہ وہ اپنے مالک کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچائے لہذا جب مالک کسی دوسرے بندے کو بھی پیغام پہنچانے کی غرض سے بھیج دے تو اس پہلے مبلّغ کو ناراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس طرح کے کاموں میں اظہار رضایت سے وہ اپنے مالک کی بارگاہ میں حقیر نہیں ہوتا بلکہ جب مالک اسے کسی ایسے عمل کو جو خواہ اسی کے ذریعے مطلوب ہو یا کسی دوسرے کے ذریعے، انجام دیتے ہوئے پاتا ہے تو اس کی قدر و قیمت اور مرتبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

لہذا معلم پر واجب ہے کہ جب طالب عم میں متعدد درس کو حاصل کرنے کے شوق اور صلاحیت کا مشاہدہ کرے اور وہ خود اس کے اس مقصد کو پورا نہ کر سکتا ہو تو اس کو پہلے اس شخص کی طرف بھیج دے جس کے پاس وہ پہلے پڑھ رہا ہے کیونکہ ایسا کرنا مکمل خیر خواہی اور مانتداری کی بات ہے بلکہ یہ ایسا کام ہے جو خود مجھے میرے بعض اساتید کے ساتھ مصر میں پیش آیا ہے۔ خدا اسے جزائے خیر عطا کرے۔

یہ سب اسی وقت ہے کہ دوسرا معلم جس کے پاس طالب علم درس پڑھنے جا رہا ہے، اہلیت رکھتا ہو، اور اگر وہ جاہل ہو اور اس کی طالب علم کو خبر نہ ہو، یا وہ فاسق اور کوئی بدعت

گزار معلم ہو یا اس قدر اس سے غلطیاں سرزد ہوتی ہوں کہ جو شاگرد میں نفسانی عیوب اور پستی پیدا کرے اور اس کا حاصل کیا ہوا علم اس کے لئے کارآمد ثابت نہ ہو جائے تو اس صورت میں دھوکہ کھانے سے بچاتے ہوئے اسے ٹوکنا اور خبردار کرنا بہتر ہوگا البتہ اس سے اس کو کامیاب بنانا مقصود ہو اور اللہ تو خراب کاروں اور مصلحوں کو خوب جانتا ہے۔

۲۰۔ جب طالب علم اپنی تعلیم مکمل کرے اور اس بات کی اہلیت پیدا کرے کہ وہ خود مستقل طور پر تعلیم کا سلسلہ شروع کرے اور مزید شاگردی سے بے نیاز ہو جائے تو معلم کے لئے مناسب ہے کہ اس سلسلے میں ان کے کاموں کا انتظام کرے اور محفلوں میں اس کی تعریف کرے اور دوسروں کو اس کے پاس علم سیکھنے پر ابھارے کیونکہ اس (نئے استاد) سے ناواقف لوگ مانوس نہیں ہوتے اگرچہ وہ خود تعلیم دینے کے بارے میں اقدام کرے تاہم دوسرے اس سے مطمئن نہیں ہوں گے جب تک اس سے آگاہ کوئی شخص اس کا تعارف نہ کرائے اور اس کی علمیت، تقوی اور عدالت ایسے اوصاف سے متعلق تفصیلا وضاحت نہ کرے، جن کو لوگوں کے اس کی شاگردی اختیار کرنے میں دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ استاد کا اپنے فارغ التحصیل شاگرد کی تدریس سے متعلق اقدام کرنا،، اصلاح اور علمی انتظام کا عظیم سبب ہوگا۔

چنانچہ اگر وہ کسی طالب علم کو مستقل بننے اور خود درس دینے کا شوقین پائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ ابھی اس طالب علم کا مرتبہ اس سے کہیں کم ہے اور اسے مزید علم سیکھنے کی ضرورت ہے، تو استاد کو چاہئے کہ اسے اس سلسلے میں ٹوک دے اور تنہائی میں اس کی مذمت کرے۔ پھر اگر ایسا کرنا اس کے لئے فائدہ نہ دے تو تو مناسب طریقے سے کھل کر اسے ٹوکے تا کہ وہ دوبارہ علم حاصل کرنے میں مشغول ہو اور کمال کو چھو سکے۔

یہ سب کام اس وجہ سے ہے کہ معلم کی شاگرد کے ساتھ وہی نسبت پائی جاتی ہے جو طبیب کو مریض سے ہے۔ لہذا استاد کو ہر وقت ان سباب پر غور فکر کرنا چاہیئے جن کی صحیح معنوں میں اصلاح اور معالجہ کی ضرورت ہے اور ہوشیار اور ذہین طالب علم کے بارے میں بھی ایسی تفصلات درکار ہیں جو یہاں ضبط تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں۔ کیونکہ ہر مقام پر اس کے مناسب گفتگو ہونی چاہیئے اور ہر مرض کی اس کے مطابق دوا ہونی چاہیئے (ہر سخنی موقعہ ای دارد و ہر نکتہ مقامی دارد)۔

....
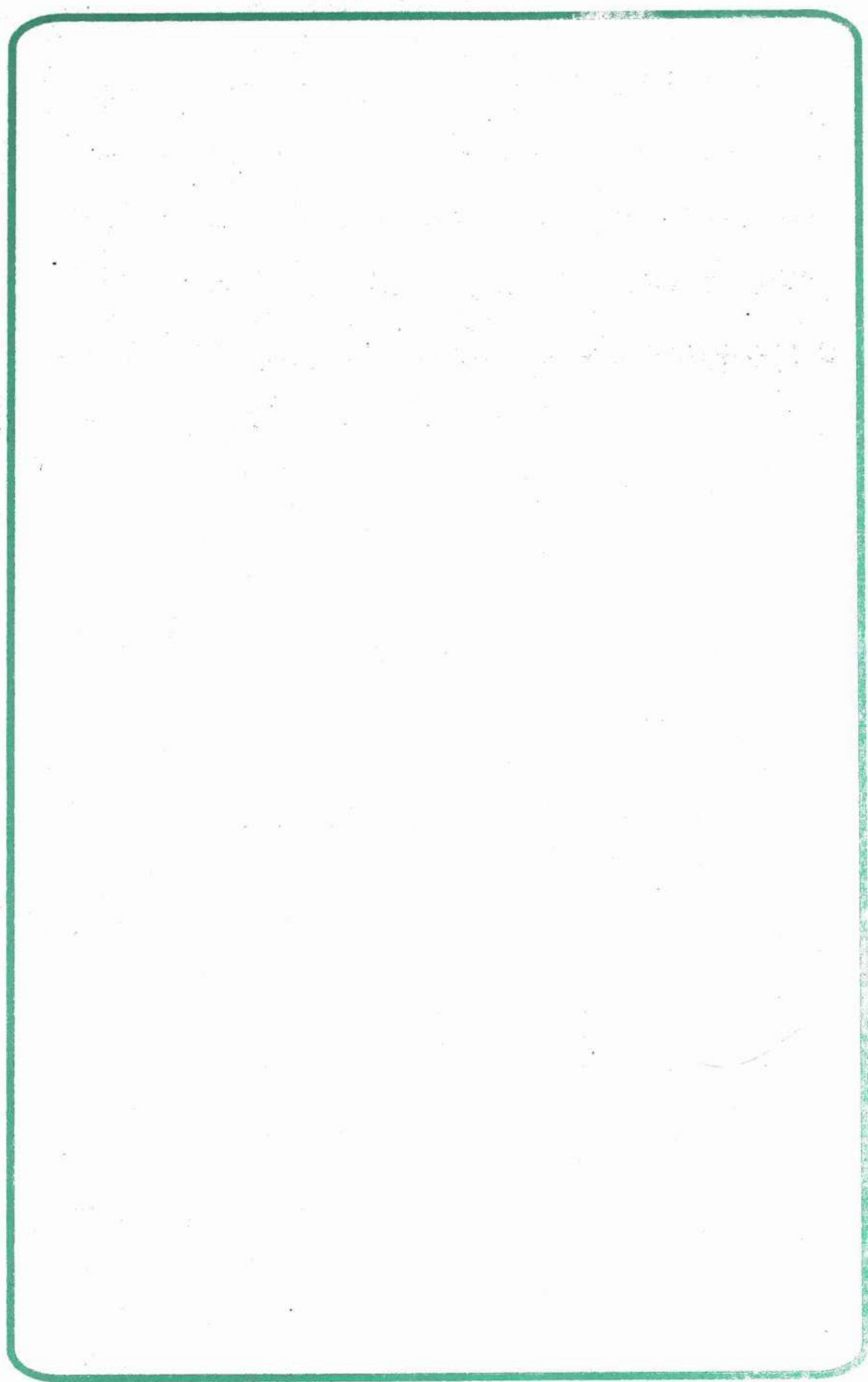
تیسری قسم

استاد کے اپنے درس سے متعلق آداب

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہے:

پہلا امر: استاد کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے درس پر مکمل تیاری اور لباس اور بدن کی صفائی اور ظاہری ڈول ڈیل کے اعتبار سے وقار اور سلیقے سے نکلے، اپنے لئے سفید کپڑوں کا انتخاب کرے کیونکہ یہ بافضیلت ترین لباس ہے۔ (زیادہ فاخرہ اور قیمتی کپڑوں کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ ایسے کپڑوں کو اپنائے جو وقار اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کا باعث ہو چنانچہ امام جمعہ اور دیگر محافل اور اجتماعات کے پیشواؤں کے بارے میں اسی طرح کے لباس پہننے سے متعلق نص پائی جاتی ہے۔

اصول کافی کی کتاب ''الزّینۃ والتّجمّل'' اور ''مروۃ'' میں اس سلسلے میں اس قدر اخبار صحیحہ پائی جاتی ہیں کہ جن میں مزید کسی اور بیان کی ضرورت ہی نہیں اور جن کے بارے میں بحث چھیڑنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

استاد کو چاہئے کہ ان کاموں کے ذریعے علم کی تعظیم اور شریعت کی توقیر قصد رکھے۔ اپنے اپ کو معطر کرے، داڑھی میں کنگی کرے اور ہر وہ چیز جو اس کے لئے عیب ہو خود سے برطرف کرے۔ بعض گزشتہ محدثین کے پاس جب لوگ حدیث کے طلب میں آتے تھے تو وہ پہلے غسل کرتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے اور باقاعدہ عبا اوڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتے تھے اور حدیث سے فارغ ہونے تک برابر دودھنی دی جاتی تھی اور کہتے تھے کہ میں (اس کے ذریعے) حدیث رسول ﷺ کی تعظیم کرتا چاہتا ہوں۔

دوسرا امر: جب درس کے ارادے سے نکلے تو پیغمبر اکرم ﷺ سے مروی یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنّی اَعوذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْاُضَلَّ، اَوْ اَزِلَّ، اَوْ اُزَلَّ، اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ، اَوْ اَجْهِلَ اَوْ يُجهِلَ عَلَیَّ، عَزَّجارُکَ، وَتَقَدَّسَتْ اَسماؤُکَ، وَجَلَّ ثَناؤُکَ، وَلا اِلهَ غَیرُکَ

خداوندا میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا گمراہ ہو جاؤں ، ظلم ڈھاؤں یا مجھ پر ظلم ڈھایا جائے، جہالت میں مبتلا کروں یا جہالت میں مبتلا ہو جاؤں، تیری ہی قربت عزیز ہے اور تیری ہی ثنا عظیم اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر کہے:

بِسْمِ اللهِ، حَسْبِیَ اللهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لاحَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیمِ، اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ جَنانی وَادِرِ الْحَقَّ عَلی لِسانی.

خدا کے نام سے، خدا ہی میرے لئے کافی ہے، میں نے خدا ہی پر بھروسہ کیا، کوئی طاقت وقدرت نہیں سوائے خدا کی طرف سے جو بلند وعظمت والا ہے۔ پروردگارا میرے دل کو مضبوط بنا اور میری زبان پر حق کو جاری فرما۔ یوں اپنی زبان پر ذکر خدا کو جاری رکھے

یہاں تک کہ اپنے درس کی مجلس میں پہنچ جائے۔

تیسرا امر: جب مجلس میں پہنچے تو حاضرین مجلس کو سلام کرے اور اگر مجلس درس، مسجد میں ہو تو وہاں دو رکعت نماز تحیہ ادا کرے ورنہ (یعنی اگر مقامِ درس مسجد کے علاوہ کہیں اور ہو تو) ان دو رکعتوں سے، یہ توفیق اور اہلیت عطا ہونے پر خدا کا شکر قصد کرے یا ان سے (ایمان کی) پختگی، اپنی تائید اور خطاؤں سے تحفظ طلب کرے یا بغیر کسی قصد کے مطلقا ان رکعتوں کو ادا کرے کیونکہ نماز ایک بہترین کام ہے الصَّلٰوۃُ خَیرُ موضُوعٍ۔ البتہ درس سے متعلق خصوصی طور ان دو رکعتوں کا استحباب ثابت نہیں ہے اگر چہ بعض علماء نے ان دو رکعتوں کو مستحب جانا ہے؛ پھر ان رکعتوں کے بعد توفیق و نصرت اور (خطاؤں سے) تحفظ کی دعا مانگے۔

چوتھا امر: وقار و متانت، تواضع اور خشوع اور نگاہیں جھکائے دو زانو ہو کر بیٹھے یا یہ کہ چار زانو ہو کر بیٹھے یا سرین کے بل اکڑو بیٹھے اور نہ دیگر انداز میں بیٹھے جو مکروہ ہیں۔ البتہ ایسا امکان کی صورت میں ہے۔ اور نہ ہی کسی عذر کے بغیر ٹانگوں کو پھیلائے اور نہ پہلو کی طرف نہ پیٹھ کی طرف سہارا لے۔ یہ سب حالتیں صرف درس کے دوران ہے اور غیر درس کی صورت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ طلبہ اس کی اولاد کے مرتبہ پر ہوتے ہیں۔

پانچواں امر: ایک قول کی بنا پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھے کیونکہ اس میں فضیلت پائی جاتی ہے نیز حضور ﷺ کا فرمان ہے:

خَیرُ الْمَجالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهَا . بہترین بیٹھنا قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا ہے۔ (منیۃ المرید ص ۲۰۶، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا قبلے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا مستحب ہے تا کہ رو بہ قبلہ

ہونا طلبہ ہی کے لئے مخصوص رہے کیونکہ ان کی اکثریت ہوتی ہے اور اسی طرح ہی ان لوگوں کو بھی چاہئے جو درس کو سننے کی غرض سے بیٹھ جاتے ہیں۔

اسی طرح ہی جواہر الکلام کی ''کتاب القضاء'' کے قاضی سے متعلق مستحبات کے باب میں نقل ہوا ہے مگر یہ کہ وہاں کچھ اور خصوصیت کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ طرفین کو رو بہ قبلہ ہونا چاہئے تا کہ غلط بیانی اور قسم کھانے کے سلسلے میں ان پر مزید خوف اور رعب طاری ہو البتہ اس سلسلے میں کوئی خاص نص نہیں پائی جاتی۔

چھٹا امر: درس شروع کرنے سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے نکلتے وقت ہی یہ نیت کرے: علم سکھانا اور اس کو نشر کرنا، شرعی دستورات کا پرچار اور احکام دین کی تبلیغ کرنا جس پر اسے امین بنایا ہے اور اس کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مذاکرہ کے ذریعے علم میں اضافہ کرنا، صحیح بات کا اظہار اور حق کو اپنانا، ذکر خدا کے لئے اکٹھا ہونا اور علمائے متقدمین اور صلحائے ما سلف کے لئے دعا کرنا وغیرہ جیسے دیگر مقاصد کی نیت کرے۔ کیونکہ اس طرح کے اہداف کو ذہن میں رکھنے اور ان کی کثرت سے اس کے عمل کا ثواب میں اضافہ ہوتا رہے گا چونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ نیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کہنے لگے: میں فلاں کام فلاں غرض سے کرتا ہوں اور اس کے لئے خاص الفاظ پائے جاتے ہوں بلکہ نیت سے مراد اپنے نفس کو کسی خاص فعل پر ابھارنا اور اس کا پختہ عزم کرنا ہے تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کا تقرب حاصل کرے۔ حتیٰ کہ اگر وہ خاص الفاظ کے ذریعے کہہ بھی دے کہ میں یہ کام خدا کے لئے کرتا ہوں جبکہ خدا اس سے خوب آگاہ ہے کہ اس کا دل غیر خدا کا قصد رکھتا ہے جیسے محفلوں میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا، شہرت چاہنا اور اپنے جیسوں اور رقیبوں میں اہمیت جتانا؛ تو اس صورت میں وہ خدا کو دھوکہ دینے والا اور لوگوں کے سامنے

خود نمائی کرنے والا ہوگا۔ اور اللہ تو اس کی غلط نیت اور اس کی باطنی آلودگیوں کو خوب جانتا ہے۔ لہذ وہ ان گناہوں کی بنا پر عذاب کا مستحق ہو جائے گا اگر چہ ظاہر میں وہ عبادت بجالا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے اور ہمیں قول و قرار میں پختہ بنائے نیز اپنے فضل و مہربانی سے ہماری نیتوں اور مقاصد کو خالص قرار دے۔

ساتوں امر: معلم کو چاہئے کہ امکان کی صورت میں ہمیشہ ایک ہی انداز میں بیٹھا کرے، (درس کے دوران) اپنے بدن کو زیادہ حرکت پانے اور کھسکتے ہوئے آگے پیچھے جانے سے روکے رکھے، ہاتھوں کو بھی بیہودہ حرکتوں اور انگلیوں کو جھکڑنے سے باز رکھے نیز (طلباء پر) نگاہ کرنے میں بھی بلا وجہ فرق نہ کرے۔

زایادہ مذاق کرنے سے گریز کرے کیونکہ زیادہ مذاق، رعب اور احترام کو کم اور دلوں سے شان وعزت کو ختم کر دیتا ہے۔ البتہ تھوڑا مذاق کرنا تو پسندیدہ امر ہے چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ اور آپؐ کے بعد ائمہ ہدیٰ ؑ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔ اس سے قریب سے قریب مرحلہ ہنسنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ ہنسا کرتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک بھی نظر آتے تھے لیکن اونچی آواز میں نہیں ہنستے تھے۔ ہنسنے میں میانہ روی تبسم ہے۔

آٹھواں امر: ایک ایسی جگہ بیٹھا کرے کہ جہاں سے اس کا چہرہ تمام حاضرین کو دکھائی دے اور اپنے خطاب کے حسب ضرورت سب پر خاص توجہ رکھے۔ ان میں سے جو اس سے سوال یا کسی پہلو پر گفتگو کرے اس پر مزید توجہ دے اگر چہ وہ چھوٹا اور رتبے میں کمتر ہو۔ کیونکہ صرف بڑے لوگوں پر توجہ رکھنے والا جابروں اور ریاکاروں کا کام ہے۔ حاضرین میں سے پڑھنے والا، بحث کرنے والے کا حکم رکھتا ہے لہذا اس کے درس سے متعلق خاص

توجہ دینی چاہئے ،اس کے علاوہ دوسروں سے خطاب کرنے اوران کی طرف دیکھنے میں ، ان کے حالات اورسوالات کومدنظر رکھے۔

نواں امر: دوسروں کی بہ نسبت حاضرین سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے۔ ان میں سے جوعلم ،عمر،صلاحیت یاشرف وغیرہ کے حوالے سے فضیلت رکھتا ہواس کی توقیر واحترام کرے اورانہیں، مراتبِ امامت کے اعتبار سے آگے بٹھائے اور دوسروں کے ساتھ لطف وشفقت کے ساتھ پیش آئے۔ان کواچھے انداز میں سلام کرے، گشادہ روئی، بشاشت اورمسکراہٹوں کے ساتھ عزت افزائی کرے نیز ان کے احترام میں کھڑے ہو جائے اوراس سلسلے میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی ،اگرچہ بعض اخبار سے اس کے بارے میں وہم پیداہوتا ہے لیکن اس کی تحقیق کا یہاں محل نہیں۔

دسواں امر: درس وتدریس شروع کرنے سے پہلے تبرک وتیمّم کے طور پر قرآن میں سے مختصر تلاوت کرے،اس کے بعداپنے اورسامعین کے لئے نیزتمام مسلمانوں کے حق میں دعا کرے پھر اللہ کی ، شیطان مردود سے پناہ مانگے۔اللہ کا اسم مبارک لے اس کی ستائش کرے،اور پیغمبر اکرم ﷺ ،آپؐ کے اہل بیت ؑ اور اصحاب پر درود وسلام بھیجے۔پھر علمائے متقدمین اور صلحائے ماسلف خصوصا اپنے اساتید ، والدین اور حاضرین کے حق میں دعا کر مانگے اور اگر درس مدرسہ وغیرہ میں ہوتو ان کے واقفین کے لئے دعا کرے۔

ان امور کے بارے میں اگرچہ خاص نص پائی نہیں جاتی لیکن اس میں اجرعظیم اور برکت پائی جاتی ہے نیز درس وتدریس کی جگہ قبولیٔ دعا کا مقام ہوتا ہے اوراس میں گزشتہ علماء کی اقتداء بھی ہے کیونکہ وہ انہی باتوں پرعمل کیا کرتے تھے۔بعض علماء نے اس دعا کو

انہیں آداب کے ضمن میں نقل کیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعوذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ، اَوْ اَزِلَّ، اَوْ اُزَلَّ، اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ، اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ. اَللّٰھُمَّ انفَعْنِی بِمَا عَلَّمْتَنِی، وَعَلِّمْنِی مَا یَنْفَعُنِی، وَزِدْنِی عِلْماً. وَالْحَمْدُلِلّٰهِ عَلیٰ کُلِّ حالٍ.

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعوذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لا یَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لایَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لاتَشْبَعُ وَ مِنْ دُعاءٍ لا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لا یَشْبَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعاءٍ لایُسْمَعُ[وَمِنْ عَمَلٍ لا یَنْفَعُ]

خداوندا میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا گمراہ ہو جاؤں، ظلم ڈھاؤں یا مجھ پر ظلم ڈھایا جائے، جہالت میں مبتلا کروں یا جہالت میں مبتلا ہو جاؤں، خدایا میرے لئے منفعت بخش قرار دے اس چیز کو جو تو نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے اس چیز کی تعلیم دے جو مجھے فائدہ پہنچائے اور میرے علم میں اضافہ فرما، شکر اللہ کا ہے ہر حال میں۔ پروردگارا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو فائدہ نہ دے، اور ایسے دل سے جو (تیرا) خوف نہ رکھے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے [اور ایسے عمل سے جو فائدہ نہ دے]۔(منیۃ المرید ص۲۱۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اور بعض علما (درس و تدریس سے پہلے تلاوت کے لئے) سوۃ اعلیٰ کو انتخاب کرتے تھے اور اس میں موجود خدا کے (نورانی) جملوں جیسے اَلْاَ عْلیٰ، قَدَّرَفَھَدیٰ، سَنُقْرِئُکَ فَلا تَنسیٰ، اسی طرح یہ قول خداوندی فَذَکِّرْ اور صُحُفِ اِبْرَاھِیمَ وَمُوسیٰ وغیرہ کو فال نیک سمجھتے تھے۔(سورہ اعلی)

روایت میں آیا ہے کہ اگر کوئی کسی اجتماع میں شریک ہو کر دعا کرنا چاہے تو اس میں یہ

دعا بھی ہونی چاہئے:

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنا مِنْ خَشْیَتِکَ ما یَحُولُ بَیْنَنا وَبَیْنَ مَعْصِیَتِکَ، وَمِنْ طاعَتِکَ ما تُبَلِّغُنا بِه جَنَّتَکَ ، وَمِنَ الْیَقِینِ مَا تُهَوِّنُ بِه عَلَیْنا مَصائِبُ الدُّنیا

اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنا بِاَسْماعِنا وَاَبْصارِنا وَقُوَّتِنا مَا اَحْیَیْتَنا، وَاجْعَلْها الْوارِثَ مِنّا، وَاجْعَلْ ثارَنا عَلیٰ مَنْ ظَلَمَنا، وَانْصُرْنا عَلیٰ مَنْ عادانا وَلا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنا فِی دِینِنَا، وَلا تَجْعَلْ دُنْیانا اَکْبَرَ هَمِّنا وَلا مَبْلَغَ عِلْمِنا وَلا تُسَلِّطْ عَلَیْنا مَنْ لَّا یَرْحَمُنا بِرَحْمَتِکَ یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ.

خداوندا! اپنے خوف میں سے وہ حصہ ہماری قسمت فرما جو ہمارے اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے ، اور اپنی اطاعت میں سے جو ہمیں تیری جنت میں پہنچائے ، اور یقین میں سے جس کے ذریعے دنیا کے مصائب اور مشکلیں آسان ہوں۔ پروردگارا! ہمیں سماعت، بینائی اور قوت سے بہرہ مند فرما جب تک تو زندہ رکھے ، اور اسے ہماری ارث قرار دے (یعنی نس در نسل منتقل ہوتا جائے) ، ہمارے خون کو، ہم پر ستم ڈھانے والوں کے خلاف (حجت) قرار دے ہمارے دشمنوں سے ہماری نصرت فرما، ہماری مصیبت کو ہمارے دین میں قرار نہ دے، دنیا کو ہی ہمارا ہم وغم قرار نہ دے اور نہ اسے ہمارے علم کی نہایت کوشش قرار دے اور ہم پر ایسا (حاکم) مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۔ (منیۃ المرید ص ۲۱۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

گیارھوں امر: معلم کو چاہئے کہ طالب علمکو سمجھانے کے سلسلے میں سب سے آسان طریقہ اختیار کرے اور جہاں تک ہو سکے ایسے خوبصورت الفاظ استعمال کرے جو بلیغ اور واضح ہوں۔ جو مطالب پہلے بیان کرنے کے لائق ہوں انہیں پہلے بیان کرے اور جن کو

بعد میں بتانے کی ضرورت ہو انہیں بعد میں بیان کرے۔ان مقدمات کو بھی ترتیب سے پیش کرے جن پر کیجانے والی بحث موقوف ہو۔ جہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہو ٹھہرے، جہاں ملا کر پڑھنے کی ضرورت ہو وہاں ملا کر پڑھے، ضرورت کی صورت میں مشکل الفاظ اوران کے معانی کو حاضرین یاان میں سے بعض کے لئے دہرائے۔اور جب مسئلہ بیان کرنے سے فارغ ہو جائے تو کچھ لمحوں کے لئے خاموش رہے تاکہ جن کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو اسے پوچھے۔

درس میں دین سے متعلق کوئی شبہ ذکر نہ کرے اوراس سلسلے میں جواب کو کسی اور درس پر نہ چھوڑے بلکہ یا تو دونوں کو بیان کردے یا دونوں کو بعد میں رکھے۔ خاص طور پر جب درس میں عام و خاص اور ایسے افراد پائے جاتے ہوں جن کے دوبارہ اس مقام پر آنے کا احتمال نہ ہو کیونکہ اس صورت میں (یعنی اگر سوال و جواب دونوں ایک ہی درس میں نہ ہوں) تو ایسے افراد کے ذہن میں سوال اور شبہ تو پیدا ہوں گے لیکن ان شبہات اور سوالوں کا انہیں جواب نہیں ملے گا جو کہ ان کے فساد کا باعث ہوگا۔

بارھواں امر: اگر درس متعدد ہوں تو انہیں، ان کے شرف اور اہمیت کی بنیاد پر ایک دوسرے پر مقدم کرے۔ بنا براین سب سے پہلے اصول دین، پھر تفسیر، پھر حدیث، پھر اصول فقہ، پھر فقہ پھر نحو، اوراس کے بعد علم معانی اوراسی طرح باقی علوم بھی ان کی مرتبت اوراہمیت کے اعتبار سے مقدم ہوں گے۔انشاءاللہ علوم کی ترتیب کے بارے میں اسی سنے مخصوص باب میں ذکر ہوگا۔

تیرھواں امر: اپنے درس کی مجلس کواس قدر طول نہ دے جس سے طلباء اکتا جائیں اور وہ درس کے سمجھنے یاانہیں لکھنے سے رہ جائیں۔ کیونکہ (استاد کا) اصل مقصدان کو سمجھانا یاان

تک مطالب کو پہنچانا ہوتا ہے تو جب ان کا ایسا حال ہوگا تو استاد کا اصل ہدف جاتا رہے گا۔

اور نہ درس کو اس قدر مختصر کرے کہ جس سے بعض مطالب کے بیان یا انہیں سمجھنے اور درک کرنے میں خلل پیدا ہو کیونکہ اس سے درس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ درس کو مختصر اور طولانی کرنے میں فہم و درک کے لحاظ سے حاضرین کی مصلحت اور منفعت کو مدنظر رکھنا چاہئے اور اگر طلباء اہلیت رکھتے ہوں تو تمام اقسام اور شقوق کو پورا پورا بیان کرے۔

چودھواں امر: اگر ذہن کو پریشان کرنے اور فکر کو تشویش میں ڈالنے والے موانع پیش آئیں جیسے بیماری، بھوک، پیاس، پیشاب وغیرہ کو روکے رکھنا، شدت خوشی یا غم، غصہ، نیند، اداسی اور نقصان دہ سردی گرمی وغیرہ؛ تو ایسی صورت میں درس میں مشغول نہیں ہونا چاہئے تاکہ بحث کے پورے مطالب پہنچانے میں کوتاہی پیش نہ آئے یا کہیں غلط رائے اور غلط فتوی نہ دے۔

پندرھواں امر: اس کی مجلس میں حاضرین کو تکلیف پہنچانے والی چیزیں مثلاً دھواں، گرد وغبار، پریشان کن آواز اور ایسی دھوپ جو شدید گرمی کا باعث ہو وغیرہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ مجلس وسیع اور ہر اس چیز سے پاک اور محفوظ ہونی چاہئے جو فکر اور نفس کو درس کے سمجھنے سے دور رکھے یا تشویش میں ڈالے۔

سولھواں امر: دن ہو تو وقتِ درس کو پہلے اور بعد میں رکھنے کے سلسلے میں اپنی جماعت کی مصلحت کو مدنظر رکھے البتہ اگر اس کے لئے کوئی مجبوری اور مزید زحمت نہ ہو۔ کیونکہ مجبوریوں اور ضروری کاموں میں مناسب وقت میں مطالعہ اور تصنیف بھی شامل ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب ایسے کاموں میں مشغول ہونا تدریس سے زیادہ بہتر ہو۔

سترھواں امر: اپنی آواز کو ضرورت سے زیادہ اونچی نہ کرے اور نہ اس قدر دھیمی رکھے

جو بعض کو اچھی طرح سنائی نہ دے۔ پیغمبر اکرم ﷺ سے مروی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّوْتَ الْخَفِیضَ وَیُبْغِضُ الصَّوْتَ الرَّفِیعَ.

یقیناً اللہ دھیمی آواز کو دوست رکھتا ہے اور اونچی آواز سے نفرت کرتا ہے۔ (تذکرۃ السامع ص ۳۹)

مناسب یہ ہے کہ اس کی آواز مجلس سے تجاوز نہ کرے اور نہ حاضرین کو سنائی دینے میں دشواری ہو۔ اگر حاضرین میں کوئی اونچا سننے والا ہو تو آواز اسقدر اونچا کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اس کو سنائی دے اور اس سلسلے میں فضیلت پر مشتمل احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔

اٹھارھواں امر: استاد کو چاہئے کہ اپنی مجلس کو لغزشوں سے بچائے رکھے کیونکہ غلطیاں لغزش ہی کے نتیجے میں سرزد ہوتی ہیں نیز اونچی آواز میں بولنے اور مباحثہ میں بے ادبی کرنے، موضوعِ بحث سے نکلنے اور ایک مسئلے کو ختم کئے بغیر دوسرے مسئلے کی طرف جانے سے بھی روکے رکھے۔ پس اگر سوال کرنے والوں میں سے کسی میں ایسے آثار نظر آئیں تو نرمی سے اسے ٹوکے اس سے پہلے کہ ایسی حرکت دوسروں میں بھی منتقل ہو جائے اور ذہنوں کو تشویش میں ڈالے۔ جماعت کو ایسی حرکتوں کے مضر اثرات سے آگاہ کرتا رہے۔ اور اس سے صرف، اظہار حق، منفعت وصفا، نرمی اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے لئے دلوں کو یکجا کرنا مقصود ہو نیز اسے چاہئے کہ انہیں کج بحثی، تکبر اور بغض وعداوت کی مذمت میں مروی روایات یاد دلاتے رہے، مخصوصاً ایسے لوگوں کی مذمت پر مشتمل روایات جو اپنے آپ کو عالم کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا عداوت اور بغض کا باعث بنتا ہے جو ذہنی تشویش اور دین کی بربادی کا موجب ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کا اجتماع

خالص خدا کے لئے ہوتا کہ اس سے دنیا کا فائدہ اور آخرت کی سعادت حاصل ہو۔

انیسواں امر: ایسے طالب علم کو ڈانٹے جو اپنی بحث میں تجاوز کرے یا خود استاد سے کج بحثی اور بے ادبی کرنے لگے یا حق ظاہر ہونے کے باوجود بے انصافی کا مرتکب ہو، یا یہ کہ چیخے چلائے، یا حاضرین اور غیر حاضر افراد کے بارے میں بے احترامی کا مظاہرہ کرے یا مجلس میں اس شخص سے اپنی آواز کو اونچا کرے جو اس سے بہتر ہو یا سونے لگے یا دوران درس دوسروں سے نامناسب باتیں کرے، یا ہنسے یا کسی کا مذاق اڑائے یا کوئی ایسی حرکت کرے جو طالب علموں کی محفل کے منافی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں انشاء اللہ تفصیل پیش کر دی جائے گی۔

یہ سب باتیں اس وقت ہیں کہ (ٹوکنے پر) ان کے مَفسدوں میں مزید اضافہ نہ ہو۔ یہ امر، ان گزشتہ امور سے مختلف ہوگا جو ان کو ڈانٹنے اور انہیں بری عادتوں سے روکنے کے سلسلے میں تھے۔ کیونکہ یہ ادب خاص طور پر درس کے بارے میں ہے اور وہ امور ان کی ذات اور شان سے متعلق تھے۔ اگر چہ یہ امور، ان کی ذات سے مربوط آداب کے ذیل میں بھی شامل کئے جا سکتے تھے مگر یہ کہ ان کی شخصیت اور شان کے پیش نظر ان کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

بیسواں امر: ہمیشہ ان سے ہمکلام ہونے اور ان کے سوالوں کو توجہ سے سننے کے معاملے میں شفقت اور نرمی اختیار کرنا چاہئے جب کوئی طالب علم اپنے اشکال کو بیان کرنے یا کسی عبارت کی تحریر سے، شرم یا الفاظ میں واقع کوتاہیوں کی بنا پر رہ جائے تو پہلے تو استاد کو چاہئے کہ اس طالب علم کی مراد کو بیان کرے اور پھر وہ وجہ اور سبب بھی بتائے جس کی بنا پر عبارت پر اشکال وارد ہو رہا ہے اور اس کے بعد اپنے علم کے مطابق اس کا جواب بھی

دے۔

اگر استاد کو شاگرد کے مقصود کے بارے میں شبہ ہو جائے تو اس سے ان امور کے بارے میں سوال کرے جن میں اس کے مقصود ہونے کا احتمال پایا جاتا ہو۔ مثلا اس سے کہے، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں؟ اگر ہاں کہے تو اس کا جواب دے ورنہ دوسرا احتمال پیش کرے۔

اگر وہ کسی ناچیز اور آسان بات سے متعلق سوال کرے تو اس پر نہیں ہنسنا چاہئے اور نہ سوال کرنے والے کی تحقیر کرے کیونکہ اس طرح کی باتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ اسے یہ یاد دلائے کہ پہلے تو سبھی ایسے ہی تھے پھر بعد میں سیکھا اور سمجھا ہے۔

اکیسواں امر: کوئی اجنبی اس کے پاس آئے تو اس سے اظہار محبت کرے اور کھل کر بات کرے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ کیونکہ نئے آنے والے پر ایک رعب بیٹھ جاتا ہے خصوصا علماء کے حضور میں۔ اجنبی جان کر بار بار اس کی طرف نگاہ نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا اس کی شرمندگی کا باعث ہوگا جو اس کے درس و بحث میں شرکت کیلئے مانع ہوگا بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو۔

بائیسواں امر: اگر کوئی فاضل اس وقت مجلس میں پہنچے جبکہ وہ مسئلے پیش کر رہا ہو تو اس وقت تک ٹھہرے رہے جب تک وہ بیٹھ جائے اور اگر ہو اس وقت آئے کہ جب اس مسئلے پر بحث شروع ہو چکی ہو تو اسے دوبارہ دہرائے یا اس کا خلاصہ اور لب ولباب اس کے لئے بیان کرے۔ اور اگر وہ ان لمحوں میں پہنچے جبکہ درس ختم ہونے والا ہو اور ابھی طلباء کھڑے نہ ہوئے ہوں تو اس کے مجلس میں پہنچنے تک ٹھہرے رہے اور بقیہ درس کو تاخیر میں ڈالے تاکہ اس آنے والے کو اپنے بیٹھتے ہی دوسروں کے کھڑے ہونے پر شرمندگی نہ ہو۔

تیئسواں امر: یہ بہت ہی مہم ادب ہے اور وہ یہ کہ جب کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جس کا اسے علم نہ ہو یا درس میں ہی کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جسے وہ جانتا نہ ہو تو یوں کہہ دینا چاہئے کہ: اس بات کا مجھے علم نہیں، یا میں نے اس پر تحقیق نہیں کی ہے یا میں نہیں جانتا حتی کہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں اس سلسلے میں دیکھوں گا۔ اس سلسلے میں تکبر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس چیز کا علم نہیں اس کے بارے میں ''میں نہیں جانتا خدا ہی بہتر جاننے والا ہے'' کہہ دینا بھی عالم کے علم کا حصہ ہے

حضرت علیؑ نے فرمایا:

اِذاسُئِلتُم عَمّا لاتَعلَمُونَ فَاهرَبُوا،قالُوا :وَکَیفَ الهَرَبُ؟ قالَ : تَقُولُونَ:اَللّٰہُ اَعلَمُ .

جب تم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے جن کا تمہیں علم نہیں تو فرار کرو۔ عرض کیا گیا: کیسے فرار کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: کہا کرو کہ خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔

(منیۃ المرید ص ۲۱۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا:

ما عَلِمتُم فَقُولُوا. وَمالَم تَعلَم فَقُولُوا: "اَللّٰہُ اَعلَمُ" اِنَّ الرَّجُلَ لَیُسرِعُ بِالآیَۃِ مِنَ القُرآنِ ،یُخِرُّ فِیھا اَبعَدَ مَابَینَ السَّماءِ وَالاَرضِ

جس چیز کے بارے میں تم کو علم ہو اس کو بیان اور جس کا تمہیں علم نہ ہو تو کہہ دو خدا ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ آدمی تو اس طرح جلدی سے آیت قرآن (کا مطلب) بیان کرنے لگتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ زمین و آسمان کے فاصلے سے کہیں دور جا نکلتا ہے۔ (منیۃ المرید ص ۲۱۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

زرارہ بن اعین نے کہا:

سَألتُ اَبَاجعفرٍ عَلیهِ السَّلامُ: مَا حقُّ اللهِ عَلی العِبادِ؟ قَالَ: اَنْ یقُولُوا مَایَعْلَمُونَ، وَیقِفُوا عِنْدَ مَایَعْلَمُونَ.

میں نے امام جعفر صادق - سے سوال کیا: اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ: اس چیز کو بتانا جس کا علم ہے اور جس چیز کا علم نہیں وہاں ٹھہر جائے۔ (اصول کافی ج۱ ص۴۳ کتاب فضل العلم)

نیز آپ ہی سے مروی ہے:

اِنَّ اللهَ خَصَّ عِبَادَهُ مِنْ کِتَابِهِ: اَنْ لَّا یقُولُوا حَتّٰی یعْلَمُوا، وَلَا یرُدُّوا مَالَمْ یعْلَمُوا. قال اللهُ تعالیٰ: اَلَمْ یؤْخَذْ عَلَیهِمْ میثاقُ الْکِتابِ اَنْ لا یقُولو عَلَی اللهِ اِلّا الْحَقَّ.

بَلْ کَذَّبُو بِما لَمْ یحِیطُو ا بِعِلْمِه وَلَّما یاْتِهِمْ تاْ ویلُهُ.

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن میں دو آیتوں سے خاص کیا ہے: جب تک علم نہ ہو نہ بولے اور جس چیز کو نہ جانتا ہو اسے غلط قرار نہ دے۔ قول خداوندی ہے:

کیا ان سے کتاب کے بارے میں عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے؟ (اعراف/۱۶۸):

نیز: بلکہ انہوں اس چیز کو جھٹلا دیا ہے جس پر ان کا علم احاطہ نہیں رکھتا، جبکہ ان کے پاس اس کی تاویل (اور حقیقت) آچکی ہے۔ (یونس/۳۹)

ابن عباس ÷ سے منقول ہے:

اِذاتَرکَ الْعِالِمُ "لا اَدرِی" اُصیبَتْ مَقَاتِلُهُ

جب عالم ''لاَ اَدْرِی'' (میں نہیں جانتا) کہنا چھوڑ دیگا تو اس کی موت کا سامان مہیا ہے۔

ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے: جب تم میں سے کسی سے اس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جسے وہ نہیں جانتا ہو تو اسے کہہ دینا چاہئے: ''میں نہیں جانتا'' کیونکہ ایسا کہنا ہی علم کا ایک تہائی حصہ ہے۔ ایک اور قول میں ہے: ''لااَدرِی'' علم کا ایک تہائی حصہ ہے

بعض فضلاء نے کہا ہے کہ عالم کیلئے سزاوار ہے کہ وہ ''لااَدرِی'' کو اپنے اصحاب میں ارث کے طور پر چھوڑے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرے تا کہ ان پر ایسا بولنا آسان ہو اور وہ اس کے عادی ہو جائیں چنانچہ بوقت ضرورت وہ بھی بولنے لگیں۔

کسی اور نے یوں کہا ہے: لااَدرِی کہنا سیکھ کیونکہ اگر تم ''لااَدرِی'' کہو گے تو لوگ تمہیں سکھائیں گے یہاں تک کہ تم سیکھ جاؤ گے اور اگر تم کہو گے میں جانتا ہوں تو لوگ تم سے پوچھتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم نہ جانو۔

جان لو! کہ عالم کا ''لااَدرِی'' کہنا اس کے رتبے میں کمی نہیں ہونے دیتا بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں سے لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت کو بڑھاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایک کرم ہے نیز ایسا کہنا اس کو ہمیشہ کے لئے حق کے راستے پر گامزن کرتا ہے اور یہ اس کی شخصیت، تقوی اور کمال معرفت کی واضح دلیل ہے، اور چند ایک مسائل کے نہ جاننے سے اس کی معرفت پر کوئی آنچ نہیں آتا۔

''لااَدرِی'' کہنے سے اس کے تقوی اور پرہیز گاری کو ثابت کیا جاتا ہے اور یہ کہ وہ بیہودہ فتویٰ نہیں دیا کرتا کیونکہ پوچھے جانے والا سوال سائل کے پیچیدہ سوالوں میں سے

ہوا کرتا ہے۔ ''لَا اَدرِی'' کہنے سے وہ شخص باز رہتا ہے جس کا علم کم اور تقوی صفر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے گرنے کا خوف رکھتا ہے اور یہ تو بجائے خود ایک قسم کی جہالت ہے کیونکہ اس نے اُس چیز سے متعلق جو وہ نہیں جانتا، جواب دیکر ایک عظیم گناہ کو اپنی گردن میں ڈال دیا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے اس قصور کو ٹال نہیں سکتا بلکہ اس سے اپنی کوتاہی اور کم علمی کو ثابت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کے قصور کو، دین کے معاملے میں غلط بیانی پر جرأت کے سبب دوسروں پر ظاہر کرے گا تا کہ حدیث قدس میں مذکور اس جملے کو ثابت کرے: [مَا مِنْ عَبدٍ اِلَّا وَلَهُ جَوَّانِیّ و بَرَّانِیّ، فَمَنْ اَصْلَحَ جَوّانِیَّهُ اَصْلَحَ اللهُ بَرَّانِیَّهُ] وَمَنْ اَفْسَدَ جَوَّانِیَّهُ اَفْسَدَ اللهُ بَرَّانِیَّهُ.

[ہر بندے کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے تو جو اپنے باطن کی اصلاح کرے خدا اس کے ظاہر کی اصلاح فرمائے گا] اور جو اپنے باطن کو خراب کرے گا تو اللہ اس کے ظاہر کو خراب کرے گا۔ (مشکواۃ الانوار/۳۲۱)

یہ بات واضح ہے کہ جب اکثر اوقات محققین ''لَا اَدرِی'' کہتے ہوئے دکھائی دیں گے تو اس سے ان کی دینداری اور تقوی معلوم ہو جاتا ہے جبکہ یہ بے چارہ کبھی ایسا نہیں کہتا، کیونکہ وہ اپنی کم علمی اور دین سے نا آشنائی کی بنا پر فضول گوئی کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسی گھڑے میں گر جاتا ہے جس سے وہ بچنا چاہتا تھا اور اپنی بد نیتی اور بے خبری کے سبب بری صفت کا حامل ہو جاتا ہے جس سے وہ گریز کرنا چاہتا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُتَشَبِّع بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثُوبَیْ زُورٍ .

اس چیز پر جو نہ دی گئی ہو، شکم سیری کا اظہار کرنے والا جھوٹ کے دو لبادے اوڑھنے

ولاے کی طرح ہے (جو بظاہر خوشنما اور اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے)۔

اللہ تعالی نے علماء کو حضرت موسی اور خضر + کے قصے کے ذریعے ادب سکھایا ہے کہ جب حضرت موسی - نے سائل کے اس سوال: ''کیا آپ سے بھی زیادہ جاننے والا کوئی ہے؟'' پر علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا (اور یوں نہیں کہا کہ سب سے زیادہ جاننے والا خدا کی ذات ہے؛ تو خدا نے ان کی تأدیب ان آیتوں سے فرمائی جو حضرت موسیٰؑ کی نہایت پستی اور حضرت خضرؑ کے نہایت عظمت کو واضح کرتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم اس کتاب میں قصوں سے متعلق بھی کچھ نکات ذکر کریں گے۔

چوبیسواں امر: اگر کبھی ایسا اتفاق پیش آئے کہ اپنے بیان یا دئے گئے جواب کے حق ہونے میں شک پیدا ہو، تو حاضرین کے منتشر ہونے سے پہلے ہی انہیں اس سلسلے میں آگاہ کرے، اس سلسلے میں حیاء وغیرہ مانع نہیں ہونا چاہئے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس امّارہ اسے کسی اور وقت تک تاخیر میں ڈالنے پر مجبور کرے کیونکہ ایسا کرنا نفس اور شیطان ملعون کی فریب کاریوں میں سے ہے۔

نیز اس طرح حقیقت کو واضح کرنے میں پہل نہ کرنے میں کئی جہتوں سے عظیم نقصانات پائے جاتے ہیں جیسے: حق کی ضرورت کے باوجود اس کے بیان میں تاخیر ہونا، بعض حاضرین کا دوبارہ نہ آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان کے غلط فہمی کا شکار ہونا، اور مسلسل غلط فہمی میں رہنے کی وجہ سے شیطان کی اطاعت میں رہنا وغیرہ کہ جس سے شیطان کو مزید اس کو اپنی اطاعت میں ڈالنے کا شوق ہوگا اور یوں یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ جبکہ استاد کے، اپنی غلطیوں کے اعتراف میں پہل کرنے کی صورت میں طالب علموں میں ایک نفسانی خوبی پیدا ہوگی جس کے نتیجے میں خیر عظیم ہوگی کہ جس کا سبب استاد کا حقیقیت گوئی

کی طرف رجوع کرنا ہے لہذا وہ اپنے فریضے کی ادائیگی کے اجر کے علاوہ طالب علم کے اجر میں بھی شریک ہوگا۔ یقیناً اس کا یہ عمل (یعنی طالب علموں میں نیک صفات پیدا کرنا) اور حق کی طرف رجوع کرنا بڑی غنیمت اور منفعت کا حامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے سبب اسے بلندی عطا کرے گا برخلاف اس گمان کے جو جاہل، احمق اور غافلوں کے ذہن میں ہوتا ہے۔

پچیسواں امر: جب درس سے فارغ ہو جائے یا اس کو ختم کرنا چاہے جبکہ طالب علم اس بات کی طرف متوجہ نہ ہوں، تو چاہیے کہ کچھ ایسی بات کے ذریعے انہیں متوجہ کرے جو اختتام درس پر دلالت کرے۔ چنانچہ علمائے سلف اس موقع پر ''واللہ اعلم'' کہا کرتے تھے۔

بعض علماء نے کہا ہے: بہتر یہ ہے کہ درس ختم کرنے سے پہلے کچھ ایسا کلام ہو جو درس ختم ہونے کی نشاندہی کرے جیسے: ''یہی اختتام درس ہوگا'' یا ''اور اس کے بعد والے مطالب انشاء اللہ ذکر کردئے جائیں گے'' وغیرہ وغیرہ، تاکہ اس سے ''واللہ اعلم'' خالصانہ ذکر خدا قرار پائے اور اس کی معنویت کا قصد بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر درس سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے تاکہ اس کے آغاز اور خاتمہ دونوں میں وہ ذکر خدا کرنے والوں میں قرار پائے اور اگر فقط اختتام پر ذکر خدا کیا جائے تو اس صورت میں درس خالص خدا کے لئے نہ ہوگا۔

چھبیسواں امر: درس کو حکمت، نصیحت اور باطن کو پاک کرنے والے ظریف نکات کے ساتھ ختم کرے تاکہ طالب علم خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ منتشر ہوں۔ کیونکہ فقط درس کبھی دلوں کو قوت عطا کرتا ہے اور کبھی اس سے قساوت بھی پیدا ہوتی ہے لہذا ہر

وقت اس کو ترقی کی طرف متحرک رکھنا چاہئے نیز حصول کمال کے سلسلے میں اس پر توجہ دینی چاہئے اور (اختتام درس) کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور کوئی کام نہیں ہوسکتا۔

البتہ یہ سب اس وقت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دروس نہ ہوں باین معنی کہ اُن میں مشغول ہونا زیادہ سزاوار ہو، ورنہ ان اخلاقی نکات کو مقتضائے حال پر چھوڑنا چاہئے۔

ستائیسواں امر: مجلس درس کا اختتام بھی اس کی ابتدا کی طرح دعائے خیر کے ساتھ ہو، بلکہ اختتام پر دعا پڑھنا زیادہ مناسب اور باعث قبولیت ہے کیونکہ (اسوقت درس اور علمی محفل کی بدولت) طلباء پر رحمت خدا چھا چکی ہوتی ہے۔ خدا نے ان کو ثواب کے لئے مخصوص کیا ہے۔ ان کی دعاؤں میں ائمہؑ، علمائے متقدمین اور تمام مسلمان شامل ہونے چاہئیں اور یہ دعا کرے کہ خداوند ان کے اعمال کو صرف اپنے لئے اور اپنی خوشنودی کا ذریعہ قرار دے۔

روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی مجلسوں کو دعا کے ذریعے اختتام تک پہنچاتے تھے اور اس سلسلے میں ایک حدیثِ ''مسلسل'' پائی جاتی ہے جو مشہور اور مقبول ہے جس کا متن یہ ہے:

جب آپؐ اپنی گفتگو سے فارغ ہوتے اور محفل سے کھڑے ہونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنا ما اَخطَاْنا وَما تَعَمَّدْنا وَما اَسْرَرْنا وَما اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنّا اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .

اے اللہ ہمارے ان گناہوں کو بخشدے جو ہم نے چوک میں یا عمداً کئے ہیں، جو ہم نے چھپ کر کئے ہیں اور جو کھل کر کئے ہیں اور ان گناہوں کو بھی جن کو تو ہم سے زیادہ جانتا ہے

تو ہی آگے بڑھانے والا اور تو ہی تاخیر میں ڈالنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (منیۃ المرید ص ۲۲۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اٹھائیسواں امر: طلباء کے کھڑے ہونے کے بعد کچھ دیر ٹھہر جائے کیونکہ اس میں خود اس کے لئے بھی فوائد ہیں اور طلاب کے لئے بھی تربیتی پہلو ہیں جیسے: ممکن ہے کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو جسے اس نے بعد پر چھوڑا ہو، کسی کو کوئی کام ہو جس کے لئے و درس ختم ہونے کا منتظر رہا ہو؛ اسی طرح استاد سے پہلے نکلنے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا دور ہونا اور (استاد کے پہلے نکلنے پر) اس کے پیچھے طالب علموں کے جوتوں کی آواز نکلنا جو خود (استاد میں عجب اور تکبر پیدا کرنے کے لئے) ایک عظیم اور خطرناک آفت ہے، وغیرہ وغیرہ۔

انتیسواں امر: استا کے لئے ضروری ہے کہ ایک ذہین اور ہوشیار طالب علم کو ان کے ناظر (اور اپنے نائب) کے طور پر منتخب کرے جو آنے والوں کو ان کے رتبوں اور مقام و منزلت کے لحاظ سے بٹھائے، اونگھنے والوں کو بیدار کرے، غفلت برتنے والوں کو ہشیار کرے، مناسب اور نامناسب کاموں کی طرف راہنمائی کرے اور درس سننے اور خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہے۔ اسی طرح وہ ایک اور معاون کا تعین کرے جو نہ جاننے والوں کو سکھائے اور خواہشمندوں کے لئے درس کو دہرائے اور درس یا دیگر مسئلے میں جہاں اکثر و بیشتر استاد سے پوچھنے میں حیاء محسوس ہوتی ہے، اس معاون کی طرف رجوع کرے کیونکہ ایسا کرنے میں عالم کے وقت میں نظم وضبط اور متعلم کے حالات کی اصلاح پائی جاتی ہے۔

تیسواں امر: جب مجلس سے اٹھنے لگے تو کہے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ. اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُکَ

وَاَتُوبُ اِلَیْکَ ، سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ،وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

پاک وپاکیزہ ہے تو اے اللہ! تیری حمد وتعریف کی قسم، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے، میں تیری ہی مغفرت چاہتا ہوں اور تیری ہی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں، پاک وپاکیزہ ہے تیرا پالنے والا، وہ رب جوان اوصاف سے برتر ہے جن کی لوگ اس سے نسبت دیتے ہیں۔ (منیۃ المرید ص۲۲۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

ایک گروہ نے اس کو سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ تین آیتیں یعنی[سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ] مجلس کا کفارہ ہے۔ چنانچہ ایسا پڑھنا ہر مجلس سے اٹھنے والے کے لئے مستحب ہے مگر یہ کہ عالم کے حق میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

....

تیسرا نوع

متعلم سے مختص آداب کا بیان

یہ آداب بھی تین قسمیں گزشتہ آداب کی طرح تین قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں:
چنانچہ معلم سے مخصوص آداب کی بھی تین قسمیں تھیں۔

پہلی قسم

اپنے نفس سے متعلق آداب کے بیان میں

نفس سے متعلق یہ آداب بھی چند امور پر مشتمل ہیں:

پہلا امر: طالب علم کو چاہئے کہ اپنی نیت کو صاف اور دل کو آلودگیوں سے پاک کرے تا کہ اس میں وہ علم کو قبول اور حفظ کرنے نیز اس پر پابند رہنے کی صلاحیت پیدا ہو، چنانچہ اس سلسلے میں راہنمائی گزر گئی ہے تاہم، طالب علم کو تحصیل علم کے اسباب سے آگاہ کرنے کے لئے ہم یہاں دہرائے دیتے ہیں اس کے علاوہ (تزکیہ نفس اور اخلاص نیت سے متعلق) ان آداب میں میں اخروی فائدے کے اسباب بھی پائے جاتے ہیں۔

بعض باکمال افراد نے کہا ہے: دل کو علم کے لئے پاکیزہ بنانا ایسا ہی ہے جیسے زمین کو کاشتکاری کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے۔ لہذا دل کی پاکیزگی کے بغیر نہ اس میں ترقی ہوگی اور نہ علم میں برکت ہی آئے گی اور نہ وہ پاک ہو سکے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے بنجر اور غیر ذرخیز زمین ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذا صَلحَتْ صَلحَ الْجَسَدُ کُلُّهُ ،وَاِذا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهُ ،اَلاَ وَهِیَ الْقَلْبُ .

انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہوا تو پورا جسم صحیح ہوگا اور اگر وہ خراب ہوا تو پورا جسم خراب ہوگا۔ آگاہ رہو وہ ٹکڑا دل ہے۔ (شرح المھذب ج۱ص۵۸۔۵۹)

سہل بن عبداللہ نے کہا: دل میں نورِ علم کا داخل ہونا حرام ہے جب تک اس میں خدائے عزّ وجلّ کی ناپسند چیز باقی ہو۔

علی بن خشرم نے کہا: میں نے وکیع (بن جراح بن ملیح) سے حافظے کی کمزوری کے سلسلے میں شکوہ کیا تو اس نے جواب دیا: حافظے کو بڑھانے کے لئے ترک گناہ کے ذریعے مدد طلب کرو۔

کسی شاعر نے اس مطلب کو ایک رباعی میں نظم کیا ہے:

شَکَوْتُ اِلی وَکیعٍ سُوءَ حِفْظی فَاَرْشَدَنی اِلی تَرْکِ الْمَعاصی
وَقالَ اعْلَمْ بِاَنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ وَفَضْلُ اللهِ لا یُؤْتاهُ عاصی

یعنی میں نے وکیع سے اپنے حافظے کی کمی کا گلہ تو اس نے مجھے گناہ نہ کرنے کی سفارش کی اور کہا: جان رکھو! علم ایک عنایت ہے اور عنایتِ الٰہی گناہگاروں کو نصیب نہیں ہوتی۔

دوسرا امر: طلاب علم کو چاہئے کہ فرصت ،شوق و ذوق ،جوانی اور بدن کی طاقت، ذہانت اور سلامتیٔ حواس نیز مصروفیتوں اور موانع کی کمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم حاصل کرے خاص طور پر منصب و منزلت پانے اور فضل و علم کے نام سے مشہور ہونے سے پہلے؛ کیونکہ ایسا ہونا حصول کمال کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے بلکہ انسان کے

نقصان اور ضرر کا مکمل سبب ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: بڑے بننے سے قبل علم حاصل کرو کیونکہ منصب پانے کے بعد تم علم سے کترا جائے گا یا اپنے رتبے کے سبب اسے حاصل کرنے میں حیاء کرو گے جس کے نتیجے میں تم اس سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

کسی اور نے کہا ہے: رئیس اور سردار بننے سے قبل علم دین حاصل کرو کیونکہ جب تم رئیس بنو گے تو پھر علم کی طرف کوئی راہ نہیں پاؤ گے۔

روایت میں منقول ہے: جو کم سنی میں علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال پتھر کی لکیر جیسی ہے (جو کبھی مٹ نہیں سکتی) اور جو بڑی عمر میں علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی پر لکھے۔

ابن عباس ÷ سے مروی ہے: عالم اگر کوئی علم پاتا ہے تو جوانی ہی میں پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (ہم نے اس کو کم عمری میں حکمت عطا کی۔) البتہ یہ اکثر اور اغلب کے طور پر ہے ورنہ سن رسیدہ کو بھی طلب علم سے کترانا مناسب نہیں ہے۔ کوینکہ (اللہ کا فضل وسیع، کرم وعنایتیں وافر، جود و بخشش عام اور رحمت وعنایات کے دروازے ہر سن وسال کے لئے) کھلے ہیں۔ پس اگر کوئی قابلیت رکھتا ہو تو خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر اپنا مطلوب پا سکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللهُ. خدا سے ڈرتے رہو تو خدا ہی تمہیں علم سکھائے گا۔ (بقرہ ۲۸۲)

نیز وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَاسْتَوَى، آتَيْنَاهُ حُكْماً وَعِلْماً. اور جب وہ مضبوط ہوا

اور کمال کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت عطا کی۔ (قصص/۱۴)

نیز حضرت موسیٰ -کی زبان سے خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْماً. جب میں تم سے خائف ہوا تو بھاگ اٹھا تو میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی۔ (شعراء/۲۱)

اس کے علاوہ اور بھی آیتیں پائی جاتی ہیں۔

بعض علمائے ماسلف بڑھاپے میں ہی علم سیکھنے میں مشغول ہوئے اور علم سیکھتے رہے (یہاں تک کہ بعد میں) دین کے پائے کے علماء اور فقہ وغیرہ میں صاحب نظر بن کر ابھرے۔ لہذا عاقل کو چاہئے کہ اپنی عمر کے سرمایے کو غنیمت جانے، اور جوانی کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھے کیونکہ باقی ماندہ عمر کی کوئی قیمت نہیں۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

بَقِيَّةُ الْعُمْرِ عِنْدِی مَا لَهَا ثَمَنٌ

وَما مَضٰی غَيْرُ مَحْمُودٍ مِنَ الزَّمَنِ

يَسْتَدْرِكُ الْمَرْءُ فِيهَا مَاأَفَاتَ

وَ يَحْيَا مَاأَمَاتَ وَيَمْحُوا السُّوءَ بِالْحَسَن

میرے نزدیک بڑھاپے کی کوئی قیمت نہیں اور جو عمر گزر گئی پسندیدہ اور قابل ستائش نہ تھی۔ انسان جوانی میں ہی کھوئی ہوئی چیزوں کی تلافی اور ہاتھ سے گئی ہوئی اشیاء کو بحال کر سکتا ہے نیز برائیوں کو مٹا کر نیکی میں تبدیل کر سکتا ہے۔

تیسرا امر : طالب علم پر فرض ہے کہ وہ حتی الامکان، اپنے حصول علم اور اجتہاد کے راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور موانع کی جڑوں کو کاٹ دے اور اپنی پوری کوشش علم

وحکمت حاصل کرنے میں صرف کرے اور جو بھی خوراک میسر ہو اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو اسی پر راضی رہے اور لباس میں بھی اسی قدر پر اکتفا کرے جو اس کے بدن کو ڈھانپ دے اگر چہ وہ پرانے ہوں تا کہ زندگی کی سختیوں اور تنگیوں پر صبر کرتے کے ذریعے علم میں وسعت پیدا ہو اور دل پریشان کن آرزوؤں سے محفوظ رہے اور اس سے علم اور حکمت کے چشمے پھوٹنے لگیں۔

بعض ماسلف نے کہا ہے: کوئی بھی اپنی حیثیت کو پامال کئے بغیر علم حاصل کر کے اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں! تواضع، زندگی کی سختیوں کو جھیلنے اور علماء کی خدمت سے کامران ہو سکتا ہے۔

نیز اسی نے کہا: صرف وہی طلب علم کی صلاحیت رکھتا ہے جو نادار ہو۔ تو اس سے کہا گیا: کیا بہ حدِ کفایت غنی ہونے سے بھی ایسا ہوگا؟ کہا ہاں!

کسی دوسرے نے کہا: کوئی بھی علم کے مطلوبہ مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ فقر و تنگدستی سے دو چار نہ ہو اور اس کو ہر چیز پر ترجیح نہ دے۔

انہیں میں سے بعض دیگر نے کہا: کوئی اس وقت تک علم کی دولت کو پا نہیں سکتا جب تک وہ اپنی دکان کو بند اور اپنے باغ کو ویران نہ کرے، اپنے بھائیوں سے جدا نہ ہو اور اپنے نزدیک ترین رشتہ دار کے جنازے میں شریک نہ ہو۔

اگر چہ یہ سب باتیں مبالغے کے طور پر ہیں یعنی حصول علم میں اس قدر خاطر جمعی اور دل لگی ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں بعض علماء نے مبالغہ کرتے ہوئے اپنے شاگرد سے کہا: اپنے لباس کو گہرا رنگ کرو تا کہ تمہارا فکر اس کے دھونے میں لگنے نہ رہے۔ اسی مقام پر کہا گیا ہے کہ جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہیں دو گے وہ تمہیں کچھ بھی نہیں دے گا۔

چوتھا امر: جب تک طالب علم اپنی علمی ضرورت کو پورا نہ کرے، شادی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا سب سے زیادہ علم کی راہ سے پھیرنے والا اور عظیم موانع میں سے ہے بلکہ تقریبا یہی حقیقی رکاوٹ ہے۔ یہاں تک کہ بعض نے کہا ہے: علم عورتوں کی شرمگاہوں پر قربان ہوتا ہے۔

ابراہیم بن ادہم سے منقول ہے: جو عورتوں سے لذت اٹھانے کا عادی بنا، ناکام رہا۔ یعنی ان کی وجہ سے کمال تک نہیں پہنچ پائے گا۔

بلکہ یہ ایک فطری امر ہے جو تجربات کی روشنی میں واضح اور آشکار ہے اور کسی دلیل کی محتاج بھی نہیں۔ اگرچہ ہم یہ فرض کریں کہ طالب علمی زندگی میں شادی کرنا صحیح ہے لیکن اس کے لئے پیش آنے والے دیگر موانع یعنی اولاد اور اسباب زندگی کی فکری تشویش کے باوجود وہ کیوں کر صحیح معنوں میں علم حاصل کرسکتا ہے۔ جیسا کہ مَثَل مشہور ہے:

لَوْ كُلِّفْتَ شِرَاءَ بَصَلَةٍ لَمَا فَهِمْتَ مَسْئَلَةً ۔ یعنی اگر تم کو ایک پیاز کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تو ایک مسئلہ سمجھنے سے رہ جاؤ گے۔

طلاب علم کو کتاب نکاح میں مذکور ازدواج کے بارے میں دلائی گئی ترغیب سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ وہ ترغیب اور فضائل اس وقت ہے کہ جب اس سے زیادہ مہم کوئی واجب اس کے ساتھ ٹکرا نہ رہا ہو حالانکہ علم سے بڑھکر نہ کوئی بہتر اور بافضیلت شے پائی جاتی ہے اور نہ کوئی اس سے مضیق واجب پایا جاتا ہے، خصوصا ہمارے اس زمانے میں۔ کیونکہ اگرچہ علم حاصل کرنا بعض پر واجب عینی اور بعض پر واجب کفائی ہے لیکن ہمارے اس دور میں واجب عینی بن چکا ہے چونکہ اگر کوئی واجب کفائی پر کما حقہ عمل نہ کرے تو خطاب میں سبھی شامل ہونے اور اسکے ترک پر سبھی گناہگار ہونے کے حوالے سے

وہ کفائی بھی واجب عینی ہی کی طرح ہو جائے گا۔ چنانچہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

پانچواں امر: ایسے لوگوں کے ساتھ ترک تعلقات کرنا جو اسے اپنے ہدف یعنی حصولِ علم میں مانع بنتے ہوں کیونکہ ایسے تعلقات اور معاشرت کا ترک کرنا ان مہم ترین کاموں میں سے ہے جو ایک طالب علم کو انجام دینا چاہئے مخصوصا وہ افراد جو اہم خیال نہ ہوں اور جن کی فکر کوتاہ ہو اور ان کی سستی اور کاہلی زیادہ ہو۔ کیونکہ طبیعت نادانستہ طور پر بھی (نامناسب دوستی کے اثرات کو) قبول کرتی ہے۔ اس قسم کے تعلقات سے ہونے والا سب سے بڑا نقصان، بلا مقصد عمر کا تلف ہونا اور نا اہل کے ساتھ ہونے کی صورت میں عزت و دین کا بھی برباد ہونا ہے۔

جو چیز طالب علم کے لئے سب سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف ایسے افرد کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کرے جن کو یا خود فائدہ پہنچائے یا ان سے فائدہ حاصل کرے۔ اگر کسی دوست کا محتاج ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک صالح متقی اور ذہین دوست کا انتخاب کرے جو اگر وہ بھول جائے تو اس کو یاد دلائے اور اگر یاد کرے تو اس میں مدد کرے، ضرورت پڑنے پر ہمدردی کرے، اگر بے چینی اور اضطراب کا مظاہر کرے تو اس کو صبر کی تلقین کرے تاکہ ایسے دوست کے نیک اخلاق سے وہ بھی اچھی عادتوں کا مالک بنے۔ اور اگر ان صفات کے حامل کوئی دوست نہ ملے تو برے ساتھی سے تنہائی ہی بہتر ہے۔

چھٹا امر: طالب علم کو چاہئے کہ علم سیکھنے میں بہت دلچسپی رکھے اور اس سلسلے میں ہر وقت توجہ رکھے چاہے دن ہو یا رات، سفر ہو یا حضر اور اپنے اوقات کو صرف علم کے حصول میں خرچ کرے سوائے وہ کام جو ضروریات میں سے ہیں جیسے: کھانا پینا، سونا اور تھوڑا

آرام کرنا تا کہ ایسے کاموں سے تھکاوٹ جاتی رہے۔ ملنے کے لئے آنے والوں کے ساتھ مدارات کرے اور پنی روزی (خود) کسب کرے؛ نیز ایسی ہی دوسری مشغولیات جنکی طرف انسان محتاج ہوتا ہے یا درد وغیرہ کہ جن کے ہوتے ہوئے علم حاصل نہیں کی جاسکتی؛ (الغرض انسان کو موجودہ لمحوں کو ضائع نہیں کرنا چاہئے) کیونکہ آنے والی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

[چنانچہ امام موسیٰ کاظم -کا ارشاد ہے]:

مَنِ اسْتَویٰ یومَاهُ فَهُو مَغْبُونٌ. جس شخص کے دودن (علمی ترقی کے حوالے سے) برابر ہوں اس نے خسارت اٹھائی۔ (منیۃ المرید ص ۲۲۹، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

ایسے شخص کو عاقل نہیں کہا جاسکتا جو اس مرتبے کو جو انبیاء ؑ کی وراثت ہے، حاصل کر سکتے ہوئے اسے ہاتھ سے جانے دے۔

جبھی تو کہا گیا ہے کہ: لا یُستَطاعُ العِلْمُ بِراحَةِ الْجَسَدِ . علم بدن کی آسائش کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

نیز کہا گیا ہے:

وَلا بُدَّ دُونَ العَسَلِ مِن أَلَمِ النَّحلِ. شہد کی خاطر مکھی کی کاٹ بھی چکھنا ضروری ہے۔

شاعر کہتا ہے:

لا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمراً اَنتَ آكِلُهُ

لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّی تَلْعَقَ الصَّبِراً

مجد و بزرگی کو خرمے کی طرح خیال نہ کرنا کہ تم بآسانی اسے کھا سکو گے بلکہ اس وقت

تک بزرگی وہ مقام حاصل نہیں کرسکو گے جب تک تلخیوں کو نہ چکھے۔

ساتواں امر: طالب علم کو بلند ہمت ہونا چاہئے لہذا زیادہ حاصل کرسکتے ہوئے کم پرراضی نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے کام کوکل پر نہ چھوڑے علمی فائدہ اگر چہ کم ہوامکان ہوتے ہوئے اسے حاصل کرنے میں دیر نہ کرے اگر چہ اسے بعد میں حاصل کرسکنے میں اطمینان رکھتا ہو۔ کیونکہ تاخیر کرنے میں آفتیں پائی جاتی ہیں۔ نیز آنے والے وقتوں میں اسے اور بھی فائدے حاصل ہوں گے یہاں تک کہ اگر اسے ایسا کام پیش آئے جو درس کے لئے مانع ہوتو مطالعہ اور یاد کرنے میں مشغول ہونا چاہئے نہ یہ کہ کسی اور کام سے کام رکھے۔

یہ جان لینا چاہئے کہ اگر وہ کسی کام کوایسے وقت کے لے چھوڑے جس میں وہ فارغ ہو اس آنے والے وقت کو بھی اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے۔ (معلوم نہیں وہ وقت نصیب ہوگا بھی کہ نہیں) اس کے علاوہ ہر وقت میں موانع اور رکاوٹیں ہوا کرتی ہیں لہذا (قانون مالا يُدرَكُ كُلُهُ لا يُترَكُ كُلُه۔ کی روشنی میں) جتنا ہوسکے اپنے کاموں کوانجام دے اس سے پہلے کہ وہ بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے۔

چنانچہ روایت میں آیا ہے: الوقت سيفٌ فَانْ قَطَعْتَهُ وَالَّا قَطَعَكَ۔

یعنی وقت تلوار کے مانند ہے۔ اگرتم نے پہلے اس کے ٹکڑے کردئے تو ٹھیک ورنہ وہ تمہارے ٹکڑے کردے گی۔ (منیۃ المرید ص ۲۳۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بعض اہل فضل نے اپنے اشعار میں عرفانی مقامات کی طرف ابھارا ہے:

١. وَكُنْ صارِماً كَالْوَقْتِ فَالْمَقْتُ فى عَسَى
وَاِيَّاكَ لَعَلَّ فَهِىَ اَخْطَرُ عِلَّتِ

۲. وَسِرْ زَمَناً وَانْهَضْ كَثيراً فَحَظُّكَ الْ-
الْبَطَالَةُ مَا اَخَّرْتَ عَزْماً لَصَحَّتِ

۳. وَاَقْدِمْ وَقَدِّمْ مَا قَعَدَ لَهُ مَعَ الْـ
الْخَوالِفِ وَاخْرُجْ عَنْ قُيُودِ التَّلَفُّتِ

۴. وَجُذَّ بِسَيفَ الْعَزْمِ سَوْفَ فَاِنْ تَجُدْ
تَجِدْ نَفساً، فَالنَّفْسُ اِنْ جِدْتَ جَدَّتِ

ا۔ تجھے بھی چاہئے کہ وقت کی طرح تیز اور کاٹنے والا ہو۔ کیونکہ آج کل کرنے میں یقیناً ملامت وسرزنش ہوتی ہے۔ تو تجھے ''شاید'' بولتے رہنے سے بھی خودداری کرنی چاہئے کیونکہ اس طرح (پس وپیش) کرتے رہنا خطرناک (روحی) بیماریوں کا موجب بنتا ہے۔

۲۔ ذرا زمانے میں سیر کو نکلو اور آخری دم تک اپنی آرزوؤں کو کچل دینے کے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتا کہ اپنے بیہودگیوں کی تلافی ہو۔

۳۔ اور قدم بڑھاتے ہوئے ان کاموں کے لئے اقدام کرو جن میں خلاف کاری اور کوتاہی کرنے والے پیچھے رہ گئے ہیں، اور پست فکری کی قید سے رہا ہو جاؤ۔

۴۔ عزم وارادے کی تلوار سے ''سوف'' (یعنی آج کل کرنا) کی جڑ کاٹ ڈالو۔ کیونکہ اگر تم جدوجہد کرو گے تو تم اپنے نفس کو بھی ایسا ہی پاؤ گے۔

آٹھواں امر: طالب علم کو چاہئے کہ اپنے دروس کی ترتیب کا خیال رکھے اور ان میں سے پہلے اسی کو شروع کرے جو سب سے مہم ہو لہذا اسے مقدمات اور ابتدائی نکات سیکھنے سے پہلے ان کے نتائج کی طرف نہیں جانا چاہئے اور اسی طرح اپنے عقیدے کو اچھی طرح مضبوط کئے بگیر معقولات اور دوسرے علوم کے علماء میں پائے جانے والے اختلاف

مشغول نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے ذہن پراکندہ اور عقل پریشان ہو جاتی ہے۔

جب کسی علم کا آغاز کرے تو جب تک اس علم کی ایک یا مکان کی صورت میں کئی کتابوں کو اچھی طرح نہ پڑھے دوسرے علم کو شروع نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہی روش ہر علم میں اپنانی چاہئے۔

بلاوجہ ایک کتاب سے دوسری کتاب یا ایک علم سے دوسرے علم کی طرف رجوع کرنے سے بالکل دریغ کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا دل نہ لگنے اور ناکامی کی علامت ہے۔ پس جب اس میں صحیح اہلیت اور معرفت پائی جاتی ہو تو بہتر ہے کہ ضروری اور پسندیدہ علوم میں سے کسی بھی نوع کو اس وقت تک ترک نہ کرے جب تک اپنے مقاصد اور اہداف کے حسب ضرورت ان کو نہ سیکھے۔ پھر اگر عمر نے ساتھ دیا اور توفیق ہوئی تو ان سب میں خوب مہارت حاصل کرنی چاہئے ورنہ بتدریج انہی علوم میں جو زیادہ مہم ہیں۔ کیونکہ اکثر علوم ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مربوط ہوتے ہیں

اس بات کو ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہماری زندگی میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ تمام علوم کو حاصل کرے لہذا ہر علم میں سے اسی چیز کو حاصل کرنا چاہئے جو زیادہ بہتر ہو۔ اپنی پوری توانائی اسی علم میں خرچ کرنی چاہئے جو سب سے باشرف و با فضیلت ہو یعنی آخرت میں کام آنے والا ہو جو اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے ذریعے کمال نفس اور اس کی پاکیزگی کا موجب بنتا ہے۔ ایسے علم کا مرجع اور سرچشمہ کتاب وسنت اور نیک اخلاق وغیرہ کا علم ہے۔

....

دوسری قسم

اپنے استاد اور پیشواؤں کے ساتھ آداب اور ان کی تعظیم واحترام کے بارے میں

امام صادقؑ نے فرمایا:

وَاِنَّـا مَثَلُ الْعَـالِـمِ مَثَلُ النَّخْلَةِ تَنْظُرُهَا متٰی یَسْقُطُ عَلَیکَ مِنهَا شَیءٌ ،

وَالْعَالِمُ اَعْظَمُ أجراً مِنَ الصَّا ئِمِ الْقَائِمِ الْغَازِی فِی سَبِیل اللّٰہِ .

امیر المؤمنینؑ فرمایا کرتے تھے: عالم کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوال نہ کرے اور اس کے دامن کے ساتھ الجھ نہ جائے۔ جب تم اس کے پاس پہنچو جبکہ اور بھی لوگ اس کے پاس جمع ہوں تو ان سب کو سلام کیا کرو اور استاد کو ان کے علاوہ خصوصی طور پر سلام کرو۔ استاد کے سامنے بیٹھا کرے نہ اس کے پیچھے۔ اپنی آنکھوں یا ہاتھوں سے (اس کے آگے) اشارے مت کرو اور نہ اس کے قول کے خلاف یوں کہو: فلاں فلاں شخص کا قول اس طرح ہے۔ اس کے کلام کے طولانی ہونے سے حوصلہ نہ ہارے، کیونکہ:

عالم خرما کے درخت کے مانند ہے کہ تم اس کی طرف دیکھتے رہو کہ کب تم پر اس سے کوئی

چیز گرے (اور شیرین کام ہو)۔ عالم کا درجہ اور ثواب رات کو بیدار رہ کر دن بھر روزہ رکھنے والے راہِ خدا میں لڑنے والے غازی سے کہیں زیادہ ہے۔

امام زین العابدین ؑ سے ''حقوق'' کے بارے میں منقول ایک طوالانی روایت میں ذکر ہوا ہے:

علم کے ذریعے تیری راہنمائی کرنے والے راہبر کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس کی مجلس کا احترام رکھے، اسی کی طرف رخ کر کے رہے اور اس کی باتوں کو غور سے سنے، اپنی آواز کو اس کی آواز سے اونچی نہ کرے۔ اگر کوئی اس سے کسی چیز سے متعلق سوال کرے تو جب تک وہ یعنی استاد جواب نہ دے، شاگرد بھی جواب نہ دے، اس کی محفل میں کسی سے گفتگو نہ کرے، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرے، اگر کوئی تیرے سامنے اس کی برائی کرے تو اس کی مات کرے، اس کے عیوب کو پوشیدہ رکھے اور خوبیوں کو اجاگر کرے، اس کے دشمنوں کے ساتھ نہ بیٹھے اور نہ اسکے دوستوں کے ساتھ دشمنی رکھے۔ پس جب تم ایسا کرو گے تو خدائے عزّ وجل کے فرشتے تمہاری گواہی دیں گے کہ تم نے خدا ہی کی خوشنودی کو قصد کیا ہے اور اسی کی خاطر علم حاصل کیا ہے نہ لوگوں کے واسطے۔

اور خدائے عزّ وجل کے اس قول میں جسے حضرت موسیٰ ؑ کی زبانی فرمایا ہے کہ جب انہوں نے حضرت خضر ؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً .

کیا میں اس شرط پر آپ کے پیچھے چلوں کہ جو کچھ راہنمائی علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں؟ (کہف/٦٦)

نیز اس قول الٰہی:

سَتَجِدُنِی اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِراً وَلا اَعْصِی لَکَ اَمْراً.

انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ (کہف/٦٩)

میں شاگرد کی طرف سے استاد کے لئے کئے جانے والے آداب سے متعلق ایک عظیم نکتہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کی اتنی عظیم مرتب ومنزلت نیز آپؑ کے اوالعزم رسول ہونے کے باوجود آپؑ نے استاد کے شایان شان ادب کرنے میں کمی نہیں کی۔ اگرچہ متعلم دوسرے پہلوؤں سے استاد سے بھی بڑھ کر تھے۔ اگر ہم استاد وشاگرد کے بارے میں مذکور تمام آداب اور نکات لکھنے بیٹھیں تو یقیناً اس کتاب کے دائرے سے خارج ہو جائیں گے لہذا اہم اول الذکر آیت:

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً. سے متعلق کچھ اشارے کریں گے۔

اس آیات میں آداب سے متعلق بارہ نکات پائے جاتے ہیں:

پہلا نکتہ: اپنے نفس کو استاد کا تابع بنانا جو کہ استاد کے آگے خاکساری کی خاطر ہے۔

دوسرا نکتہ: هل استفامیہ کے ذریعے طلبِ اذن کرنا، یعنی کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ کے پیچھے آجاؤں؟ اور یہ تو کمال تواضع کی علامت ہے۔

تیسرا نکتہ: اپنے نفس کے جاہل اور معلم کے علم کا "عَلیٰ اَنْ تُعَلِّمَن" کے زریعے اعتراف کرنا۔

چوتھا نکتہ: تعلیم کا عظیم نعمت ہونے کا اعتراف کرنا کیونکہ انہوں نے حضرت خضرؑ سے ایسی ہی رفتار کا تقاضا کیا جس طرح خدا نے ان کے ساتھ کی تھی۔ گویا یوں کہا تھا: مجھ پر

آپ کا انعام ایسا ہی ہے جیسے اللہ کا انعام آپ پر۔ اسی مفہوم پر مشتمل یہ قول بھی پایا جاتا ہے: میں اس کا غلام ہوں جس سے میں نے علم سیکھا ہے، اور جس نے کسی شخص کو ایک مسئلہ سکھایا وہ اس کا مالک بن گیا۔

پانچوں نکتہ: متابعت کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے یعنی اپنے متبوع کے امر کو بجالانا اور وہ صرف اس جہت سے کہ اس کے استاد نے کہا ہے نہ کسی اور جہت سے۔ ایسا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طالب علم کے لئے سب سے پہلی ضرورت اور فرض (استاد کے آگے) سر تسلیم خم کرنا اور بحث و تکرار سے پرہیز کرنا ہے۔

چھٹا نکتہ: بغیر کسی قید و شروط کے اس کی اطاعت کرنا۔ یعنی علم سکھانے میں اس پر کسی قسم کی قید و بند نہ ہونا اور یہ تو نہایت تواضع ہے۔

ساتواں نکتہ: تعلُّم کا آغاز اطاعت اور فرمانبرداری سے کرنا پھر خدمت اور اس سے طلبِ علم کرنا۔

آٹھواں نکتہ: چنانچہ کہا گیا "عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ" یعنی میں اس متابعت کے بدلے میں آپ سے صرف علم ہی کا طالب ہوں گویا کہہ رہا ہے کہ میں اس متابعت کے عوض نہ مال چاہتا ہوں اور نہ مقام و منصب۔

نواں نکتہ: "مِمَّا عُلِّمْتَ" آپ کو سکھائے گئے علم و حکمت میں سے بعض کی طرف اشارہ ہے یعنی میں بطور مساوات نہیں چاہتا بلکہ آپ کے علم سے بعض کا خواستگار ہوں لہذا بقیہ زائد درجے پر یقیناً آپ مجھ سے افضل و برتر ہیں۔

دسواں نکتہ: "مِمَّا عُلِّمْتَ" اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے اور اس (طرح مجہول کا صیغہ لانے) میں علم اور معلم کی تعظیم اور عزت افزائی ہے۔

گیارواں نکتہ: لفظ ''رُشداً'' میں ہے رشد یعنی طلب راہنمائی ہے اور یہ راہنمائی ایک ایسی شے ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو (نسان زندگی بھر) بے کار اور گمراہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس نکتے میں تعلُّم کی طرف شدت احتیاج، اپنے نفس کو سرکوب کرنے اور اسے علم پر محتاج ہونے کا اعتراف پایا جاتا۔

بارھواں نکتہ: روایت میں ہے کہ حضرت خضرؑ پہلے سے جانتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے نبی، صاحب توراۃ تھے جو بلاواسطہ خدائے عزّ وجل سے ہمکلام ہوتے تھے اور یہ کہ خدا نے انہیں مخصوص معجزات عطا کئے تھے لیکن اس قدر عظیم مرتبت کے باوجود اس طرح تواضع میں مبالغہ کرنا، علم کی انتہائی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ کہ معلم اس طرح کے احترام کے لئے سب سے زیادہ سزاوار ہے۔ کیونکہ جتنی ہی اس کی علمیت زیادہ ہوگی اتنی اسے علم میں پائی جانے والی سعادت و سرور کی معرفت زیادہ ہوگی لہذا اس کے علم کی پیاس اور طلب اتنا ہی شدید ہوگا اور اہل علم کی طرف سے کیجانے والی تعظیم بھی کمال کی ہوگی۔

پھر حضرت خضرؑ کی اتنی معرفت اور حضرت موسیٰؑ کی اتنی تواضع اور ادب کے باوجود ایک عظیم اور مایوس کن جواب دیا جو کہ معلم کی عظمت وقوت اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مؤدبانہ نہ ہونے پر مشتمل تھا بلکہ انہوں نے (صاف صاف) ان کے عاجز ہونے اور صبر نہ کر سکنے کی یوں پیشگوئی کی:

اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْراً. تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے۔

(کہف/۶۸)

یہ مختصر جملہ بھی معلم کے ادب نیز علم کی خاطر اس کے لئے پائے جانے والے اعزاز اور

اس کی عظمت و مقام کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے جو قابل پیروی ہے۔ (اس جملے میں پوشیدہ) تمام نکات کو ذکر کرنے کی تو اس باب میں گنجائش نہیں ہے تاہم اس محل کی مناسبت کی وجہ سے ان میں سے بعض کو ذکر کئے دیتے ہیں البتہ اصل کتاب سے ان کا ربط پایا جاتا ہے۔

پہلا نکتہ: حضرت موسیٰؑ کو علم پر صبر نہ کر سکنے والے کے طور پر ذکر کیا جو کہ صابرین جن کو خدا نے وعدۂ بزرگی عطا کیا ہے، کے مقام کے مقابلے میں ان کی قدر و قیمت اور مرتبت کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا نکتہ: ان کا، حضرت موسیٰؑ کے صبر کر سکنے سے نفی کرنا جو کہ صبر و تحمل کے بارے میں سعی کرنے نیز اس کے اسباب فراہم کرنے کے بارے میں انہیں ناامید کرنا ہے حالانکہ اکثر بشر میں اسباب فراہم کرنے اور سعی و کوشش کی قوت پائی جاتی ہے البتہ معلم کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ (طالب علم کو) صبر کی تلقین کرنے نہ یہ کہ اسے اس کام سے عاجز قرار دے۔

تیسرا نکتہ: ''لن'' کے ذریعے استطاعت کی نفی کرنا جو کہ محققوں کی ایک جماعت جس میں زمخشری بھی ہے، کے مطابق نفی ابدی پر دلالت کرتا ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ کے صبر سے مایوسی کے بموجب تھا کیونکہ اس چیز کی خبر ایک لازم الاطاعت اور سچے معلم (یعنی حضرت خضرؑ) نے دی ہے۔

چوتھا نکتہ: اِنَّ کے ذریعے جملے میں تاکید پیدا کرنا، جملہ کا اسمیہ ہونا اور لَن جیسے حروف کے ذریعے نفی کرنا وغیرہ اور یہ سب سے نہایتِ عجز و ناتوانی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

پانچواں نکتہ: اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تو اپنے تئیں یہ گمان کرتا ہے کہ تو صابر ہے تو تجھے میری ہمراہی میں پیش آنے والے حالات کا علم نہیں ہے کیونکہ ابھی تو نے میری ہمراہی نہیں کی ہے۔ وہ صبر جس کی میں نفی کر رہا ہوں اس سے مراد میرے ساتھ ہونے کا صبر ہے اور یہ تو ایسا کام ہے جس کا مجھے علم ہے کیونکہ مجھے علم کی اس مقدار کا علم ہے جسے تو جانتا اور اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

چھٹا نکتہ: علم کی عظمت واہمیت، شان و بڑائی اور بزرگی کی طرف تنبیہ ہے اور یہ کہ علم ایک ایسا امر ہے جس کے لئے عظیم صبر درکار ہے جو کہ عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰؑ ، خدا کے ہمکلام اور نبی تھے جو بڑی شان و منزلت، کمالِ نفس، صبر و استقلال اور عظیم کمالات کے مالک تھے جو کہ دوسروں لوگوں میں نہیں پائے جاتے تھے۔

ساتواں نکتہ: اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم صرف اسی کو سکھانا چاہئے جو قوی صبر، صحیح رائے اور مضبوط نفس کا مالک ہو کیونکہ علم اللہ کی طرف سے ایک نور ہے جو کہ بغیر سوچے سمجھے ہر ایک کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ علم سکھانے سے پہلے اس کو سیکھنے والے کی آزمائش اور امتحان ہونا چاہئے نیز اس کی قابلیت کو بھی ہر حوالے سے پرکھنا ضروری ہے۔

آٹھواں نکتہ: اس نکتے کی طرف تنبیہ ہے کہ باطنی علم، ہر مرتبے میں ظاہری علم سے قوی تر ہے نیز یہ قلبی استحکام اور پائیدار صبر کا زیادہ محتاج ہے، یہی بات ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ ظاہری علم پر احاطہ اور تسلط رکھتے تھے لیکن حضرت خضرؑ نے پھر بھی انہیں باطنی علم کے برداشت نہ کر سکنے اور قلتِ صبر کے سلسلے میں ڈرایا اور اس طرح کے مبالغے سے

حضرت خضرؑ کا مقصد یہ تھا کہ (اے موسیٰ) باطنی علم کا تحمل اور اس کی دشواریاں تیرے لئے بہت سے کٹھن ہوں گی، (حضرت خضرؑ کا مبالغہ سے اس طرح کا قصد کرنا) ایسے کاموں میں پائے جانے والی تاکید کی وجہ سے تھا نہ یہ کہ ہرگز اس پر قدرت نہیں پائیں گے، ورنہ حضرت موسیٰؑ بعد میں یہ نہ فرماتے کہ: سَتَجِدُنی اِنْ شاءَ اللّٰہُ صابِراً ۔ یعنی انشاءاللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

پس (معلم کو چاہئے کہ) قرآن کی، آدابِ تعلیم کے حامل دوسری آیتوں کو بھی ان مذکورہ وظائف و آداب پر تطبیق کرے (اور ان کو بھی سمجھ لے) کیونکہ یہ آیتیں اس مقام پر (راہنمائی کرنے والے) مفاہیم و نکات کے اعتبار سے آپس میں ملتی جلتی ہیں اور اگر کوئی چاہے تو اسی آیت پر غور و تفحص کر کے دیگر (آیتوں میں موجود تعلیم و تعلّم سے متعلق) آداب کو بھی پا سکتے ہیں۔

جب یہ وضاحتیں بیان ہو چکیں تو ہم شاگرد کے اپنے استاد کے ساتھ مخصوص آداب کی طرف لوٹتے ہیں جن کو علماء نے ان آداب پر مشتمل نصوص کے ذیل میں مقرر کیا ہے۔

پہلا ادب: یہ ادب سب سے مہم ہے اور وہ یہ کہ شاگرد کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے استاد کی رائے کو ترجیح دے اور اُس سے اچھے اخلاق اور آداب حاصل کرے۔ کیونکہ عالم کا اپنے شاگرد کی تربیت کرنا اور اس کے برے اخلاق کو ختم کر کے اس کی بجائے نیک اخلاق کا مالک بنانا اس کاشتکار کے عمل جیسا ہے جو کھیت سے کانٹوں کو اکھاڑتا اور خس و خاشاک کو دور کر دیتا ہے تاکہ وہ خوب پھلے اور فصل دے۔

البتہ ہر استاد ان وظائف کے حامل نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ) بہت کم ایسے اوصاف کے مالک ہوتے ہیں؛ کیونکہ استاد درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا نائب

ہوتا ہے اور ہر عالم اس نمائندگی کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا شاگرد کو چاہئے کہ کسی ایسے عالم کو اپنا استاد بنائے جس کی قابلیت کامل، دیانت آشکار، معرفت ثابت، عفت معروف، خودداری اور بزرگی مشہور، مروت نمایاں، طرز تعلیم اچھی اور سمجھانے کا انداز عمدہ ہو۔ چنانچہ اس کے باقی اوصاف پہلے ذکر ہو چکے ہیں۔

طالب علم اس عالم سے دھوکہ نہ کھائے جو اس کے علم میں اضافہ تو کرے لیکن تقوی، دین یا اخلاق وغیرہ میں کمی پیدا کرے کیونکہ طالب علم کے اخلاق اور دین کے حوالے سے ہونے والا نقصان، اس ضرر سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو اس کی جہالت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے: یہ دین کا علم ہے لہذا جان بوجھ لو کہ تم کس سے اپنا دین سیکھ رہے ہو۔

جو چیز طالب علم کو (انتخابِ استاد کے سلسلے میں) مفید ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے علماء کے ساتھ ساتھ رہے، زیادہ سے زیادہ بحث وگفتگو کرے ان کی محفلوں میں بیٹھا کرے، اکثر و بیشتر انہیں آزمائے اور دیکھے کہ آیا دوسرے بزرگ اساتید اس استاد کے رویہ، اخلاق اور بحث کے بارے میں تعریف کرتے ہیں کہ نہیں۔ ایسے استاد سے اجتناب کرنا چاہئے جو اپنے علم کو کسی استاد کے پاس پڑھے بغیر متن کتاب سے حاصل کیا ہو۔ کیونکہ اس اس طرح بغیر استاد پڑھنے سے غلطیوں اور تحریف کا شکار ہوسکتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے: جس نے (بغیر استاد کے متن کو سیکھا اس نے اپنا وقت ضائع کیا۔ بعض دیگر فرماتے ہیں: خبردار صَحَفِیون سے! یعنی بغیر استاد کے پڑھے ہوؤں سے دور رہو کیونکہ ان سے پہنچنے والے نقصان ان کے فائدوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔

(حصول علم کے سلسلے میں) طالب علم کو گمنام استادوں کو چھوڑ کر صرف مشہور و معروف

اساتید کو ذہن میں نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ صرف مشہور استاد کا شاگرد بننے کا رجحان علم پر تکبر کرنے کا موجب ہوتا ہے جو کہ عین حماقت ہے۔ چونکہ علم مؤمن کا گمشدہ گوہر ہے جہاں سے ملے اسے پالینا چاہئے اور جس قدر ہاتھ آئے غنیمت سمجھنا چاہئے اور جو بھی اسے اس حکمت کی طرف راہنمائی کرے اس کا احسان اٹھانا چاہئے۔ اور کبھی تو گمنام استادوں میں ہی برکت کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ایسی صورت میں ان سے حاصل کئے جانے والا علم زیادہ منفعت بخش اور کامل ہوگا۔

اگر علمائے ماسلف اور متقدمین کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر صرف اسی وقت میں نفع حاصل ہوا کرتا تھا کہ جب استاد اہل تقویٰ، پرہیزگار اور شاگرد کے ساتھ مہربان رہا ہو۔ اسی طرح اگر آپ ان کی تصنیفات کی جانچ پڑتال کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ زیادہ پرہیزگار عالموں کی کتابوں سے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا اور ان کے پڑھنے سے زیادہ کامیابی نصیب ہوگی جبکہ تقوی اور شفقت سے عاری علماء کی حالت اس کے برعکس ہوگی۔

استاد کو اپنا حقیقی باپ سمجھے:

دوسرا ادب: شاگرد چاہئے کہ استاد کو اپنا حقیقی باپ جانے اور جیسا کہ حقوق استاد کے بیان میں زکر ہوا کہ روحانی باپ کا درجہ حقوق والد کی رعایت اور اس کے حق تربیت کو ادا کرنے کے حوالے سے جسمانی باپ سے زیادہ عظیم ہوتا ہے کیونکہ استاد حیات جاودانی کا سبب ہے اور باب عارضی حیات کا سبب ہے۔

مزید یہ کہ جب باپ ماں کے ساتھ مجامعت کرنے لگتا ہے تو اکثر اوقات اولاد کے کے قصد نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے ایسا کرتا ہے تو بچہ خود بخود وجود

میں آجاتا ہے۔ اگر فرض بھی کرے وہ ایسا قصد رکھتا ہے لیکن ہمیشہ عمل کے ساتھ ساتھ رہنے والا قصد وارادہ اس قصد سے کہیں بہتر ہے جو قصد خالی ہوتا ہے (یعنی باپ اپنی زوجہ سے مجامعت سے پہلے اولاد کا قصد رکھتا بھی ہو لیکن دوران مجامعت یہ قصد باقی نہیں رہتا) جبکہ استاد کا پورا عزم اپنے شاگرد کو کمال تک پہنچانا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے۔ پھر اصل وجود کو جو شرف حاصل ہوتا ہے وہ صرف عدم کے مقابلے میں ہے اور یہ شرف تو لال بیگ جیسے پست کیڑے مکوڑوں کے لئے بھی حاصل ہے لہذا اگر عالم کو کوئی شرف فضیلت ہے تو اس کے علمی کمال کی وجہ سے ہے اور اس کا سبب تو معلم ہوا کرتا ہے (لہذا، باپ سے معلم کا رتبہ بڑا ہوگا)۔

نقل ہوا ہے کہ سید رضی ؒ موسوی (جو مکتب تشیع کے نامدار علماء میں سے تھے) عظیم نفس، عالی ہمت اور خوددار طبیعت کے مالک تھے۔ وہ کسی کی بھی منت نہیں اٹھاتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا خلیفہ عباسی کے ساتھ ایک عجیب وغریب واقعہ پایا جاتا ہے جو اس وقت پیش آیا تھا کہ جب خلیفہ نے سید رضی کے ہاں بیٹے کے تولد پر اپنی طرف سے ہدایا بھیجے تھے، اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں منجملہ ایک واقعہ یہ ہے کہ ان کے کسی استاد نے ایک دن ان سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تیرا گھر بہت چھوٹا ہے جو تجھ پر دشوار گزرتا ہے میرے پاس ایک بڑا گھر ہے جو تیرے لئے مناسب ہوگا۔ میں نے وہ گھر تیرے لئے بخش دیا پس اس میں منتقل ہو جاؤ! تو انہوں نے انکار کیا لیکن استاد نے بھی وہی باتیں دھرائیں تو اس نے کہا: جناب استاد میں تو اپنے باپ کا بھی کوئی احسان نہیں اٹھاتا ہوں تو غیروں سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ استاد نے کہا: میرا حق تجھ پر تیرے باپ سے زیادہ ہے کیونکہ میں تیرا روحانی باپ ہوں اور وہ تیرا جسمانی باپ ہے۔ تو سید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تو میں نے آپ

کا گھر قبول کیا۔ اس مقام پر کسی فاضل نے کہا:

مَنْ عَلَّمَ الْعِلْمَ کَانَ خَیْرَ اَبٍ

ذاکَ اَبُو الرُّوحِ لا اَبُو النُّطَفِ

جو تجھے علم سکھائے وہ تیرے باپ سے بھی بہتر ہے کیونکہ یہ تیرا روحانی باپ ہے نہ وہ باپ جس سے تیرا نطفہ ٹھہرا ہو۔

تیسرا ادب: طالب علم اپنے آپ کو روحانی مریض سمجھے کیونکہ یہاں مرض سے مراد (انسان کا) اپنی فطرتی راہ سے پھسل جانا ہے اور روح اور نفس کی طبیعت اور فطرت علم ہے اور نفس تو اپنے طبیعی اور فطرتی راہ سے صرف اس لئے پھسل جاتا ہے کہ اس پر بدن (یعنی عناصر جسمانی) کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ (لہذا وہ خود کو مریض سمجھے اور) اپنے استاد کو طبیب تصور کرے کیونکہ یہی استاد ہے جو اس کو اپنے اصل راستے کی طرف لوٹاتا ہے۔ بنا براین استاد کے کسی مشورے کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ جیسے وہ کہے فلاں کتاب پڑھو یا اتنا ہی درس کافی ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اس کی مخالفت کرنا اس مریض کے مانند ہے جو اپنے طبیب اور معالجے کو رد کرتا ہے۔

کسی فاضل نے کہا ہے:

مُرَاجِعَةُ الْمَرِیضِ طَبِیبَهُ، یُوجِبُ تَعْذِیَهُ.

یعنی بیمار کا اپنے طبیب سے سرپیچی کرنا صرف اپنے ہی ضرر کا باعث ہوتا ہے۔

تو جس طرح مریض پر لازم ہے کہ وہ طبیب کی موجودگی میں مضر اشیاء اور دائیوں کو بے اثر کرنے والی غذاؤں سے پرہیز کرے اسی طرح طالب علم پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کو روحانی آلودگیوں اور پست صفات جیسے کینہ، حسد، غضب، حرص تکبر اور خودنمائی

وغیرہ سے پاک رکھے اور مرض کی جڑ کو ہی اکھاڑ پھینکے تا کہ طبیب سے صحیح منعوں میں بہرہ مند ہو، کیونکہ ایسی صفات سے باز رکھنا ہی معلم کا نہایتِ مقصود ہوتا ہے۔

چوتھا ادب: طالب علم کو چاہئے کہ استاد کو عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے اور اس کے عیوب اور کمزوریوں سے چشم پوشی کرے کیونکہ ایسا کرنا استاد سے زیادہ استفادہ کر سکنے اور اس سے سنے ہوئے مطالب کے وذہن نشین ہونے کا موجب بنتا ہے۔

بعض علمائے ماسلف جب اپنے استاد کی خدمت میں جاتے تو صدقہ دیا کرتے اور یوں دعا مانگتے تھے: پروردگارا میری نگاہوں سے استاد کے عیوب کو پوشیدہ رکھ! اور اس کے علم کی برکت سے مجھے محروم نہ فرما!

کسی اور نے کہا: میں اپنے استاد کے حضور میں ان کی ہیبت کی وجہ سے نہایت محتاط انداز میں کتاب کے اوراق پلٹایا کرتا تھا تا کہ وہ اوراق کے پلٹنے کی آواز کو محسوس نہ کرے۔

کسی نے یوں کہا ہے: خدا کی قسم! میں تو اپنے استاد کی ہیبت کے مارے ان کی نگاہوں کے سامنے پانی پینے کی بھی جرأت نہیں کرتا تھا۔

حمدان اصفہانی کہتا ہے: میں شریک (بن عبداللہ حنفی) کے پاس تھا اتنے میں خلیفہ کا کوئی بیٹا وہاں آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر شریک سے کسی حدیث کے بارے میں پوچھا لیکن شریک نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ہماری طرف رخ کیا تو اس نے سوال کو دھرایا تو شریک نے بھی دوبارہ یہی رویہ اختیار کیا۔ پھر اس نے کہا: کیا خلیفہ کی اولاد کی توہین کرتے ہو؟ کہا نہیں لیکن علم کی خدا کے پاس اسقدر قدر و قیمت ہے کہ اس کو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سنکر خلیفہ کا بیٹا اپنے زانو تہہ کر کے بیٹھ گیا تو شریک نے کہا: یوں علم طلب کیا جاتا ہے۔

پانچواں ادب: استاد کے سامنے علماء اور دوسرے لوگوں سے بڑھکر تواضع اختیار کرنا

نیز علم کے لئے بھی تواضع اور فروتنی اختیار کرنا چاہئے تا کہ اس خاکساری کے ذریعے علم و معرفت حاصل کی جا سکے۔ طالب علم کو یہ بات جان لینی چاہئے کہ استاد کے حضور میں پستی کا مظاہرہ کرنا خود عزت و شرف ہے، اس کے سامنے خشوع اور ناچیزی کا اظہار فخر، فروتنی اپنانا بلندی، تعظیم و احترام کرنا موجب ثواب اور اس کی خدمت میں کمر بستہ ہونا فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

تَعَلَّموا الْعِلْمَ ، وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ والْوَقارَ ، وَتواضَعُو لِمَنْ تَعَلَّمُونَ مِنهُ.

علم حاصل کرو علم کے لئے متانت و وقار بھی سیکھو اور جس سے علم سیکھ رہے ہو اس کے سامنے خاکساری اختیار کرو۔ (کنز العمال ج۱۰، ص۱۴۱)

نیز آپؐ ہی کا فرمان ہے:

مَنْ عَلَّمَ اَحداً مَسئَلَةً مَلَکَ رِقَّهُ. قِيلَ اَيَبيْعُهُ وَيَشْتَرِيهُ ؟ قالَ بَلْ يأْمُرُهُ وَيُنهاهُ .

جس نے کسی کو ایک مسئلہ دکھایا وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: کیا وہ اسے خرید و فروخت بھی کر سکتا ہے؟ فرمایا: بلکہ وہ اسے امر و نہی کر سکتا ہے۔ (منیۃ المرید ص۲۴۳، ناشر کتب اعلام اسلامی)

کسی عالم نے یوں کہا ہے:

اُهِينُ لَهُمْ نَفْسِی لِكَیْ يُكْرِمُونَها

وَلَنْ تُكْرَمَ النَّفْسُ الَّتی لا تُهِينُها

میں علماء کے سامنے اپنے نفس کی تحقیر کرتا ہوں تا کہ وہ میرے نفس کا احترام کریں اور ایسے نفس کا کبھی احترام نہیں کیا جائے گا جو اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھتا۔

چھٹا ادب: اُستاد کی کسی بات پر انکار نہ کرے، اس کے ساتھ آمرانہ رویہ اختیار نہ کرے اور نہ اس کے خلاف کوئی اشارہ کرے اور یوں سمجھے کہ وہ اس سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے بلکہ اس کے تمام امور میں تابعداری کی جائے اور اپنے کاموں کے اختیار کو اس کے حوالے کرے اور اس کی نصیحت اور رضایت کو اگر چہ اپنی رائے کے برخلاف ہو، قبول اور اس کا اعتراف کرے اور کسی رائے یا اختیار کے سلسلے میں اس سے پہل نہ کرے۔ ہر کام میں اس سے مشورہ کرے، اس کے حکم پر عمل کرے اور زبان وقلب کی رو سے اس کی رائے اور تدبیر سے خارج نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے: استاد کی غلطی شاگرد کے لئے اس کے جی میں پائے جانے والے حق سے زیادہ نفع بخش ہے اور حضرت موسیٰ اور خضر + کے قصے میں اس بات کی تنبیہ پائی جاتی ہے۔

بعض افاضل نے اپنے اساتید سے نقل کیا ہے: میں نے اپنے استاد سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا: ''میں نے خواب میں آپ کو مجھ سے ایسا ایسا کہتے ہوئے دیکھا تو میں نے آپ سے کہا، ایسا کیونکہ کر ہوسکتا ہے؟'' یہ سننے پر استاد نے ایک ماہ تک مجھ سے کنارہ کشی کی اور مجھ سے بات نہیں کی پھر فرمایا: اگر تیرے نفس میں میرے قول کے خلاف اپنی رائے نہ پائی جاتی اور اس سے انکار نہ رکھتے تو خواب میں تیری زبان سے ایسی باتیں نہ نکلتیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ خواب میں دیکھنے والی چیزیں بیداری میں دل پر غالب خیالوں کے خلاف ہو۔

ساتواں ادب: اس سے مخاطب ہونے یا اس کی باتوں کے جواب دینے میں اس کی تعظیم کا خیال رکھے چاہے اس کے سامنے ہو یا اس کی غیر موجودگی میں اور اس سے تائے خطاب (جیسے قلتَ یعنی تم نے کہا) اور کافِ خطاب جیسے (انکَّ یعنی تو) کے ذریعے مخاطب نہ ہو اور اسے دور سے نہ پکارے بلکہ یوں کہے "یا سیدی" "یا استاذ" وغیرہ وغیرہ۔ نیز بطور احترام ہمیشہ صیغۂ جمع کے ذریعے اس سے مخاطب ہو جیسے "اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" یا "اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟" "خدا آپ سے راضی ہو" "آپ نے فرمایا ہے" "خدا آپ سے قبول فرمائے" یا "خدا آپ پر رحمت کرے" وغیرہ وغیرہ۔

اس کی غیر موجودگی میں اگر اس کا نام لینا چاہے تو ضرور ایسے القاب کے ساتھ لے جو اس کی عظمت کا آئینہ دار ہو جیسے جناب استاد، ہمارے استاد محترم یا حجۃ الاسلام وغیرہ وغیرہ۔

آٹھواں ادب: اپنے تئیں اس کے مقام کی تعظیم کرے، اس کی پیروی کرے، اور اسکی غیر موجودگی میں نیز اس کی موت کے بعد بھی اس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ جی ہاں! شاگرد کو اپنی پوری زندگی میں استاد کے حق میں دعا کرنے سے غفلت نہیں برتنی چاہئے، اگر کوئی اس کی غیبت کرے تو اس کو رد کرے اور اس قسم کی غیبت پر اس کی حمایت میں اس حد سے زیادہ ناراضگی کا اظہار کرے جتنا دوسروں کے حق میں کرنا واجب ہے اور اگر ایسا کرنے سے معذور ہو تو اٹھ کر مجلس کو چھوڑ دینا چاہئے۔

اور اس کی اولاد، عزیز و اقارب، دوستوں کا اس کی زندگی میں اور اسکی موت کے بعد بھی خیال اور لحاظ رکھے، اس کی قبر پر جانے اور اس کے لئے طلب مغفرت کرنے کو اپنا فریضہ سمجھے، اس پر ترحم کرے اور اسکی طرف سے صدقہ دے، اس کی رفتار و کردار کو اپنائے،

علم اور دین میں اس کی عادتوں کو اختیار کرے، عبادت و بندگی میں اس کے حرکات وسکنات کی پیروی کرے، اس کے آداب واطوار میں ڈھل جائے۔ اسی لئے نیک اور صالح استاد کے پاس پڑھنے کو اہمیت دی گئی ہے تاکہ اس کی نیک سیرت کی پیروی کی جائے۔ پھر اگر اس کی صفات اپنانے کے بعد اس سے بڑھ کر عمل کر سکے تو بہتر ہے ورنہ اس کی پیروی کرنے میں اتنا کافی ہے کہ شاگرد میں استاد کا اثر نمایاں ہو۔

نواں ادب: اس بات پر استاد کا شکر ادا کرے کہ اس نے، اس کو فضیلت والی چیزوں کی توفیق دلائی نیز ایسی حرکتوں پر اس کی سرزنش کی جس میں اس کا نقصان تھا، یا یہ کہ اُس کو سستیوں اور کوتاہیوں سے رہا کرنے پر تشکر کرے اور اسی طرح کے دوسرے کاموں کے سلسلے میں بھی کہ جن سے ٹوکنے میں شاگرد کی صلاح و راہنمائی پائی جاتی ہے، استاد کا شکریہ ادا کرے۔ اور ان امور کو استاد کے، شاگرد پر توجہ اور نظر کرم کے ذریعے کئے جانے والے جملہ انعامات میں سے شمار کرے کیونکہ ایسا کرنے سے استاد کا دل زیادہ سے زیادہ اس کی طرف مائل ہو جائے گا اور اس کی توجہ مزید شاگرد کی منافع کی طرف مرکوز رہے گی۔

اگر استاد کسی دقیق ادبی نکتے سے اس کو آگاہ کرے تو اگرچہ وہ پہلے سے اس کو جانتا ہو پھر بھی اپنے علم کا اظہار نہ کرے اور اس سے چشم پوشی کرے بلکہ اس سلسلے میں یاددہانی کرنے اور اس کے کاموں پر توجہ رکھنے پر استاد کا شکریہ ادا کرے تاکہ اس کی وجہ سے ضرورت کے وقت اس کی نصیحت حاصل کیجا سکے۔ ہاں اگر اپنی ان حرکتوں میں معذور ہو اور اس عذر سے متعلق استاد کو آگاہ کرنے میں زیادہ مصلحت ہو تو اس کو آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے، استاد کو عذر بیان نہ کرنے پر کوئی مفسدہ پیش آرہا ہو تو ضروری ہے کہ اس بارے میں استاد کو آگاہ کرے۔

دسواں ادب: شاگرد کو چاہئے کہ استاد کی طرف سے کی جانے والی سختیوں اور بداخلاقیوں کے مقابلے میں صبر کا مظاہرہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امور استاد کی قربت اور اس کی نسبت پائی جانے والی عقیدتوں کی راہ میں اس کے لئے رکاوٹ بنیں۔ اس کے ان افعال کی اچھی توجیہ کرے اور انہیں صحت پر حمل کریں جو بظاہر مذموم اور نامناسب نظر آتے ہوں اور اگر کوئی ایسا نہیں کرسکتا ہے تو فقط قلتِ توفیق کی بنا پر ہے۔

اگر استاد سے سختی اور تندروی کا مشاہدہ کرے تو بھی خود ہی استاد سے عذر خواہی کرے اور اس سلسلے میں توبہ وطلب استغفار کرے اور خود کو ہی ایسی سختی کا موجب اور ڈانٹ ڈپٹ کا حقدار سمجھے کیونکہ اس طرح کرنے سے استاد کی محبت مزید پائیدار ہوگی اور اسکے دل کو زیادہ تسخیر کرے گا نیز طالب علم کو دنیا و آخرت میں زیادہ منفعت حاصل ہوگی۔

کسی ماسلف نے کہا ہے: جو طالب علمی کی ذلت وخواری کو برداشت نہیں کرے گا اس کی بقیہ عمر جہالت کی تاریکی میں رہے گی اور جو اس پر صبر کرے گا تو اس کا انجام دنیا و آخرت میں سرفرازی ہوگی۔

اس سلسلے میں ابن عباس رضؓ کا یہ مشہور قول ہے: میں نے طالب علمی میں خواری اٹھائی تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

کسی بزرگ نے کہا: اس شخص کی مثال جو استاد پر برہم ہوتا ہے، اس آدمی کے مانند ہے جو جامع مسجد کے بڑے ستونوں پر غضبناک ہو جائے۔

سفیان بن عُیَیْنَہ سے کہا گیا: تمہارے پاس زمین کے گوشہ وکنار سے لوگ استفادہ کے لئے آتے ہیں اور تم ان پر برہم ہوتے ہو جو اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس پر اس نے جواب میں کہا: اگر وہ میری بداخلاقی پر، اپنی منفعت کو

چھوڑ جائیں تو وہ بھی تیرے طرح بے وقوف اور احمق ہیں۔

کسی نے یوں کہا ہے:

اِصْبِرْ لِدائِک اِنْ جَفوْتَ طَبیَہُ

واصْبِرْ لِجَہْلِکَ اِنْ جَفوْ تَ مُعَلِّماً

اگر طبیب سختی کرے تو اپنے مرض کی خاطر برداشت کرو اور اگر استاد تندروی کرنے لگے تو اپنے جہل کی خاطر سہ جاؤ۔

گزشتہ نیک علماء کے، اپنے اساتیدَ کے ساتھ کئے جانے والے صبر و حمل کے بارے میں (تاریخ میں) عجیب و غریب واقعات پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم ان کو یہاں درج کریں تو گفتگو بہت طولانی ہوگی۔

گیارھواں ادب: یہ کوشش ہونی چاہئے کہ استاد کے آنے سے پہلے مقام درس میں حاضر ہو جائے اور اپنے نفس کو اس کا پابند بنائے۔ اگر شاگرد استاد سے پہلے پہنچ جائے تو دروازے پر کچھ دیر استاد کا منتظر رہے تاکہ استاد کے بعد دَرس میں حاضر ہو جاے۔ نیز اسے چاہئے کہ استاد کو اپنے انتظار میں نہ رکھے کیونکہ بغیر عذر کے ایسا کرنے والا یقیناً اپنے آپ کو مذمت اور ناراضگی کا نشانہ بنادے گا۔ خدا ہی ہمیں (ایسی ملامت اور مذمت) سے محفوظ رکھے۔

یاقوت بن عبداللہ نے اپنی کتاب مُعجم الادَباء میں ہارون بن قیسی قرطبی سے نقل کیا ہے اس نے کہا: ہم ابوعلی قالی کے پاس آمدورفت کیا کرتے (اور ان سے استفادہ) کرتے تھے۔ بہار کا موسم تھا ایک دن ہم راستے میں بارش سے دوچار ہوئے اور جب ان کے پاس پہنچے تو میرے پورے کپڑے بھیگ چکے تھے جبکہ ابوعلی کے اردگرد شہر کے بڑی شخصیات

بیٹھے ہوئے تھے۔ابوعلی نے مجھے اپنے نزدیک بلا کر کہا: خوش آمدید اے ابونصر! اس اتفاق پر پریشان نہ ہو رطوبت ختم ہو جائے گی اور جلد ہی کپڑے سوکھ جائیں گے۔ میں تجھے ایک اور لباس دے دیتا ہوں تم اسے پہن لو۔ اس کے بعد ابوعلی قالی نے جو ابن مجاہد کے پاس آتے جاتے رہتے تھے کہا: ایک دفعہ میں رات کی آخری پہر میں شوق دیدار سے ان (ابن مجاہد) کی طرف چل نکلا۔ جب میں اس (بیرونی) دروازے پر پہنچا جس سے گزر کر میں اس کے گھر پہنچ جایا کرتا تھا تو دیکھا کہ وہ بند ہے اور کھلنا میرے لئے مشکل ہے تو میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا میں یوں اپنی صبح کا آغاز کروں؟ اور قربت پانے میں (اس اتفاق سے) مغلوب ہو جاؤں! پھر میری نظر اس باریک راستے پر پڑی جو دروازے کے پہلو سے گزرتا تھا۔ میں مشقت کے ساتھ اس میں گھس گیا۔ جب درمیان میں پہنچا مجھ پر راہ تنگ اور دشوار ہوئی اور وہاں سے باہر بھی نکل نہ سکا اور نہ اندر جا سکا۔ لہذا میں نے مزید زبردستی اور دشواری کے ساتھ وہاں سے گزرنے کی کوشش کی اور سرانجام وہاں سے گلوخلاصی حاصل ہوئی جبکہ میرے کپڑے پھٹ چکے تھے اور میرا بدن اس قدر متاثر (اور مجروح ہو چکا تھا) کہ میری ہڈی نظر آنے لگی۔ بہر حال اللہ نے اپنے کرم سے مجھے وہاں سے نکال دیا۔ جب اس حالت میں استاد کی مجلس میں پہنچا تو ابن مجاہد نے (مجھ سے) کہا: یہ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟ میں نے اپنا ماجرا سنایا تو اس نے حماسہ کے یہ اشعار سنا دئے۔

دَبَبْتُ بِالْمَجْدِ والسّاعُونَ قَدْ بَلَغُوا
جَهْدَ النُّفُوسِ وَاَلْقَوْا دُونَهُ الْاِزْراً
وَكابَدُوا الْمَجْدَ حَتّى قَلَّ اَكْثَرُهُمْ
وَفازَ بِالْمَجْدِ مَنْ وافى وَمَنْ صَبَراً

لا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمْراً اَنْتَ آكِلُهُ

لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حتی تَلْعَقَ الصَّبِرا

۱۔تم مجد و بزرگی کے (حصول) کے لئے رینگ رہے ہو جبکہ (اس سلسلے میں) کوشش کرنے والوں نے اپنی چوٹی کا زور لگا کر مجد و بزرگی کو پالیا ہے۔

۲۔انہوں نے عزت و بزرگی کے لئے بڑی تکلیفیں برداشت کی یہاں تک کہ (ان میں سے) اکثر اکتا گئے۔جی ہاں مجد و بزرگی پانے میں صرف وہی کامیاب ہوسکتے ہیں جو پوری وفاداری اور استقامت کا مظاہرہ کرے۔

۳۔مجد و بزرگی کو خرمے کی طرح خیال نہ کرنا کہ آسانی سے اسے کھا سکو۔اس وقت تک کبھی مقام و بزرگی کو نہیں پاسکو گے کہ جب تک تلخیوں کو نہ چکھے۔

بارھواں ادب: مجلس عام کے علاوہ ،استاد کی خدمت میں اس کی اجازت کے بغیر حاضر نہ ہو اس میں کوئی فرق نہیں کہ استاد کے ساتھ کوئی دوسرا ہو یا وہ تنہا ہو۔اگر اجازت طلب کرے اور یہ جان لے کہ استاد نے اجازت نہیں دی ہے تو دوبارہ اجازت طلبی نہ کرے اور اگر شک ہو جائے (کہ استاد اس کی اجازت طلبی سمجھ چکے ہیں یا نہیں) تو تین مرتبہ تک دھرائے لیکن اس سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے یا تین دفعہ دروازہ کھٹکھٹائے یا اس کی زنجیر کھڑ کھڑائے۔لیکن دروازے کو انگلیوں کے ناخونوں سے آہستہ کھٹکھٹانا چاہئے پھر انگلیوں سے اور اس کے بعد دھیمی آواز میں زنجیر کو کھڑ کھڑائے۔اگر استاد اجازت دے اور داخل ہونیوالے گروہ کی شکل میں ہوں تو ان میں سے جو زیادہ بافضیلت اور عمر میں بڑا ہو پہلے داخل ہو کر استاد کو سلام کرے گا اس کے بعد بالترتیب ان میں سے افضل استاد کو سلام کرے گا۔

تیرھواں ادب: استاد کے پاس اس حالت میں حاضر ہو کہ صحیح وضع اور حالت میں ہو، دل تمام مشغولیتوں اور خیالات سے فارغ ہو، ذہن صاف اور طبیعت شرشار وشاداب ہو ، نہ یہ کہ اونگتے ہوئے یا غصہ، بھوک اور پیاس وغیرہ کے ساتھ ہو۔ اپنے آپ کو ان امور کے حوالے سے پاک صاف رکھے: مثلاً؛ مسواک کرنا، ناخون کاٹنا، بال چھوٹے کرنا، بدبوؤں کو دور کرنا، اچھے لباس پہننا وغیرہ مخصوصا اگر علمی محفل میں جانے کا قصد کرے کیونکہ علمی محفل ذکر خدا اور اجتماعی عبادت محسوب ہوتی ہے اور یہ مذکورہ امور اس کے آداب میں ہیں۔

چودھواں ادب: ان اوقات میں استاد کے پاس درس نہ پڑھے جب وہ مشغول ہو، یا ملول، نیند، بھوک یا پیاس میں ہو یا جلدی میں ہو یا اضطراب، استراحت یا ایسی ہی کسی اور حالت میں ہو جس کے ساتھ اس کے لئے بحث کرنے میں دشواری پیش آئے۔ البتہ اگر ان حالات میں بھی استاد خود بلائے تو جیسے بھی ہو اسے قبول کرنا چاہئے۔

پندرھواں ادب: جب کسی خصوصی مجلس میں استاد کے پاس پہنچے جبکہ کوئی دوسرا شخص اس سے بات کر رہا ہو تو اس صورت میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے یا کسی ایسے وقت میں پہنچے جبکہ استاد تنہا ہو لیکن نماز میں ہو یا کوئی کتاب پڑھ رہا ہو یا ذکر میں ہو یا مطالعہ میں ہو یا لکھ رہا ہو تو اگر وہ ان کاموں کو چھوڑ اس کے ساتھ بات شروع نہ کرے یا بات تو شروع کرے لیکن تفصیلا نہ کرے تو اس صورت میں اس کو سلام کر کے فوراً اس کے پاس سے نکل آنا چاہئے سوائے یہ کہ خود استاد اس کو رکنے کے لئے کہے تو رکنا چاہئے لیکن اتنا طولانی بھی نہیں مگر یہ کہ اسے اس پر امر ہو جائے۔ (شاگرد کو ان تمام امور کا اس لئے خیال رکھنا چاہئے کہ) کہیں وہ ان لوگوں میں شمار نہ ہو (جن کے بارے میں کہا گیا ہے:) جو کسی کو یاد

خدا سے مشغول رکھے اس وقت اسے غضب خدا لے ڈالے گا۔

سولھواں ادب: اگر درس کے مقام پر جائے اور دیکھے کہ ابھی استاد نہیں پہنچے ہیں تو انتظار کرے اور خود کو اس کے درس سے محروم نہ کرے کیونکہ ہر درس جو ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اس کا تدارک نہیں کیا جاسکتا ہے۔

شاگرد کو چاہئے کہ رات میں استاد کے پاس نہ جائے تاکہ (دروازہ کھڑکھڑانے پر) اسے باہر نکلنے کی تکلیف نہ ہو، اگر استاد کے سوتے ہوئے پہنچے تو اس کے جاگنے تک صبر کرے یا چلا جائے اور بعد میں لوٹ آئے البتہ صبر کرنا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے، اسے نہ خود بیدار کرے اور نہ کسی اور کو کہے کہ اسے بیدار کرے۔ چنانچہ علمائے ماسلف بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اور ابن عباس ؓ سے بھی یوں ہی نقل ہوا ہے۔

سترھواں ادب: استاد سے ایسے وقت میں درس دینے کا تقاضا نہ کرے جو اس کے باعث مزحم ہو یا ایسے وقت میں اسے درس دینے کی عادت نہ ہو۔ اسے دوسروں سے جداگانہ صرف اپنے لئے خاص وقت نکالنے کے لئے بھی نہ کہے اگرچہ وہ ممتاز اور سرِ گروہ ہو کیونکہ ایسے کرنے میں اپنے اور استاد بلکہ خود علم کی نسبت بھی تکبر اور کم عقلی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ کبھی تو ایسا کرنے سے استاد کو حیاء مانع ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے، اس سے مہم کام (یعنی تدریس) کو ترک کر دیتا ہے پھر ایسا طالب علم کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اگر خود استاد اس شاگرد کو مجلس میں شریک ہونے سے پیش آنے والی کسی معذوری کی بنا پر یا کسی اور مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی خاص وقت معین کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اٹھارھواں ادب: استاد کے سامنے ادب و وقار سے عاجزانہ اور خصوع وخشوع کے

ساتھ سر جھکائے بیٹھا کرے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ حالت افتراش یعنی دو بازوؤں یا ہتھیلیوں کو زمین پر پھیلا کر بیٹھے یا سرین کے سہارے بیٹھا کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ اقعاء کی حالت میں بیٹھ جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں پاؤں کو اس طرح زمین پر رکھے کہ اس کا بدن یا سرین دونوں پاؤں کے کف پر قرار پائے نیز اسے اپنے پیروں کو ڈھانپنے اور کپڑوں (جیسے عبا و قبا وغیرہ) کے کِھسک جانے کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔

انیسواں ادب: یہ بھی مذکورہ بالا ہی کے مانند ہے کہ وہ استاد کے سامنے دیوار یا کسی قسم کے تکیے پر ٹیک نہ لگائے اور نہ اپنے ہاتھ کو کسی چیز پر رکھے اور نہ اس کی طرف پہلو یا پشت کرے۔ اپنے آگے، پہلو یا پشت کی طرف ہاتھ کا سہارا نہ لے، اور نہ اپنے پاؤں، ہاتھ یا بدن کے کسی بھی حصے کو یا اپنے کپڑے کو استاد کے کپڑوں، تکیے یا اس کی جائے نماز پر رکھے۔

کسی بزرگ نے کہا ہے: استاد کی تعظیم کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ استاد کی طرف پہلو کر کے نہ بیٹھے اور نہ اس کے تکیے یا سجادہ پر بیٹھے۔ اور اگر استاد ایسا کرنے کا حکم کرے تو اس صورت میں اس پر عمل کرنے یا ادب کا خیال رکھتے ہوئے نہ کرنے میں گفتگو ہوئی ہے۔ لہذا اصحابِ (رسول خدا ﷺ) کے مختلف گروہوں سے منقول روایتوں کے مطابق وہ ان صورتوں میں سے ایک کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے برخلاف ان بزرگوں کے بعد میں آنے والوں میں اختلاف رہ چکا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تفصیل کا قائل ہوں (یعنی اگر قاطعانہ اور شدت کے ساتھ حکم کرے تو اس پر عمل کرے ورنہ ادب کو اپناتے ہوئے اس پر عمل نہ کرے کیونکہ ممکن ہے اس نے مروّت اور اسکو اہمیت دیتے ہوئے ایسا کیا ہو)۔

بیسواں ادب: یہ ادب سب سے اہم ہے یعنی پوری توجہ کے ساتھ استاد کی طرف رخ کر کے اس کی باتوں پر کان دھرے اور اسی کی طرف دیکھتے رہے نیز اس کی باتوں پر غور کرے۔ باین معنی کہ اسے اپنی بات دوبارہ دوہرانا نہ پڑے۔ جب تک کوئی ضرورت پیش نہ آئے نگاہوں کو اپنے استاد کی طرف مرکوز رکھے اور دائیں بائیں یا آگے پیچھے نہ دیکھے۔ مخصوصا جب گفتگو اس کے ساتھ کیجا رہی ہو تو مناسب نہیں ہے کسی اور کی طرف نگاہ کرے۔ اسی طرح کسی شور یا چیخ کے سننے پر بے چین نہ ہو اور خاص طور پر بحث کے دوران ایسی چیزوں کیطرف دھیان نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے سینہ یا ناک سے کوئی رطوبت صاف کرنے سے گریز کرے۔ اپنے منہ سے بلغم وغیرہ کو باہر نہ پھینکے بلکہ اسے رومال وغیرہ سے صاف کرے، ڈھکار نہ لگائے، انگڑائی نہ لے، زیادہ جمائی نہ لے اور اگر روکنے کی کوشش کے باوجود جمائی آئے تو منہ کو ڈھانپ دے، اسی طرح اگر چھینک آجائے تو آواز کو روکنے کی کوشش کرے اور اپنا منہ رومال وغیرہ سے ڈھانپ دے۔

اکیسواں ادب: یہ بھی تقریبا مذکورہ ادب کے قبیل ہی سے ہے کہ بغیر کسی وجہ کے اپنی آواز کو زیادہ بلند نہ کرے، استاد کی مجلس میں سرگوشیاں نہ کرے، کسی کی طرف آنکھوں سے اشارہ نہ کرے، ضرورت کے بغیر زیادہ بات نہ کرے اور نہ کوئی ایسی گفتگو کرے جو دوسروں کو ہنسائے یا اس میں حماقت پائی جاتی ہو یا مخاطب کی برائی اور بے ادبی پر مشتمل ہو بلکہ ایسی چیزوں کے بارے میں بات ہی نہ کرے جن کے بارے میں پوچھا نہ جائے۔ جب تک استاد سے اجازت نہ لے کوئی بات نہ کرے، بے وجہ نہ ہنسے بلکہ استاد کے سامنے کسی تعجب آمیز بات پر بھی نہ ہنسے اور اگر ہنسی غالب آئے تو آواز کے بغیر مسکرا سکتا ہے۔

شاگرد کو چاہئے کہ استاد کے حضور میں کسی کی غیبت کرنے سے مزید محتاط رہنا چاہئے ،

کسی کے بارے میں چغلی نہ کرے اور استاد کو ایسا قول نقل کرنے سے باز رہے جس میں اس کی برائی ہو۔ جیسے (یوں کہنا کہ فلاں) استاد کی عیب جوئی کر رہا تھا، یا ان کے بارے میں بدگوئی کرے یا ایسی بات ہو جو استاد کی رائے کے ردّ پر مشتمل ہو۔ یا استاد کو اپنی طرف زیادہ متوجہ کرنے پر اکساتے ہوئے یوں کہے: فلاں چاہ رہا تھا کہ میں اس کے پاس پڑھوں یا یوں کہے: میں تو فلاں استاد کے پاس ارادہ رکھتا تھا لیکن آپ کی خاطر اسے چھوڑ دیا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ایسا کرنے والے ان حماقت اور ریا کاری کی وجہ سے مکروہ، حرام یا گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ، توہین اور دھتکارے جانے کے بھی مستحق ٹھہرتے ہیں چنانچ حضرت علیؑ سے منقول گذشتہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بائیسواں ادب: جتنا ہو سکے اپنے استاد کے ساتھ اچھے انداز میں مخاطب ہو اور (اس کے بیان کے جواب میں) یوں نہ کہے: کیوں؟ ہم نہیں مانتے، نہیں، کس نے نقل کیا ہے، اس کی سند کہاں ہے، اور نہ ایسا کہے کہ جو کچھ ہمارے ذہن میں ہے یا نقل ہوا ہے اس کے برخلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر واقعی طالب علم اس کی سند یا اس شخص کے بارے میں جاننا چاہے جس سے اس نے یہ بات نقل کی ہے تو اس مقصد کے لئے بڑی نرمی کے ساتھ پیش آئے اور پھر اگر (ایسا کرنا استاد سے) استفادہ کرنے کی غرض سے ہو تو کسی اور محفل میں ہی بہتر ہوگا۔

اسی طرح، شاگرد کو چاہئے کہ اس طرح چون و چرا کے بجائے ایسا کہے کہ اگر ہمیں یوں کہا جائے تو؟ یا اگر ہم اس کو قبول نہ کریں تو؟ یا اگر ہمیں اس کے بارے میں پوچھا جائے؟ یا یہ کہے کہ اگر اس طرح کا اعتراض ہو جائے؟ وغیرہ وغیرہ، تا کہ آداب اور اچھے الفاظ

کے ذریعے اس سے جواب حاصل کرے۔

جب استاد کسی ایسے قول یا دلیل پر اصرار کرے جو اس پر واضح نہ ہو یا چوک سے غلط کہا ہو تو شاگرد کو اپنا منہ نہیں بگاڑنا چاہئے اور نہ تیوری چڑھائے اور دوسروں کی طرف اس انداز میں اشارہ بھی نہ کرے جیسے اس کے قول کو نہ ماننے والا کرتا ہے بلکہ گشادہ روئی کے ساتھ اسے قبول کرے اگرچہ استاد، غفلت، چوک یا اس سلسلے میں کوتاہ نظری کی وجہ سے حق پر نہ ہو کیونکہ انسان میں غلطیوں سے بالکل بری رہنے والے صرف انبیاء (اور دیگر معصومین ؑ) ہیں۔

شاگرد کو بے مہابا استاد کی ردّ میں بات نہیں کرنی چاہئے مثلاً یہ نہ کہے کہ ''یوں نہیں'' کیونکہ ایسی حرکتیں صرف بے ادب افراد ہی کیا کرتے ہیں۔ اگر شیخ اس سے کہے: کیا تم نے یوں کہا تھا؟ تو وہ یوں نہ کہے: نہیں، میں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ یا استاد کہے: اس سوال سے تمہارا یہ مقصد ہے؟ یا کیا تمہارے لئے یہ خطر درپیش ہے تو یہ نہ کہے: ''نہیں'' یا میرا مقصد یہ نہیں ہے، یا مجھے یہ خطرہ لاحق نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، بلکہ نہایت نرمی کے ساتھ استاد کو جواب دینا چاہئے۔

اور اسی طرح استاد جب کسی بات کو سوالیہ اور قاطعانہ اندز میں پوچھے: جیسے وہ کہے: کیا تم نے یوں نہ کہا تھا؟ کیا تمہارا مقصود یہ نہیں ہے؟ تو اس کے قول کو لفظ ''لا'' اور ایسے ہی دوسرے الفاظ کے ذریعے رد کرنے میں پہل نہ کرے بلکہ اس پر خاموشی اختیار کرے یا اس میں ایک خوبصورت طریقے سے توریہ کر کے استاد کے اسی مطلب کو اپنا مقصد سمجھے اور اگر اس کے لئے اپنے مقصد کو بیان کرنے کے علاوہ اور راہ نہ ہو تو یوں کہے: اب میں یوں عرض کرتا ہوں یا میرا یہ نظریہ ہے پھر اپنی مراد کو بیان کرے۔ اور یوں نہ کہے کہ: یہی

میں نے بھی کہا ہے یا یہی میرا مقصود تھا کیونکہ ان میں استاد کے مقابلے میں رد کا پہلو پایا جاتا ہے۔

تیئیسواں ادب: یہ بھی مذکورہ بالا ادب کے قبیل میں سے ہے کہ جب استاد کسی چیز کے لئے علت بیان کرے جبکہ اس کا تکملہ بھی پایا جاتا ہو لیکن استاد اسے بیان نہ کر رہا ہو یا کوئی بحث کرے جس پر کوئی اشکال ہو لیکن اس اشکال کو بیان نہ کرے یا اشکال تو پیش کرے لیکن اس کا جواب نہ دے جبکہ اس کا جواب پایا جاتا ہو تو ان صورتوں میں شاگرد کو جواب دینے میں پہل نہیں کرنا چاہئے اور نہ استاد کے پیٹھ پیچھے اس سلسلے میں کی گئی کوتاہی کا سبب بیان کرتا پھرے بلکہ اس کو چاہئے کہ نہایت نرمی کے ساتھ ان کوتاہیوں کی طرف اشارہ کرے مثلاً یوں کہے: ''آپ نے اس اشکال کے جواب کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔'' اور اسی طرح کی دیگر تعبیرات اختیار کرے۔ تو اگر استاد ایسے اشاروں سے متوجہ ہوا تو ٹھیک ورنہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کرے مگر یہ کہ خود استاد اجازت دے یا اس بات کا علم ہو جائے کہ استاد شاگرد کے جواب دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

چوبیسواں ادب: یہ بھی مذکورہ ادب کے نوع میں سے ہے اور وہ یہ کہ استاد سے ایسے انداز میں مخاطب ہونے سے گریز کرے جو بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے اور جو نامناسب ہوتا ہے جیسے یوں کہے: تمہیں کیا ہوا ہے؟ سمجھ گئے تم؟ سنا تم نے؟ کیا جانتے ہو؟ واہ جی کیسے آدمی ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ان الفاظ کے ذریعے بھی مخاطب نہیں ہونا چاہئے جن کے ذریعے دوسروں سے مخاطب ہو سکتا ہے لیکن استاد کے لئے موزون نہیں۔ اگرچہ وہ دوسروں کا قول ہی نقل کیوں نہ کر رہا ہو جیسے وہ کہے: فلاں نے فلاں سے کہا: تجھ میں حیاء کی کمی ہے، تم بہت کم ہی نیکی کرتے ہو، تجھ میں خیر ہی نہیں یا تمہاری کھوپڑی میں دماغ ہی

نہیں وغیرہ وغیرہ ۔ بلکہ اگر وہ حکایت کو معمول کے مطابق نقل کرنا چاہے تو کنایہ اور اشاروں کے ساتھ بیان کرنا چاہئے جیسے کہے: فلاں نے فلاں سے کہا کہ اُس میں خیر نہیں پائی جاتی ، یا فلانے میں خیر ہی پائی نہیں جاتی ۔ اوراس طرح کے کنائے احادیث میں بھی وارورد ہوئے ہیں کہ جن میں لفظ الابعد یاالبعید استعمال کیا گیا ہے۔(۱۔ایک شخص رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کرنے لگا: انَّ الأبعد قدزنی اوراس کامعنی ہے: وہ خیر برکت سے دور ہوااس نے یقیناً زنا کیا ہے۔اور یہاں لفظ البعد سے قائل نے اپنانفس مرادلیا ہے۔۔) یعنی ضمیر مخاطب کی جگہ ضمیر غائب استعمال کرے(جو کہ ادب کی نشانیون میں سے ہے)۔

پچیسواں ادب: اگر استاد کسی لفظ کواس انداز میں تحریف کرنے لگے کہ جس کی توجیہ مسخرہ آمیز(یانا معقول) ہوتو اس پر ہنسنا یا ٹھٹے نہیں مارنا چاہئے اور نہ اس کواس انداز میں دھرائے کہ گویا وہ اس سلسلے میں استاد پر سبقت لے جانے والا ہے اور دوسرے کو آنکھ یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرے، کیونکہ (انسان کی) زبان سے اکثر غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور وہ معلوم نہیں ہوا کرتیں مخصوصا اس مقام پر جہاں اس کا عذر قابل قبول ہوتا ہے۔ اگر کوئی استاد سے سرزد ہونے والی مذکورہ لغزشوں پر ہنسے تو اس نے اپنے آپ کو حرمان ، خسارت اور مصیبت میں گرفتار کیا ہے جو کہ ڈانٹ ، دھمکی اور دھتکار اور ملامت کا مستحق ہوگا ۔اس کے علاوہ یہ کام خدائے سبحان، اس کے ملائک ، انبیاء اور اولیاء کے غضب کا بھی موجب بنتا ہے۔

چھبیسواں ادب: استاد یا کسی اور سے پوچھے گئے سوال کی شرح یا اس کے جواب میں استاد سے پہل نہ کرے مخصوصا جب سوال دوسرے سے کیا گیا ہو اور استاد نے توقف کیا ہو اور نہ اس سلسلے میں اس کی ہمنوائی کرے نیز اس کے جاننے یا سمجھنے کا اظہار بھی نہ

کرے۔ البتہ اگر استاد خود اپنی محبت سے موقع دے یا یہ کہ استاد پہلے سوال پیش کرے پھر جواب کے لئے اس سے کہے تو کوئی حرج نہیں۔

ستائیسواں ادب: کسی بھی موقع پر استاد کی بات کو نہ کاٹے اور نہ اس سلسلے میں اس سے پہل کرے اور نہ اس کی ہمنوائی کرے بلکہ جب تک استاد کی بات ختم نہ ہو صبر کرے پھر اپنی بات شروع کرے، جب استاد، اس کے یا مجلس کے حاضرین کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوں تو اسوقت اس کے ساتھ بات نہ کرے بلکہ اس کی پوری کوشش کے ساتھ استاد کی باتوں کو سننا چاہئے۔

اٹھائیسواں ادب: جب استاد کو کسی ایسے مسئلے کا حکم دیتے ہوئے یا کوئی تعجب آور مطلب یا شعر یا کوئی ایسا واقعہ بیان کرتے ہوئے سنے جو اس کو حفظ ہو تو اس کو چاہئے کہ شوق و تشنگی اور استفادہ کرنے والوں کی طرح اس پر کان دھرے گویا اس نے اس کو بالکل ہی نہ سنا ہو۔

کسی بزرگ نے کہا ہے: جب میں کسی شخص سے کوئی حدیث سنتا تھا جبکہ میں اس کو اس سے زیادہ بہتر جانتا تھا، تو میں اپنے تئیں یوں اظہار کرتا تھا کہ گویا اس بارے میں، میں نے کچھ بھی نہیں سنا ہے۔ یہی بزرگوار بیانکرتے ہیں: جب کوئی جوان مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو میں اس انداز میں اس پر کان دھرتا ہوں گویا میں نے اس کو سنا ہی نہیں حالانکہ میں اس کی پیدائش سے پہلے اسے سن چکا ہوں۔

اگر استاد ان چیزوں کے یاد ہونے کے بارے میں پوچھ لے تو جلد ہی ہاں کہہ کر جواب نہ دے کیونکہ اس میں استاد کے مقابلے میں تکبر کا شائبہ پایا جاتا ہے اور نہ ہی نہیں کہہ کر جواب دے کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔ بلکہ یوں کہے: میں آپ ہی سے استفادہ کرنا

چاہتا ہوں ، میں نے استاد ہی سے سنا ہے، میرے اوقات اس سے دور ہے یا آپ کا فرمانا زیادہ صحیح ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اگر جان جائے کہ استاد اس کے حفظ کے بارے میں خوش ہو کر معلوم کرنا چاہتا ہے، یا اس کے ضبط اور حفظ میں امتحان کرنے یا خود بھی ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے سنانے کا اشارہ کرے تو اس صورت میں استاد کی خوشنودی حاصل کرنے نیز اس سلسلے میں ان کو زیادہ رغبت دلانے کے لئے اس کی خواہش پر عمل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ۔

انتیسواں ادب: شاگرد کے لئے سزاوار نہیں کہ جس چیز کو وہ جانتا ہو اس سے متعلق دوبارہ سوال کرے یا اس مفہوم کے بارے میں جو وہ سمجھ چکا ہے کیونکہ ایسا کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے اور بسا اوقت استاد کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے:

اِعَادَةُ الْحَدِيثِ اَشَدُّ مِنْ نَقْلِ الصَّخْرِ . بار بار سوال کا دہرانا، چٹان (اٹھانے) سے زیادہ دشوار ہے۔

نیز چاہیئے کہ استاد کی باتوں پر توجہ کرنے اور سمجھنے میں کوتاہی نہ برتے اور ایسا بھی نہ ہو کہ اپنے ذہن کو کسی اور فکر یا بات کی طرف مشغول رکھے پھر استاد کی باتوں پر توجہ کرنے لگے، کیونکہ ایسا کرنا بے ادبی ہے، لہذا ابتدائے ساعت ہی سے اس کی باتوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے چنانچہ پہلے بھی بیان کیا گیا۔ بعض علماء ایسی حرکتوں کی وجہ سے (مطلب نہ سمجھنے پر) دہرانے کی درخواست کرنے پر نہیں دہرایا کرتے تھے اور سزا کے طور پر انہیں جھڑکتے تھے۔ البتہ استاد سے زیادہ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اس کی باتیں سنائی نہ دیں یا اس کی طرف رخ اور پوری توجہ کے باوجود نہ سمجھ سکے تو اس سے دہرانے یا دوبارہ سمجھانے کی درخواست کی جاسکتی ہے۔

تیسواں ادب: استاد سے کوئی بے محل سوال نہ کرے کیوں کہ ایسا کرنے والا جواب کا مستحق نہیں ہوا کرتا مگر یہ کہ اسے علم ہو کہ ایسے سوالات کرنا استاد برا محسوس نہیں کرتا لیکن بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں سوال نہ کرے۔ کسی سوال میں اس قدر اصرار نہ کرے کہ اس کی حوصلہ شکنی ہو جائے اور راستے میں اس کی منزل تک پہنچنے تک سوال کرتا نہ رہے۔

بعض بزرگوں سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے بعض شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: مجھ سے دین سے متعلق سوال نہ کرنا جبکہ راستہ چل رہا ہوں اور نہ اس وقت جب میں لوگوں سے محوِ گفتگو ہوں، اور نہ جب کھڑا ہوں اور نہ جب آرام میں ہوں کیونکہ ان اوقات میں انسان کا ذہن مستعد نہیں ہوتا۔ اس وقت تک مجھ سے سوال نہ کرو جب تک ذہن آسودہ نہ ہو۔

اکتیسواں ادب: سوال کرنے میں استاد کی فراغت اور رجایت کو غنیمت جانے اس سے سوال کرنے میں نہایت نرمی اختیار کرے اور اس کا جواب اچھے انداز میں دے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِلاقْتِصادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیشَةِ ، وَ التَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ ، وَحُسْنُ السُّؤالِ نِصْفُ الْعِلْمِ.

اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت، لوگوں سے اظہار محبت کرنا نصف عقل اور اچھے انداز میں سوال کرنا نصف علم ہے۔ (منیۃ المرید، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

بتیسواں ادب: اپنے لئے درپیش مسئلے میں سوال کرنے سے نہیں شرمانا چاہئے بلکہ اس کی پوری طرح توضیح طلب کرنی چاہئے کیونکہ جس کا چہرہ کمزور ہوگا اس کا علم بھی کمزور ہوگا اور جو سوال کرتے ہوئے جھجک محسوس کرے گا تو اس کا نقص اور کمزوری لوگوں کے

اجتماع پر ظاہر ہو جائے گی۔

امام جعفر صادق -فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی ھٰذا الْعِلْمِ قُفْلٌ وَمِفْتَاحُہُ المسئلۃ. یقیناً علم پر تالا لگا ہوا ہے اور اس کی چابی سوال ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ا ص ۱۰۹)

تینتیسواں ادب: جب استاد اس سے کہے: سمجھ گئے نا؟ تو جب تک اس پر مطلب پوری طرح واضح نہ ہو جائے ہاں نہ کہے تا کہ اس طرح اس سے جھوٹ سرزد نہ ہو کہ جس سے اس کا حافظہ کمزور ہو جائے۔ اور یہ کہنے میں جھجک محسوس نہ کرے کہ میں سمجھ سکا، کیونکہ یہ اس سلسلے میں اس کی ثابت قدمی سے اس کے لئے دنیا اور آخرت کی منافع حاصل ہوں گے۔ دنیا کی منفعت تو یہ ہے کہ اس نے مسئلہ حفظ کیا اور اپنے آپ کو جھوٹ اور اس منافقت سے محفوظ رکھا جس کا اس چیز کے سمجھنے کے اظہار سے مرتکب ہوتا تھا جسے وہ نہیں جانتا تھا نیز (دنیوی منفعت میں سے یہ ہے کہ) استاد کو اس بات پر عقیدہ اور توجہ ہوتا ہے اور یہ رغبت بھی کہ شاگرد، کمال عقل، تقوی اور نفسانی عادتوں کا مالک بن چکا ہے۔ رہی آخرت کی منافع تو وہ یہ ہیں کہ اس کا دل ہمیشہ حق پر ثابت رہے گا اور اسے اس پسندیدہ صلاحیت اور نیک سیرت کی عادت ہو جائے گی۔ خلیل بن احمد عزوص ؒ نے کہا ہے:

جہالت کی منزلت، حیاء اور خود بینی کے درمیان میں ہے۔

چونتیسواں ادب: اس کا ذہن استاد کی طرف مرکوز ہو باین معنی کہ اگر استاد اسے کسی چیز کا حکم دے، یا اس سے کوئی چیز پوچھے یا اس کی طرف اشارہ کرے تو دوبارہ اس کو دہرانا نہ پڑے بلکہ جلد ہی اسی کی طرف بڑھے اور اسے دوبارہ وبولنے کی فرصت نہ دے۔

پنتیسواں ادب: جب استاد اسے کوئی چیز دے تو اسے سیدھے ہاتھ سے لے اور جب

خود استاد کو کوئی چیز دیدے تو بھی دائیں ہاتھ س دے۔ مثلاً اگر استاد اس کو کوئی قصہ یا داستان وغیرہ پڑھنے کے لئے دیدے تو اس کو کھول کر پڑھے پھر دوبارہ استاد کو لوٹادے۔ البتہ اسی صورت میں کاغذ کو تہ کر کے استاد کو نہیں دینا چاہئے جب تک اس بات کا علم یا گمان نہ ہو کہ استاد ایسا کرنے میں راضی ہے۔ اور جب استاد سے کوئی ورق اٹھانے لگے تو استاد کے اس تہ کرنے یا (سیاہی سکھانے کے لئے) اس پر مٹی ڈالنے سے پہلے جلدی کر کے اسے اٹھالینا چاہئے۔ پھر اس کے بعد اس کو تہ کر کے اسے مٹی سے سکھا کر استاد کے حوالے کرنا چاہئے۔

جب استاد کو کوئی کتاب دیدے تو اسے کھول کر پڑھنے کے لئے تیار اسے دینا چاہئے بغیر اس کے کہ استاد کو کتاب پلٹا کر کھولنے کی ضرورت پڑے اور اگر کسی معین جگہے کو نکالنا مقصود ہو تو بھی مطلوبہ جگہے کی نشاندہی کر کے کتاب کو کھول کر استاد کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

کاغذ یا کتاب یا کسی اور چیز کو استاد کے سامنے پھینکنا نہیں چاہئے اور نہ ہی استاد سے فاصلے پر ہونے کی صورت میں (کوئی چیز دینے میں) اپنے ہاتھ کو اس کی طرف دراز کرے اسی طرح استاد کو بھی اس سے لینے یا اسے دینے میں اپنا ہاتھ دراز کرنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ شاگرد کو چاہئے کہ (ایسے موقع پر) باقاعدہ اٹھ کر جائے اور رینگتے ہوئے نہ جائے۔

جب کسی کام سے استاد کے پاس کھڑا ہو جائے یا بیٹھ جائے تو اس کے زیادہ قریب نہیں ہونا چاہئے اور نہ اسے، استاد کے لباس، بدن اور اس کے تکیے پر اپنا ہاتھ پیر یا بدن کا کوئی حصہ رکھنا چاہئے چنانچہ پہلے بھی ذکر ہو چکا۔

چھتیسواں ادب: استاد کو لکھنے کے لئے قلم پیش کرنا چاہے تو دینے سے پہلے اسے اچھی طرح آمادہ کرے، اس کی روئی کو صاف کرے اور اگر نوکِ قلم کا شگاف بند ہو چکا ہو تو اسے جدا کرے۔ اگر استاد کے سامنے دوات رکھنا چاہے تو اس کا ڈھکن کھول کر لکھائی کے تیار رکھے۔ اگر اسے کوئی چاقو دینا چاہے تو اس کا دھار اس کی طرف نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح اس کے دھار کو پکڑ کر دستے کو بھی اس کی طرف نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی چوڑائی میں، دستے کو پکڑ کر تیز رخ کو اپنی طرف رکھ کر اس طرح پیش کرے کہ اس کا دستہ استاد کے دائیں طرف واقع ہو۔

سینتیسواں ادب: اگر استاد کو نماز پڑھنے کیلئے جائے نماز دینا چاہے تو ضروری ہے کہ پہلے اس کو کھولے لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ جب استاد نماز پڑھنا چاہے تو اس کو بچھا ہی دے۔ کسی عالم نے فرمایا ہے: اگر سجادہ کو بچھادے اور اس پر کوئی تصویر ہو تو اسے قبلے کی طرف قرار دینا چاہئے البتہ ایسا امکان کی صورت میں ہے اور اگر تہ شدہ ہو (اور اس کو بچھانا چاہے) تو اس کے دونوں کناروں کو نماز گزار (یعنی استاد) کے بائیں طرف قرار دینا چاہئے۔

شاگرد کو چاہئے کہ 'جہاں مکان پاک ہو' استاد کے حضور میں جائے نماز پر جا کر نہ بیٹھے یا اس پر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ جائے نماز کو اپنے ہمراہ رکھنا اور اس کو استعمال کرنا لوگوں میں معمول ہو چکا ہو باین معنی کہ ایسا کرنا صرف بزرگوں اور اونچے طبقوں کا رواج نہ ہو، چنانچہ بعض ملکوں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

اڑتیسواں ادب: اگر استاد (نماز سے فارغ ہو کر) اٹھ جائے تو شاگردوں کو اس کی جائے نماز سمیٹنے میں پہل کرنا چاہئے بشرطیکہ سجادہ اٹھائی جا سکنے والی چیزوں میں سے ہو،

جہاں (سہارے کی) ضرورت پڑے اس کے ہاتھ یا بازو کو پکڑ لے اور اگر استاد پر گراں نہ گزرے تو اس کی جوتیاں سیدھی کرے۔ کہا گیا ہے: چار چیزیں ایسی ہیں جن کو شریف لوگ اگر چہ وہ امیر ہوں برا نہیں سمجھتے ۱۔ باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے کھڑے ہو جانا ۲۔اس عالم کی خدمت کرنا جس سے وہ علم حاصل کر رہا ہے ۳۔اس چیز کے بارے میں سوال کرنا جو وہ نہیں جانتا ۴۔مہمان کی خاطر تواضع کرنا

انتالیسواں ادب: جب استاد اپنی جگہ سے اٹھ جائے تو اس کے احترام میں اٹھ جائے اور جب تک وہ کھڑے ہو بیٹھ نہ جائے اور نہ ہی اس حالت میں لیٹ جائے جبکہ وہ کھڑے یا بیٹھے ہوئے ہوں بلکہ استاد کے حضور میں کبھی نہ لیٹے مگر یہ کہ سونے کا وقت ہو اور استاد اس بات کی اجازت دے تو اس صورت میں بہتر ہے کہ جب تک استاد سو نہ جائے وہ بھی نہ سوئے مگر یہ کہ خود استاد سونے کا حکم کرے کہ اس صورت میں اس کی اطاعت ہی کرنی ہوگی۔

چالیسواں ادب: اگر استاد کے ہمراہ چلے تو رات میں اس کے آگے آگے اور دن میں اس کے پیچھے ہونا چاہیئے مگر اینکہ دشواری اور کسی اور سبب سے حالات کا تقاضا اس کے برخلاف ہو یا استاد جس حالت کا حکم کرے گا اسی پر عمل کرے۔

شاگرد کو چاہیئے کہ ناواقف راستوں میں کیچڑ وغیرہ میں دھنسنے سے بچانے کے لئے استاد کے آگے رہے اور اسی طرح پرخطر راستوں میں اس کے آگے آگے رہے اور اس کے کپڑوں کو کیچڑ وغیرہ کے لگ جانے سے بچانے کی کوشش کرے اور اگر اس کام میں استاد کے لئے دشواری پیش آتی ہو تو اس کے آگے سے یا پیچھے سے شاگرد اپنے ہاتھوں سے استاد کے لباس کو سنبھالے۔

استاد کے آگے چلنے کی صورت میں ہر مختصر فاصلے پر اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اگر وہ تنہا ہو اور استاد اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے چل رہا ہو جبکہ دونوں سائے میں ہوں تو اس کو چاہئے کہ استاد کے دائیں طرف ہو بالکل اسی طرح جیسے ماموں امام کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور اس کے بائیں طرف خالی ہونا چاہئے کیونکہ ممکن بائیں طرف وہ تھوک یا آب بینی وغیرہ صاف کرے۔

کہا گیا ہے: تھوڑا آگے ہو کر اس کے بائیں طرف چلنا چاہئے جبکہ توجہ استاد کی طرف ہو۔ اگر استاد کسی سے ملاقات کرے یا کوئی بزرگ اس سے ملنا چاہے جبکہ استاد اس سے آشنا نہ ہو تو استاد کے لئے اس کا تعارف کرانا چاہئے۔

جب تک ضرورت نہ پڑے یا (استاد کی طرف سے) کوئی اشارہ نہ ہو، استاد کے برابر میں نہیں چلنا چاہئے اور اگر دونوں سوار ہوں تو اپنے شانوں اور رکاب کا استاد کے کپڑوں سے چھونے کے حوالے سے ہوشیار رہے۔ اگر موسم گرما ہو تو استاد سائے کی طرف ہو، سرما ہو تو دھوپ کی طرف ہو، پتھر بچھے ہوئے راستوں میں استاد دیوار کی طرف ہو اور اسی طرح (جہاں آنکھوں میں دھوپ لگ رہی ہو) تو استاد کو اسی طرف رکھنا چاہئے جہاں سے اگر وہ شاگرد کی طرف دیکھے تو دھوپ اس کی آنکھوں پر نہ پڑے۔

شاگرد کو استاد کے ساتھ گفتگو کرنے والے کے درمیان میں نہیں چلنا چاہئے۔ ان کے گفتگو کے دوران اس کو یا ان سے پیچھے ہونا چاہئے یا آگے رہے اور ان کی باتوں پر کان نہ دھرے اور نہ ان کی طرف رخ کرے۔ اگر وہ دونوں اسے گفتگو میں شامل کرے تو ان کے برابر میں چلنا چاہئے اور ان کے درمیان میں رکاوٹ نہ بنے۔

اگر استاد کے ہمراہ دو شاگرد ہوں تو ان میں سے بڑے والے کو اس کے دائیں طرف

اور چھوٹے کو بائیں طرف ہونا چاہئے۔

اگر راستے میں استاد سے ملے تو اسے سلام کرنے میں پہل کرے اور اگر فاصلے پر ہو تو اس کی طرف چل کر جائے اور اسے آواز نہ دے۔ اسی طرح اسے دور یا پیچھے سے سلام نہ کرے بلکہ اس کے نزدیک جا کر سلام کرے۔ شاگرد کو چاہئے کہ جب تک خود استاد اس سے مشورہ طلب نہ کرے اپنی طرف سے راستہ چلنے میں کو مشورہ نہ دے اسی طرح جس راستے سے چلنے کے لئے استاد اسے مشورہ دے تو استاد کی رائے کو کبھی رد نہیں کرنا چاہئے مگر یہ کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کرنا لازم ہو جائے یا یہ کہ استاد کی رائے درست نہ ہو تو اس صورت میں اسے نہایت نرمی اور حسنِ ادب کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہئے مثلاً یوں کہے: ظاہراً مصلحت اس میں نظر آتی ہے اور اس طرح کہے کہ: میری رائے یہ ہے یا درست یہ معلوم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ان آداب میں سے اکثر بلکہ ان میں سے مہم ترین آداب پر (قرآن وحدیث) کی نص دلالت کرتی ہے اور باقی آداب انہی طریقوں سے استنباط کئے گئے ہیں جن پر احکام (شرعی) مبنی واستوار ہیں اور ان احکام میں سے ایک یہ ہے کہ استاد وشاگرد کے آداب میں (انسان کی) مستقل اور مضبوط عادتوں کا پاس رکھنا چاہئے اور اللہ ہی کامیابی عطا کرنے والا ہے۔

....

تیسری قسم

شاگرد کے سبق سیکھنے اور پڑھنے کے آداب وظائف اور ان امور کے بارے میں ہے جن کو اسے اپنے استاد اور ہم درسوں کے ساتھ اپنانا چاہیئے۔

یہ قسم چند امور پر مشتمل ہے:

ا۔ مہم ترین امر یہ ہے کہ طالب علم کو سب سے ہلے کتاب خدا کو مضبوطی کے ساتھ حفظ کرنے میں مشغول ہونا چاہیئے کیونکہ وہی تمام علوم کی جڑ اور سب سے بنیاد ہے۔ علمائے ماسلف صرف انہیں کو فقہ وحدیث کی تعلیم دیتے تھے جو قرآن حفظ کیئے ہوتے تھے۔

جب قرآن شریف حفظ کر چکے تو اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول ہونے سے خبر دار رہنا چاہیئے جو قرآن میں سے کسی چیز کے بھولنے کا باعث ہوں یا اس پر بھول پن عارض ہونے کا موجب بنے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی (تفاسیر وغیرہ کے) سیکھنے نیز اس کے مسلسل ورد کا پابند رہنا چاہیئے۔

حفظِ قرآن، اس کی تفسیر اور دیگر علوم میں پختگی حاصل کرنے کے بعد ہر فن اور علم میں

سے اس قدر حفظ کرے کہ ان کے صدر و ذیل یعنی ابتدا اور انتہا کی شناخت کر سکے، اور اس سلسلے میں بتدریج اہم علم کو مقدم رکھنا چاہئے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل خاتمہ میں آ جائے گی۔

اس کے بعد اسے چاہئے کہ اپنے اساتید سے حفظ کئے ہوئے علوم کی تشریح و توضیحات طلب کرے اور ہر فن اور علم میں اس کے سب سے جاننے اور تحقیق کرنے والے پر اعتماد کرے اور اگر ہر روز دروس کی شرح کو دھرانا ممکن ہو تو ایسا ہی کرے ورنہ جتنا ممکن ہو اسی پر یا کم سے کم پر اکتفا کرے البتہ اس کے بارے میں پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

۲۔ مطالعہ کے سلسلے میں اتنے پر اکتفا کرنا چاہئے جتنا اس کا فہم تحمل کر سکے اور جو اس کے ذہن کے مناسب ہو نیز جتنا اس کی طبیعت پر بوجھل نہ ہو۔ ذہن و فکر کو پریشان اور حیران کرنے والی کتب یعنی گونا گوں اور متعدد تصانیف کو پڑھنے سے ہوشیار رہے کیونکہ ایسا کرنا اس کے اوقات کو ضائع اور ذہن کو منتشر کرنا ہے۔

جس کتاب کو وہ پڑھ رہا ہے اور جن فنون کو اس نے اختیار کیا ہے ان میں اپنی پوری کوشش صرف کرنی چاہئے یہاں تک کہ پختگی پیدا ہو تا کہ غلطیوں اور مختلف اور متعدد کتابوں کے پیچھے جانے سے بچتا رہے جو کہ طالب علم کے وقت کے ضائع اور ناکامی کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح اختلافات پائے جانے والی معقولات کی کتب کو بھی، (اس وقت تک نہ پڑھے) جب تک اس کا فہم پختہ اور حق پر اس کا نظریہ مضبوط نہ ہو اور اس کا ذہن جواب کے سمجھنے کے لئے آمادہ نہ ہوا ہو۔ یہ ایسا کام ہے جو مختلف انسانوں کی رو سے مختلف ہوا کرتا ہے اور اس سلسلے میں انسان اپنے نفس کو زیادہ جاننے والا ہے۔

۳۔ جس درس کو حفظ کرنا چاہتا ہے اس کو حفظ کرنے سے پہلے اپنے استاد یا کسی اور

ہمدرد شخص کے پاس قطعی طور پر تصحیح کرانی چاہئے پھر اس کے بعد اچھی طرح حفظ کرنا چاہئے نیز یہ کہ یاد ہونے کے بعد بھی اچھی طرح اس کی تکرار ہونی چاہئے پھر اس کی تکرار کے لئے مقرر کئے گئے وقت میں پابندی کے ساتھ دہراتا رہنا چاہئے تاکہ اس میں مزید رسوخ اور استحکام پیدا ہو اور یہی سلسلہ جاری رکھے جب تک مکمل طور پر حفظ نہ ہو۔

سِرے سے بغیر تصحیح کے اپنے طور سے کتاب سے حفظ نہ کرے چونکہ اس طرح کرنا تحریف وتصرف کا موجب بنتا ہے۔ چنانچہ ذکر کیا گیا کہ علم اپنے طور پر کتاب سے حاصل نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ روش سب سے زیادہ مفسدہ اور خرابیوں کا باعث ہوتا ہے خصوصاً علم فقہ میں۔

۴۔ طالب علم کو چاہئے کہ قلم دوات اور قلم تراش وغیرہ کو اپنی تحریر کی تصحیح کے لئے ہمراہ رکھے اور لغت اور اعراب کے حوالے سے جو تصحیح کیجاتی ہے اسے لکھتا جائے۔ پھر جب استاد اس کو دوبارہ دہرائے اور سے گمان یا یقین ہو جائے کہ جو کچھ استاد نے دہرایا وہ صحیح نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو چاہئے کہ اس لفظ کی تصحیح سے قبل اسے پڑھ کر سنائے تاکہ استاد کو اس صحیح لفظ کی طرف متوجہ کرے یا اس صحیح لفظ کو سوالیہ انداز میں سنادے (مثلا یوں کہے: کیا یوں صحیح نہیں ہے؟) کیونکہ بسا اوقات چوک یا زبان کی تیزی سے بھی اس قسم کی خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ (ایسے موقع پر شاگرد کو) یوں نہیں کہنا چاہئے: ایسا نہیں بلکہ یوں صحیح ہے۔ پھر اگر استاد صحیح تلفظ کی طرف متوجہ ہوا تو ٹھیک ورنہ اس سلسلے کو کسی اور مجلس میں نرمی سے بیان کرنے کے لئے چھوڑے۔ اگر خود استاد یا حاضرین میں سے کسی کو اس غلطی کے بارے میں علم ہو تو اس کی اصلاح میں اس انداز میں پہل نہیں کرنا چاہئے جس طرح وہ پہلے سے اس کے بارے میں جان چکا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مسئلے کے جواب

استاد سے غلطی سرزد ہو جائے جبکہ اس کی اصلاح کے لئے فرصت بھی ہو اور اس کے تدارک میں کوئی مشکل بھی پیش نہ آرہی ہو (تو بھی کسی اور مجلس پر اسے چھوڑ دینی چاہئے) اور اگر بعد میں چھوڑنے کی گنجائش نہ ہو یا تدارک میں دشواری پیش آتی ہو، جیسے استاد استفتاء کے کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھے اور پوچھنے والا کوئی پردیسی ہو اس کا گھر دور ہو یا وہ بدزبان ہو تو اس صورت میں شاگرد کا فرض بنتا ہے کہ اسی وقت پہلے اشارے سے یا واضح طور پر استاد کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ کرے اور اگر ایسا نہ کرے تو استاد کے ساتھ خیانت کی ہے۔ لہذا اس کو چاہئے کہ امکان کی صورت میں نرمی کے ساتھ یا ایسے ہی استاد کو اس کی غلطی کی طر متوجہ کرے۔

جب استاد تصحیح کرتے کرتے کتاب کے کسی مقام پر توقف کرے تو وہاں یوں لکھ دینا چاہیے: "بَلغَ العرض" یا "بلغ الصحيح" یعنی تصحیح یہاں تک انجام پائی۔

۵۔ بدرتج اہم دروس کو حفظ کرنے اور ان کی تصحیح و مطالعہ کر کے انہیں مضبوط کرنے کے بعد ان کو دہراتے رہنا چاہئے اور فکر کو ہمیشہ انہیں پر مرکوز رکھے اور ان سے حاصل ہونے والے مفید نکات پر توجہ رکھے اور ان کے بارے میں اپنے استاد کے درس میں شرکت کرنے والوں کے ساتھ بحث کرے چانچہ اس کی تفصیل آگے آجائے گی۔

۶۔ اپنے دن رات کے اوقات کو اپنے دروس کے مطابق تقسیم کرے کیونکہ (علمی سرگرمیوں) میں اوقات کو منظّم کرنا ترقی اور علم میں زیادتی کا باعث ہوتا ہے اور اپنی بقیہ عمر کو غنیمت جانے کیونکہ بقیہ عمر ایک بے بہا گوہر ہے۔ حفظ کے سلسلے میں مناسب ترین وقت سحری کا وقت ہے اور بحث کے لئے صبح کا وقت، لکھنے کے لئے ظہر کا وقت، مطالعہ و مباحثہ کے لئے رات کا وقت اور دوسرے کاموں کے لئے دوپہر کا وقت سزاوار ہے۔ جیسا کہ علماء

نے کہا ہے اور جس کی تجربہ بھی تائید کرتا ہے کہ رات میں حفظ کرنا دن میں حفظ کرنے سے زیادہ مفید ہے اور بھوک میں یاد کرنا شکم سیری کی حالت سے زیادہ منفعت بخش ہوتا ہے۔

حفظ کرنے کی جگہ توجہ ہٹانے والی چیزوں جیسے شور، سبزہ، چلتی نہریں اور زیادہ آمد و رفت والے راستوں سے آنے والی آوازوں سے دور ہونی چاہئے کیونکہ یہ چیزیں انسان کے ذہن کو یکسوئی سے روکے رکھتی ہیں اور اس کے منتشر ہونے کا سبب بنتی ہیں۔

۷۔ شاگرد کو چاہئے کہ اپنے درس کا صبح سویرے آغاز کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

بُورِکَ لِاُمَّتی فی بُکُورِھا ۔ یعنی میری امت کے لئے تڑکے کے وقت میں برکتیں رکھی گئی ہیں۔

نیز حدیث ہے:

اُغدُوا فی طَلَبُ الْعِلمِ ، فَاِنّی سأَلْتُ رَبّی اَنْ یُبارِکَ لِاُمَّتی فی بُکُورِھَا .

سویرے طلب علم میں نکل جایا کرو کیونکہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ وہ میری امت کی صبحوں میں برکت عطا کرے۔ (منیۃ المرید ص ۲۶۶، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

وَیَجْعَلُ ذٰلِکَ یَوْمَ الْخَمیسِ یعنی جمعرات کو روزِ آغاز قرار دے۔ ایک حدیث میں ہفتہ یا جمعرات کہا گیا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ ہی کی ایک اور حدیث میں یوں ہے:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ یَوْمَ الْاِثْنَینِ فَاِنَّهُ یُیَسَّرُ لِطَالِبِه

پیر کے دن علم کا آغاز کرو کیونکہ اس سے طالب علم کو آسانی ہوگی۔ (وہی کتاب)

ایک روایت میں بدھ کے دن میں کہا گیا ہے: جس کا کام کا بدھ کے دن آغاز کیا جائے گا وہ ضرور بہ ضرور انجام کو پہنچے گا۔

کسی عالم نے پیر کے دن کو اختیار کیا ہے لیکن میں اس کی سند سے آگاہ نہیں ہو سکا۔

۸۔ سویرے سویرے حدیث کو سنا جائے اور حدیث اور علم حدیث کے سیکھنے اور اسکی اسناد، رجال ومعانی اور تواریخ پر بھی نظر ر۔ کھے نیز اس کے صحیح ہونے یا حسن یا ضعیف یا مسند ومرسل جیسے دیگر اوصاف کو بھی مدنظر رکھے کیونکہ اس طرح حدیث سے آگا رہنا شریعت بیان کرنے واے عالم دین کے دو پروں میں سے ایک پر کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ اس کا دوسرا پر قرآن شریف ہے۔

طالب علم کو چاہئے کہ صرف حدیث کے سننے پر اکتفانہ کرے بلکہ روایت سے زیادہ درایت یعنی اس کے سمجھنے پر توجہ دے کیونکہ حدیث نقل کرنے کا مقصد اسے سمجھنا اور (دوسروں تک) پہنچانا ہوتا ہے۔

۹۔ اُس روایت پر خصوصی توجہ کرنا جسے اس نے لکھا یا اس کا مطالعہ کیا ہے خاص طور پر وہ احادیث جو اس نے حفظ کی ہیں کیونکہ (روایتوں کے) اسناد (یعنی ان کے راویوں کا ذکر کرنا اور ان کو پہنچانا) روایت کی اصل شناخت ہوا کرتی ہے۔

استاد سے سننے والی باتوں، یا اس کے پڑھے ہوئے یا تخلیق کئے ہوئے اشعار یا اس کی تالیفات کے بارے میں شوق وذوق رکھنا چاہئے اسی طرح مہم نکات کو دوسروں کی طرف منتقل کرنے اور ان اشخاص کی شناخت رکھنے کی کوشش کرے جن سے استاد نے احادیث حاصل کی ہیں نیز استاد اور اسی طرح دوسرں کے بیانات اور اقوال کے اسناد اور کڑیوں کی شناخت رکھے۔

۱۰۔ جب اپنے مختصر محفوظات وغیرہ پر بحث کرے اور ان میں موجود اشکالات اور اہم نکات کو یادداشت کرے۔ اس کے بعد گذشتہ مخطوطات یا استاد سے سنے گئے مفید نکات، پیچیدہ مسائل، تعجب آور فروعات اور حلِ مشکلات کے سلسلے میں حاشیہ وغیرہ لکھا کرے نیز

ان میں بیان ہونے والے ہر علم وفن کے متشابہ احکام میں پائے جانے والے فرق کو بھی ضبط تحریر میں لائے اور کسی بھی علم یا فن سے متعلق مشاہدہ کرنے یا سننے والے نکتے کو حقیر نہ سمجھے بلکہ اسے لکھنے اور یاد کرنے میں پہل کرے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

قَیِّدُو الْعِلْمَ، قیلَ : وَما تَقْییدُہُ ؟ قالَ کِتابَتُہُ

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتابِ ھذا الْعِلْمَ

علم کو قید کرو! عرض ہوا: کیوں کر علم قید کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: اسے لکھ لیا کرو۔

نیز روایت ہوئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں سے ایک آپؐ کی مجلس میں سے حدیث سنا کرتا تھا اور ان سے شدید متاثر ہو کرتا تھا لیکن وہ ان کو حفظ نہیں کر پاتا تھا، لہذا اس نے اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: اپنے ہاتھ سے مدد لیا کرو اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا یعنی ان کو لکھ لیا کرے۔

جمعی سے کہا گیا ہے کہ جو علم کو ضبط تحریر میں نہیں لائے گا اس کا علم، علم میں شمار نہیں ہوگا۔

انشاءاللہ اس سلسلے میں باب کتابت میں مزید روایتیں ذکر کر دی جائیں گی۔

۱۱۔ (علم کے حصول میں) حد سے زیادہ جہد و جد اور کوشش کرے اور انبیاء ؑ کی میراث میں تھوڑے پر اکتفا نہ کرے نیز اپنی فرصت، شوق ونشاط، دوران جوانی کو غنیمت جانے اس سے پہلے کہ بیکاری یا منصب و ریاست کے موانع اس پر عاض ہوں کیونکہ یہ امور مہلک ترین بیماریوں اور مشکل ترین امراض میں سے ہیں۔

اپنے آپ کو باکمال اور استاد سے بے نیاز دیکھنے سے نہایت ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا بجائے خود عین نقص، حقیقی جہالت، حماقت کی علامت اور علم ومعرفت میں کمی کی دلیل ہے۔

۱۲۔ ہمیشہ استاد کی مجلس میں حاضر ہونا چاہئے اور گر ممکن ہو تو اس کے تمام مجلسوں میں حاضر ہونا چاہئے کیونکہ یہ کام اس کی خیر اور علم و ادب میں اضافہ ہی کرے گا نیز اس کے لئے ایسے جدید اور متنوع فوائد فراہم کرے گا جو شاید کسی کتاب وغیرہ میں نہ مل سکے۔

جیسا کہ اس کی طرف حضرت علیؑ نے اپنی گذشتہ حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:

وَلا تَمُلَّ مِنْ صُحْبَتِهِ فَاِنَّمَا هُوَ كَالنَّخْلَةِ تَنْظُرُ مَتٰى يَسْقُطُ عَلَيْكَ مِنْهَا مَنْفَعَةٌ.

یعنی استاد یا عالم کی صحبت سے اکتا نہیں جانا چاہئے کیونکہ اس کی مثال درختِ خرما کی مانند ہے کہ تم اس کی طرف دیکھتے رہو کہ کب کوئی فائدے کی چیز تم پر گرے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۱۳۷ کتاب فضل العلم، باب مجالس العلماء)

شاگرد کو چاہئے کہ صرف اپنے درس کے سننے پر اکتفا نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا کم ہمتی کی علامت ہے لہذا دوسروں کے دروس پر بھی توجہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ دروس مختلف قسم کے خزانے اور گونا گوں جواہروں کی طرح ہے۔ پس ذہن متحمل ہونیکی صورت میں ان خزانوں میں سے جو بھی ہاتھ آئے غنیمت جان لینا چاہئے۔ بنابراین اپنے ساتھیوں کے دروس میں بھی شرکت کرے گویا یہ سب اس کے اپنے دروس ہوں۔ اگر ان تمام کے لکھنے سے رہ جائے تو ان میں سے جو مہم ہوگا اسی کو لکھدے۔

یہ سب کچھ متفرقہ دروس کے بارے میں ہے لیکن اس کے مخصوص اوقات میں پڑھے جانے والے دروس ہوں تو ان سب کو لکھدینا چاہئے اور اگر ان کو لکھ نہ سکے تو ان میں شرکت کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

۱۳۔ جب استاد کی مجلس میں حاضر ہو جائے تو حاضرین کو بلند آواز میں سلام کرے کہ

سب کو سنائی دے اور استاد کو ان سے زیادہ احترام کا اظہار کرے۔

بعض علماء نے حلقہ علم کو جبکہ حاضرین بحث میں مشغول ہوں ان مقامات میں شمار کیا ہے جہاں سلام نہیں کرنا چاہئے اور بعض افاضل نے بھی اسی نظریے کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ نظریہ معقول بھی ہے کیونکہ سلام کا جواب دینے سے بحث پر مرکوز ان کی توجہ اور حضور قلبی ختم ہو جاتی ہے چنانچہ ایسا اکثر و بیشتر پیش آتا رہتا ہے مخصوصاً جب کوئی مسئلہ بیان کیا جا رہا ہو کیونکہ توجہ کے ہٹ جانے میں، سلام نہ کرنے کے بارے میں مذکور بہت سے مقامات سے زیادہ نقصان پایا جاتا ہے۔

لہذا اگر کوئی طالب علم (ایسے حساس موقع پر مجلس میں داخل ہونا چاہے تو امکان کی صورت میں اسے چاہئے کہ اس طریقے سے استاد کی نگاہوں سے پرے ہو کر بیٹھ جائے کہ اس کے آنے کا احساس نہ ہو یہاں تک کہ درس ختم ہو جائے تا کہ درس کو رکاوٹوں سے محفوظ رکھنے اور اپنے ادب کا حق دونوں ساتھ ہی ادا ہوں۔

۱۴۔ سلام کرنے کے بعد حاضرین کے اوپر سے گذر کر استاد کے نزدیک نہ جائے اگر اس کی منزلت و مقام ایسا نہ ہو بلکہ جہاں مجلس کا آخر ہو وہیں بیٹھ جائے چنانچہ حدیث میں ایسا ہی ذکر ہوا ہے۔ ہاں اگر خود استاد صریحاً کہے یا حاضرین اسے آگے آنے کو کہیں یا اس کا منزلت و مقام ہی ایسا ہو یا اسے علم ہو جائے کہ استاد اور حاضرین از روئے لطف آگے بلا رہے ہیں جبکہ اس کے استاد کے نزدیک بیٹھنے میں کوئی مصلحت بھی ہو جیسے ایسی چیزوں کا مذاکرہ کرنا جو حاضرین کے لئے نفع بخش ہو، یا سن رسیدہ ہو یا زیادہ فضیلت اور صلاحیت کا حامل ہو تو ان صورتوں میں اس کے آگے بیٹھ جانے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۵۔ اپنے مقام و منزلت کے مطابق استاد کے نزدیک بیٹھنے کی کوشش کرے تا کہ

بغیر کسی مشقت کے اس کی باتوں کو اچھی طرح سمجھ سکے لیکن اتنا بھی اس سے نزدیک نہیں ہونا چاہئے جو بے ادبی میں شمار ہو اور نہ ہی اس کا ہاتھ یا لباس وغیرہ استاد کے ہاتھ ،لباس، تکیہ یا سجادہ وغیرہ پر رکھے چنانچہ بیان ہو چکا۔

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر کوئی شاگرد مقامِ درس میں پہلے میں آ کر کسی جگہ کا انتخاب کرے تو اس جگہے کا وہ ہی زیادہ حقدار ہوگا اور کسی کو اسے وہاں سے ہٹانے کا حق نہ ہوگا اگرچہ آداب کے لحاظ سے وہ اس بیٹھنے والے سے زیادہ حقدار ہو۔ کسی نے کہا ہے کہ اب اس کے بعد اس کی مثال اس بازار یا روڈ کی کسی خاص جگہ سے مانوس ہونے والے خوردہ فروش کے مانند ہے لہذا اگرچہ شاگرد ایک یا دو دن اپنی جگہ سے جدا ہونے کے بعد پھر درس میں شریک ہو لیکن اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ یہی بحث نماز گزار کی جگہے سے متعلق بھی آجائے گی جو کہ نماز میں پائے جانے والے فائدے جیسے ذکر وغیرہ پر مشتمل ہوگی۔

۱۶۔ اپنے ساتھیوں اور حاضرین مجلس کے ساتھ مؤدبانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ ان کا ادب کرنا درحقیقت استاد اور مجلس درس کا احترام کرنا ہے نیز اس کو چاہئے کہ اپنے سے بڑوں، دوستوں اور اپنے ساتھیوں کا احترام کرے۔

۱۷۔ مجلس میں کسی کے لئے باعث مزاحمت نہ ہو اور اپنی خاطر کسی کو اس کی جگہے سے اٹھنے کو ترجیح نہ دے اور اگر دوسرا ایسا کرنا لگے تو اسے بھی قبول نہ کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے نہی فرمائی ہے کہ کوئی شخص اٹھ جائے اور اس کی جگہ کوئی اور آ کر بیٹھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[لایُقیمَنَّ اَحدُکُم الرَّجُلَ مِنْ مَجلِسه ، ثُمَّ یَجلِسُ فِیهِ،] وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوا وَ

تَوَسَّعُوا.

[یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنی جگہ سے اٹھ جائے اور پھر اس کی جگہ (کوئی اور) آکر بیٹھے بلکہ (آنے والے کے لئے) جگہ میں گشادگی اور وسعت پیدا کرو۔ (احیاء علوم الدین، ج ۱ص ۱۶۶)

ہاں اگر پیش کش کرنے والے کی جگہ پر اسکے بیٹھ جانے میں حاضرین مجلس کے لئے کوئی مصلحت ہو اور قرائن سے یہ بات معلوم بھی ہو جائے کہ ایسا اس پیش کش کرنے والے کے جذبہ ایثار کی وجہ سے ہے تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔

۱۸۔ ضرورت کے بغیر مجلس کے وسط میں نہ بیٹھے اور نہ کسی کے آگے بیٹھے کیونکہ حدیث ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیّ صَلَّی اللهُ عَلیهِ وَ آلِهِ ، لَعَنَ مَنْ جَلَسَ وَسَطَ الْحَلْقَةِ.

یعنی پیغمبر اکرم ﷺ نے مجلس کے وسط میں بیٹھنے والا پر لعنت کی ہے۔ (منیۃ المرید ص ۲۷۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

البتہ ایسا کرنا اگر مجبوری کی بنا پر ہو جیسے جگہے کی تنگی یا زیادہ ازدحام ہونا یا استاد کی بات نہ سن سکنا وغیرہ تو کوئی حرن نہیں۔

۱۹۔ دو بھائیوں، باپ بیٹے، دو دوستوں یا دو ساتھیوں کے درمیان میں ان کی رضایت کے بغیر نہ بیٹھے کیونکہ روایت پائی جاتی ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیّ صَلَّی اللهُ عَلیهِ وَ آلِهِ ،نَهٰی اَنْ یَجْلِسَ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا .

پیغمبر اکرم ﷺ نے دو اشخاص کے درمیان میں ان کی رضایت کے بغیر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (وہی کتاب ص ۲۷۱)

۲۰۔ حاضرین کا بھی فرض بنتا ہے کہ آنے والے کو خوش آمدید کہیں اور اس کے لئے جگہ دے، دوسروں کی طرح اس کا بھی احترام کریں اگر اس کے لئے جگہ پیدا کرنے میں دشواری پیش آئے تو اپنے آپ کو سمٹ کر بیٹھے اور کھل کر نہ بیٹھے، ان میں سے کسی پر پیٹھ یا پہلو سے ٹیک نہ لگائے۔ انہی آداب کا استاد کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی خیال رکھے اور ہمیشہ ایسے کاموں سے بچتا رہے۔ اپنے پاس بیٹھنے والے کی طرف جھک کر نہ رہے، اس کی طرف اپنی کہنی کو سہارا نہ بنائے اور مجلس کے بیچوں سے نکلنے میں پس وپیش نہ کرے۔

۲۱۔ اپنے علاوہ دوسرے کے درس کے دوران بے ربط یا بحث میں مخل ہونے والی باتیں نہ کرے۔ اگر وہ کسی درس میں مشغول ہوں تو گذشتہ دروس کے بارے میں بات نہ کرے اور نہ کسی ایسے درس کا تذکرہ کرے جو فوت نہ ہو رہا ہو مگر یہ کہ خود استاد یا اس درس کو پڑھنے والے اجازت دیں۔

۲۲۔ ان میں کوئی بھی کسی دوسرے کی باتوں میں شریک نہ ہو جبکہ وہ استاد کے ساتھ بات کر رہا ہو مخصوصا استاد کی باتوں میں دخالت کرنے سے پرہیز کرے۔ بعض حکمائے نے کہا ہے: ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کسی کی گفتگو کے دوران نہ بولے۔ کسی نے اس کو یوں نظم کیا ہے:

وَلا تُشارِکُ فِی الْحَدیثِ اَهْلَهُ   وَاِنْ عَرَفْتَ فَرْعَهُ وَاَصْلَهُ

اگرچہ تم کسی کی باتوں کی نفسیات کو جانتے ہو پھر بھی اس کی گفتگو میں دخالت مت کرو۔

البتہ اگر بولنے والے کے ایثار کا علم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۲۳۔ اگر کوئی طالب علم دوسرے سے بے ادبی کرے تو استاد کے بغیر کوئی بھی اسے نہ

ٹو کے مگر یہ کہ استاکسی کو اسے ٹوکنے کا اشارہ کرے یا یہ کہ مخفیانہ طور پر آپس میں نصیحت ہو۔
لیکن کوئی خود استاد کے سامنے بے ادبی کا مظاہرہ کرے تو اگر چہ استاد اس کا احترام کرتے ہوئے اس سے چشم پوشی کرے تاہم دوسرے طلباء پر یہ فرض بنتا ہے کہ ایسے بے ادبی کرنے والے کو جھڑکیں اور اسے دھمکیں اور اس سلسلے میں حدالامکان استاد کی حمایت کریں۔

۲۴۔ اگر استاد کو سبق پڑھ کر سنانا ہو تو تقدم و تاخر میں اپنی باری کا لحاظ رکھے اور باری والے کی رضایت کے بغیر اس سے قبل سنانے نہ لگے۔ کیونکہ روایت پائی جاتی ہے کہ جب انصار حضور ﷺ کی خدمت میں مسائل پوچھ رہے تھے اتنے میں بنی سقیف کا ایک شخص آیا تو آپؐ نے فرمایا: اے برادر ثقفی میرے انصار تم سے پہلے مسائل پوچھ رہے ہیں لہٰذا تم بیٹھ جاؤ تاکہ تم سے پہلے انصار کی حاجتوں کو پورا کروں۔

کہا گیا: اپنی نوبت کو کسی پر قربان نہ کرے کیونکہ استاد کی قریب میں (دوسرں کو) ترجیح دینا نقص ہے لہٰذا اگر اس سلسلے میں استاد کسی مصلحت کی بنا پر اشارہ کرے تو اس کی رائے اور غرض کو ہی بہتر اور حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کے حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔

نیز کہا گیا ہے: صاحبِ نوبت کیلئے مستحب ہے کہ اپنی باری پر نو وارد اور انجان طالب علم کو مقدم کرے تاکہ اس کا احترام اور اپنا وظیفہ ادا ہو۔ اس سلسلے میں ابن عباس ÷ کی حدیث بھی نقل ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر متاخر کو کوئی ضرورت درپیش ہو اور صاحب نوبت اس بات کا علم رکھتا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

جو بھی پہلے استاد کے حضور میں پہنچے گا وہی باری پائے گا اگر چہ اس کے بعد وہ کسی کام سے مثلاً جیسے قضائے حاجت یا تجدید وضو کے لئے نکل جائے البتہ اس میں معمول سے زیادہ طول نہ پکڑے۔ اگر دو طالب علم ایک ساتھ پہنچے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے۔

یہ قرعہ ڈالنا اس وقت ہے کہ مطلوبہ علم کی تعلیم واجبات میں سے ہو وگرنہ استاد کو اختیار ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ اس سلسلے میں بھی باری کو مدنظر رکھا جائے اور (اگر مرحلہ آئے) تو قرعہ ڈالا جائے۔

اگر استاد تمام طالب علموں کو ان کے ذہنی صلاحیت یکساں ہونے کی صورت میں، ایک ہی ساتھ درس دے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اگر معاون یا مدرسِ مدرسہ (جو درس دینے اور شاگردوں سے سننے کے سلسلے میں استاد کا ہاتھ بٹاتا ہے) پر مدرسہ کے طالب علموں کو کسی خاص وقت میں درس پڑھنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کی رضایت کے بغیر دوسروں کو ان پر فوقیت دے اگر چہ دوسرے ان اہل مدرسہ سے پہلے پہنچ چکے ہوں البتہ ایسا اس وقت ہے کہ جب بیرونی یا سبھی طالب علموں کی تعلیم حدّ وجوب تک نہ پہنچی ہو، لیکن اگر بیرونی طالب علموں کی تعلیم حدّ وجوب کو پہنچ چکی ہو اور اہل مدرسہ کی ایسا نہ ہو تو اس صورت میں آیا اہل مدرسہ کو استثناء کر کے بیرونی طلاب علموں کے لئے پڑھے یا یہ کہ اپنے فریضے پر وجوباً عمل کرتے ہوئے اہل مدرسہ کے لئے پڑھے اور اسی دن کے مخصوص باری کو اگلے دن پر چھوڑے یا یہ کہ اہل مدرسہ کو ہی مقدم کرے۔ کئی صورتیں پائی جاتی ہیں کہ ان صورتوں میں سے درمیانی صورت یعنی اسی دن میں بیرونی طالب علموں تدریس کرے اور دوسرے دن کو اہل مدرسہ کے لئے مختص کرے۔

۲۵۔ اس کو استاد کے سامنے بیٹھنا چاہئے چنانچہ ''شاگرد کے اپنے استاد کے ساتھ آداب'' میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی، اپنے درس کی کتاب کو کھول کر حاضر رکھے اور اسے خود اپنے ہاتھوں میں اٹھائے، پڑھتے وقت اس کو کھول کر زمین پر نہ رکھے بلکہ اسے ہاتھ میں اٹھا کر پڑھے۔

۲۶۔ جب تک استاد کی اجازت نہ ہو نہ پڑھے۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا: جب استاد اسے اجازت دے تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگے پھر بسم اللہ، حمد وتعریفِ خدا اور نبیؐ اوران کی آل پر درود وسلام بھیجے (الحمد لله رب العالمين و صلّى اللّٰه عَلىٰ مُحمَّدٍ وَّآلِ محمّد)، پھر استاد اس کے والدین، اساتید، علماء دوسرے مسلمانوں اوراپنے حق میں دعا مانگے اوراگر کتاب کے مصنف کے حق میں بھی خصوصی دعا مانگی جائے تو بہتر ہے۔ جب بھی کوئی درس پڑھنے یااس کو دہرانے یااس کا مطالعہ کرنے لگے تو بھی ایسا ہی کیا کرے۔اسی طرح جب استاد کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس درس کی تصحیح کرنے لگے اور جب استاد کے سامنے پڑھ کر سنانے لگے تو اس کے لئے خصوصی دعا کرے نیز مصنف کے لئے بھی طلب رحمت کرے چنانچہ پہلے بھی ذکر ہو چکا۔

جب طالب علم استاد کے لئے دعا کرنا چاہے تو یوں ''ورضی اللہ عنکم'' یا ''رضی اللہ عن شیخنا وامامِنا'' وغیرہ وغیرہ؛ اوران سے استاد مراد لے۔ جب درس ختم ہو جائے تو بھی استاد کے لئے دعا کرے۔

جب طالب علم اس کے حق میں دعا کرے، استاد کو بھی چاہئے کہ اس کے لئے دعا کرے۔ اگر طالب علم انجانے یا بھولے سے ہمارے ذکر کئے ہوئے دعاؤں کے ساتھ درس کا آغاز نہ کرے تو استاد اس کو یاددہانی کرے اوراسے ان امور کی تعلیم دے کیونکہ یہ مہم آداب میں سے ہیں نیز حدیث میں، جن مہم امور کے ذریعے ابتداء کرنے کا حکم ہوا ہے وہ بسم اللہ اور حمد خدا ہے لیکن ان کی تعلیم دینا تو ان سے بھی زیادہ اہم ہوگا۔

۲۷۔ سزاوار ہے کہ طالب علم اپنے ایسے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرہ ومباحثہ کیا کرے جو مجلسِ استاد سے حاصل ہونے والے مفید نکات اور قواعد وضوابط سے متعلق محتاط اور پابند

ہوں؛ اور ان کے درمیان استاد کی باتوں کو دہرائے کیونکہ مذاکرۂ درس میں عظیم منفعت پائی جاتی ہے جو حفظ سے حاصل ہونے والے فوائد پر ترجیح رکھتی ہیں۔

مناسب ہے کہ مجلس درس سے اٹھ جاتے ہی، افکار واذہان کے متفرق اور منتشر ہونے اور ذہن میں بیٹھے ہوئے نکات کے نکل جانے سے پہلے ہی مذاکرہ کے لئے اقدام کریں پھر دوسرے اوقات میں بھی مذاکرہ کرتا رہے۔ کیونکہ فائدہ اور مہارت پیدا کرنے میں طالب کے لئے اور کوئی بھی چیز مذاکرہ کے مانند نہیں ہوسکتی۔

اگر طالب کو مذاکرہ کے لئے کوئی ساتھی نہ ملے تو چاہئے اپنے نفس کے ساتھ ہی سہی مذاکرہ کرے اور سنے ہوئے الفاظ اور ان کے مفاہیم کو اپنے دل میں دہرتا رہے تاکہ یوں مطالب اس کے ذہن میں بیٹھ جائیں کیونکہ معنی اور مفہوم کو دل میں دہرانا ایسا ہی ہے جیسے زبان پر دہرائے۔ بہت کم ایسے طالب علم کامیاب ہوتے ہیں جو صرف استاد کے حضور میں ہی تفکر اور سمجھنے پر اکتفا کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور دوبارہ دہرانے کی زحمت نہیں کرتے۔

۲۸۔ اس قسم کا مذاکرہ درس استاد کی غیر موجودگی میں ہونا چاہئے یا اس کی مجلس میں اس طرح اس سے کترا کے کریں کہ اسے ان کی آواز سنائی نہ دے کیونکہ ان کا اس طرح استاد کو سناتے ہوئے مذاکرہ کرنا بے ادبی اور جسارت کی بات ہوگی مخصوصاً جبکہ ان کے لئے مفید (یعنی استاد کا نائب جو ان کو درس دہرایا کرتا ہے) موجود ہوں۔ کیونکہ خود مفید کا بھی استاد کے حضور میں اپنے آپ کو درس دہرانے میں رئیس سمجھنا آداب سے گری ہوئی اور قبیح ترین صفات میں سے ہے (چہ جائے کہ دوسرے شاگرد ایسی حرکتیں کریں)۔ البتہ اگر خود استاد کسی مصلحت کے مدنظر ایسا کرنے کا حکم کرے تو حرج نہیں۔

۲۹ شاگردوں پر لازم ہے کہ اپنے سے بڑوں یا اپنے مفید اور اپنے استاد کے معاون کے ساتھ بھی گذشتہ یا اس سے ملتے جلتے دیگر آداب کا خیال رکھیں۔ بنا براین جو کچھ مفید انہیں بیان کرے گا اگر اس میں کوئی شک وشبہ واقع ہو جائے تو اس میں نزاع نہیں کرنا چاہئے بلکہ نرمی کے ساتھ مسئلے کی تحقیق واثبات میں لگ جائیں اور حسبِ امکان حق کو پالینے کی کوشش کریں اور اگر پھر بھی شک باقی رہے تو نرمی اور تواضع کے ساتھ استاد کے پاس رجوع کریں بغیر اس کے موافق اور مخالف نظریوں کو اس کے لئے بیان کریں اور جیسا بھی ہو حق کے بیان پر اکتفا کرنے کی نیت اور ارادہ رکھیں۔

۳۰۔ ان میں سے جو کسی علم یا خاص فن کو جانتا ہو، تو اس پر فرض ہے کہ اپنے ساتھیوں کو اس کی طرف راہنمائی کرے اور اپنے اجتماع، مذاکرہ اور دروس کے وقفوں میں اس فن یا کمال کی ترغیب دلائے، انہیں اس کے مخارج کم کر کے دکھائے اور ان کو اس میں پائے جانے والے فوائد، قواعد اور عجیب وغریب نکات کو نصیحت اور مذاکرہ کے انداز میں بیان کرے۔ کیونکہ دوسروں کی راہنمائی سے اللہ اس کے علم میں برکت اور اس کے دل مین وسعت پیدا کرے گا نیز اس عمل کی وجہ سے پانے والے خدا کے عظیم اجر وثواب اور اس کے لطف وکرم کے علاوہ اس کیلئے اس علم کا تکرار بھی ہوگا۔

اگر کوئی اس سلسلے میں کسی قسم کی کنجوسی اور بخل کرے گا تو مذکورہ اثرات کی ضد واقع ہوگی یعنی اس کا علم پائیدار نہیں ہوگا اور باقی رہنے والا ثمرہ نہیں دے گا اور اللہ اس میں برکت نہیں عطا کرے گا کیونکہ بعض علمائے ماسلف نے اس بات کو تجربے سے ثابت کیا ہے۔

اسے چاہئے کہ کسی کے ساتھ حسد نہ برتے اور اس کو حقیر نہ سمجھے نیز اپنی صلاحیت سے دوسرں پر سبقت لے جانے پر فخر وخود بینی کا مظاہرہ نہ کرے کیونکہ وہ خود بھی پہلے ایسا ہی تھا

اور بعد میں خدا نے اس پر اپنا احسان کر کے (اس مرتبے تک پہنچایا ہے) لہذا اس کو چاہیے کہ اپنے علم وفن پر خدائے تعالیٰ کی حمد ثناء کرتا رہے اور مسلسل شکر کے ذریعے اس میں مزید اضافہ کرے۔ تو جب وہ ایسا عمل کرے گا اور اس کی اہلیت کمال کو پہنچے گا نیز اس کی فضیلت کا خوب پرچار ہوگا تو وہ اس کے بعد والے مراحل میں ترقی کرنے لگے گا اور اللہ ہی توفیق اور کامیابی عطا کرنے والا ہے۔

....

دوسرا باب

فتوی، مفتی اور فتوی طلب کرنے والے کے آداب میں

یہ باب ایک مقدمہ اور چار انواع پر مشتمل ہے:

مقدمہ، فتوی کی اہمیت کے بیان میں

نوع اول: ہر مفتی کے معتبر ہونے اور اس سے متعلق ضروری امور کے بیان میں

نوع دوم: مفتی اور اس کے آداب کے بیان میں

نوع سوم: فتوی کے آداب کے بیان میں

نوع چہارم: فتوی طلب کرنیوالے کے احکام اور اس کے آداب کے بیان میں
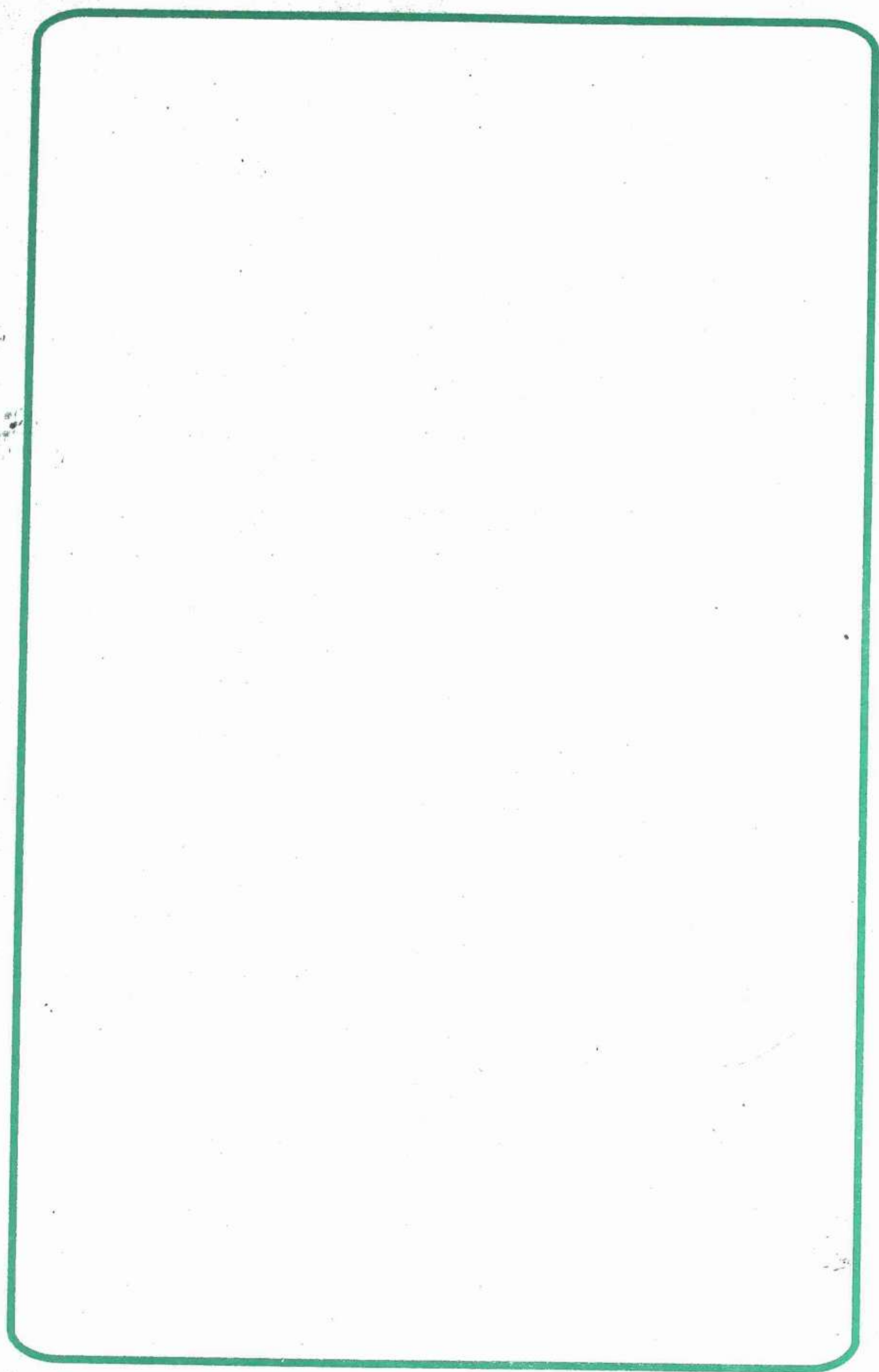
مقدمہ

[اہمیت فتوی کے بیان میں]

ہم یہاں صرف مہم نکات کو ذکر کریں گے کیونکہ یہ ایک وسیع باب ہے پس ہم ان نکات سے پہلے ایک مقدمہ کے ضمن میں عرض کرتے ہیں:

جان لو کہ فتوی دینا ایک عظیم الخطر ،کثیر اجر وثواب، بڑی فضیلتوں اور شان وشوکت کا حامل عمل ہے کیونکہ مفتی انبیاء ؑ کا وارث اور اپنے واجب کفائی کا نجام دینے والا ہوتا ہے اسے خطرہ بھی درپیش ہوتا ہے جبھی تو کہا گیا ہے: مفتی خدا کے احکام کو رقم کرنے والا ہے لہذا دیکھنا چاہئے کہ وہ کسی طرح بیان کررہا ہے۔

مفتی اور اُس کے آداب، فتوئی میں توقف کرنے نیز اس سلسلے میں خبرداری سے متعلق بہت سی آیات، احادیث اور اقوال وارد ہوئے ہیں کہ جن میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کئے دیتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ ، قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ.

وہ آپ سے طلب فتویٰ کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے اللہ ہی حکم سنانے والا ہے۔ (نساء/۱۷۶)

وَیَسْتَنْبِئُوْنَکَ اَحَقٌّ ھُوَ ، قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّہٗ لَحَقٌّ.

اور آپ سے پوچھتے ہیں: کیا وہ حق ہے؟ کہہ دیجئے: میرے رب کی قسم وہ حق ہے۔ (یونس/۵۳)

یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ.

یوسف، اے سچے! ہمیں سات موٹی گایوں کے بارے میں (تعبیر) بتا دیجئے۔ (یوسف/۴۶)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ، ھٰذَا حَلَالٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ .

اور تم وہ نہ کہا کرو جو کچھ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ (ایسا نہ ہو کہ) تم اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔ (نحل/۱۱۶)

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

اور تاکہ تم اللہ کے خلاف وہ چیز بولنے لگو جو تم نہیں جانتے ہو۔ (بقرہ/۱۶۹)

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْہُ حَرَاماً وَّحَلَالاً قُلِ اللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ.

کہہ دیجئے: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق اتارا پھر تم نے اس میں سے کچھ حلال اور کچھ حرام ٹھہرایا؟ کہہ دیجئے کیا تمہیں نے حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ موٹ بہتان باندھتے ہو؟ (یونس/۵۹)

دیکھئے یہاں حکم کی بنیاد کو دو قسموں میں قرار دیا ہے پس جب تک حکم یا اجازت ثابت نہیں ہوگی اس وقت تک مفتی بہتان باندھنے والا شمار ہوگا۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے حکایت ہونے والے خدا کے اس حکم کو ذرا ملاحظہ فرمائیں:

وَلَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيْلِ ☆ لَا خَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ☆ثُمَّ لَقَطَعنا مِنْهُ الْوَتِينَ

اور گر (محمدؐ) بعض باتوں کا افترا کرتا تو ہم ضرور اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ (الحاقہ ۴۴۔۴۶)

پس پیغمبر اکرم ﷺ جیسے بافضیلت ترین شخصیت کیلئے اس قدر تحذیر اور دھمکی ہوئی تو ان کے غیر کا کیا حال ہوگا جب وہ اللہ کے حضور میں اس پر جھوٹ موٹ باتیں گڑھنے لگے۔

اس سلسلے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزا عاً يَنْتزِعُهُ مِنَ النَّاسِ ؛وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَماءَ حَتّٰى اِذالَمْ يَبْقِ عَالِماً ، اِتَّخَذَالنَّاسُ رُؤَساءَ جُهَّالاً، فَسُئِلوا فَاَفْتَوْا بغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَاَضَلُّوا .

اللہ تعالیٰ علم کو ہی لوگوں سے چھین کر اس میں کمی نہیں کرتا بلکہ عالم کو لینے کے ذریعے ایسا کرے گا یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رئیس بنائیں گے اور ان سے دین سے متعلق پوچھیں گے تو وہ بغیرہ کسی علم کے فتوی دیں گے یوں خود بھی گمراہ ہو جائے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (امالی مفید، ص ۲۰۔۲۱)

مَنْ اَفْتىٰ بِفُتْياً مِنْ غَيرِ تَثَبُّتٍ فَاِنَّما اِثْمُهُ عَلىٰ مَن اَفْتىٰ.

جو بغیر اثبات و تحقیق کے کوئی فتوی دے گا تو اس کا گناہ فتو دینے والے پر ہوگا۔ (کنزل العمال ج ۱۰، ص ۱۹۳)

اَجرأُكُم عَلى الفَتوىٰ ، اَجرأُكُم عَلَى النّارِ

تم میں سے جو فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہوگا وہ جہنم کی آگ کے مقابلے میں بھی سب سے جری ہوگا۔ (کنزل العمال ج ۱۰، ص ۱۸۳)

اَشَدُّ النّاسِ عَذا باً يَوْمَ القِيٰمَةِ : رَجُلٌ قتلَ نَبِيّاً ، اَوْقَتَلَهُ نَبِيٌّ ، اَورَجُلٌ يُضِلُّ النّاسَ بِغَيرِ عِلْمٍ، اَوْمُصَوِّرُ التَّما ثِيلَ

قیامت کے دن سب سے شدید عذاب اس شخص پر ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو، یا اس شخص پر جو بغیر کسی علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، یا وہ جو مجسمے تراشتا ہے ۔(منیۃ المرید ص ا، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

اس بابت میں مولا امیر المؤمنین -فرماتے ہیں:

خدا کے پاس سب سے زیادہ منفور شخص دو قسم کے لوگ ہیں: ا۔ وہ شخص جسے خدا نے اس کے نفس کے حوالے کیا تو وہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہے۔ وہ اپنی طرف سے باتیں گھڑنے کا شغف رکھتا ہے اور (ظاہراً) نماز روزہ کا شیفتہ ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص، اس سے طلب فتوی کرنے والوں کے لئے باعث فتنہ، اپنے اسلاف کی راہ راست سے پھسلے ہوئے اور اپنی پیروی کرنے والوں کو زندگی میں اور موت کے بعد بھی گمراہ کرنے والا ہے نیز وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانے والا اور اپنے گناہوں کا بھی ذمہ دار ہے۔
۲۔ وہ شخص جو جہالت کو نادان اور جاہل لوگوں میں رواج دیتا ہے اور فتنہ وفساد کی تاریکیوں میں لگے ہوئے ہے، اسے اپنے جیسے لوگ عالم کہلاتے ہیں جبکہ اس نے علم میں ایک دن

بھی پورا گزرا نہیں ہے، صبح ہوتی ہے تو ایسی چیزوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا کم ہونا اس کی کثرت سے بہتر ہے (یعنی مال دنیا کی فکر میں ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب بدبودار پانی سے سیراب ہو اور بیہودہ مطلاب کو اکھٹا کیا تو لوگوں کے درمیاں قاضی بن کر ان پر ہونے والے شبہات کو حل کرنے کا عہدہ دار بنتا ہے، اور اگر وہ اپنے سے پہلے کسی قاضی کی مخالفت کرے تو اس بات پر اطمینان نہیں رکھتا کہ اس کے بعد آنے والا کوئی قاضی اس کا حکم کو توڑ دے گا۔ اگر اس پر کوئی مبہم اور پیچیدہ مسئلہ پیش آئے تو ان (کو حل کرنے کے لئے) اپنی رائے کے مطابق فضول باتیں گڑھ لیتا ہے اور انہی پر قطع کر کے (فیصلے سناتا ہے) پس وہ شبہات اور لغزشوں کو خلط ملط کر کے اس طرح تانتا ہے جیسے مکڑا اپنا جال تانتا ہے وہ نہیں جانتا کہ (جو کچھ اس نے گڑھ لیا ہے وہ) حق ہے یا خطا اس بات کا گمان بھی نہیں کرتا کہ جس چیز کا وہ منکر ہے وہ حق بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اس کی فکر اور رائے سے پرے بھی کوئی صحیح فکر یا رائے ہوسکتی ہے، جب ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ قیاس کرتا ہے تو اپنی نادانی سے انہیں جھٹلاتا ہے، اگر اس پر کوئی امر مبہم اور تاریک ہو جائے تو اپنی جہالت کی وجہ سے اسے چھپانے لگتا ہے تا کہ اس سے یہ نہ کہا جائے کہ تم نہیں جانتے ہو پھر وہ جسارت کرتے ہوئے حکم لگانے لگتا ہے۔ تو وہ تمام تاریکیوں اور جہالتوں کی کنجی، بہت سے شبہات کا مرتکب، اور (دریائے) جہالت کا تیراک اپنی لاعلمی پر عذر خواہی نہیں کرتا کہ کہیں ملامت نہ کی جائے۔ علم میں مہارت نہیں رکھتا کہ فائدہ اٹھائے اور روایتوں کو اس طرح اڑا دیتا ہے جس طرح ہوا خس و خاشاک کو اڑا دیتی ہے۔ وارث (اس کے ظالمانہ فیصلوں) پر فریاد کر رہے ہیں، ناحق بہائے گئے خون اس سے نالاں ہیں۔ اس کے فیصلے پر لوگوں کی ناموس حلال اور حلال بیویاں حرام قرار پاتی ہیں، وہ اپنے

کئے جانے والے دعوؤں سے سیراب نہیں ہوتا اور نہ وہ اپنے علم کے بارے میں کرنے والے ادعا میں حق بجانب ہے زرارہ بن اعین نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے:

میں نے آنحضرتؑ سے سوال کیا: بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ فرمایا: انہی باتوں کو بیان کر جن کے متعلق علم ہے اور ان باتوں سے باز رہنا جو نہیں جانتے۔

ابی عبیدہ حذاء سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام جعفر صادق کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ اَفْتی بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلا ھُدً ی لَعَنهُ مَلا ئِکَةُ الْعَذابِ ، وَلَحِقَهُ وِزْرَمَنْ عَمِلَ بِفُتْیاهُ .

جو لوگوں کو بغیر کسی علم اور ہدایت کے فتویٰ دیتا ہے، اس پر رحمت اور عذاب کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں اور اس پر ان لوگوں کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا جنہوں نے اس کے فتویٰ پر عمل کیا ہے۔ (اصول کافی ج۱، ص ۳۹ کتاب فضل العلم، باب مجالس العلماء)

مفضّل امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اَنْهَاکَ عَنْ خَصْلَتَیْنِ فِیهَاهَلَکَ الرِّجالُ : اَنْ تُدینَ اللهَ بِالْباطِلِ ، وَتُفْتِیَ النّاسَ بِما لا تَعْلَمُ

میں تمہیں دو خصلتوں سے منع کرتا ہوں جن میں لوگوں کے لئے ہلاکت ہے: اپنی طرف سے دین خدا میں بدعت پیدا کرنا اور ان چیزوں سے متعلق فتوی دینا جن کا علم نہ ہو۔ (وہی کتاب)

ابن شبرمہ جو اہل سنت کا فقیہ تھا، کہتا ہے: میں جب (امام جعفر صادقؑ سے) کوئی حدیث سنتا تھا تو میرا دل دھل جاتا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: میرے پدر گرامی نے میرے جد امجد سے نقل

کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: (ابن شہرمہ کہتا ہے:) خدا کی قسم ان کے پدر بزرگوار نے کبھی اپنے جد گرامی کے خلاف کوئی جھوٹی نسبت نہیں دی ہے اور نہ ان کے جد گرامی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے کسی قول کو جھٹلایا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ بِالْمَقَايِيسِ فَقَدْ هَلَكَ وَاَهْلَكَ ، وَمَنْ اَفْتَى النَّاسَ ۔ وَهُوَ لاَ يَعْلَمُ النَّاسِخَ مِنَ الْمَنْسُوخِ وَالْمُحْكَمَ مِنَ الْمُتَشَابِهِ ۔ فَقَدْ هَلَكَ وَاَهْلَكَ .

جو اپنی رائے کے مطابق قیاس پر عمل کرے گا تو وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کردے گا اور جو لوگوں میں ناسخ و منسوخ اور محکم و تشابہ وغیرہ کو جانے بغیر فتوی دیتا ہے، وہ ہلاک ہو جائے گا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ (منیۃ المرید ص ۲۸۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

بعض تابعین نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک سو بیس انصار کو درک کیا ہے کہ جب ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ دوسرے کی طرف اور دوسرا تیسرے کی طرف لوٹاتا تھا یہاں تک کہ سب سے پہلے نفر تک پہنچ جاتا۔

اسی سے منقول ہے: میں نے اس مسجد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو بیس اصحاب کو درک کیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک حدیث نہیں سناتا تھا جب تک اس کے برادر دینی یہ نہ چاہے کہ وہ اس کے بدلے حدیث سنائے اور کوئی بھی فتویٰ نہ دیتا جب تک کہ اس کا مومن بھائی اس سے اپنی جگہ فتوی دینے کی خواہش نہ کرتا۔

برّاہ کہتے ہیں: میں نے اہل بدر میں سے ۱۱۳۰۰ افراد کو دیکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اس کی بجائے اس کا ساتھی مسئلے کا جواب دے۔

ابن عباس   سے منقول ہے: جو لوگوں کے پوچھے گئے ہر مسئلے کا جواب دے وہ مجنون ہے۔ بعض ما سلف نے کہا: بلاشبہ عالم اللہ اور اس کی مخلوق میں موجود ہے لہذا دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کیسے لوگوں میں گھل مل جاتا ہے۔

بعض بزرگوں نے بعض مفتیوں سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں میں فتویٰ دیتے ہو! تو جب لوگ تمہارے پاس آکر سوال کریں اور تم میں ان کی مشکلات کو حل کرنے کی ہمت نہ ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم سے کئے گئے سوال کے جال سے نکلنے کی کوشش کرو۔

عطا بن سائب تابعی کہتا ہے: میں نے ایسے بزرگوں کو بھی دیکھا ہے کہ ان میں سے جب کوئی کسی چیز سے متعلق سوال کرتا تھا تو کانپنے لگتا تھا۔

ثوبان سے مرفوعاً نقل ہوا ہے: (کہ آپؐ نے فرمایا:)

میری امت میں ایک قوم ایسی آئے گی جس کے فقہا ایک دوسرے کو پیچیدہ مسائل پیش کریں گے (یعنی بغیر علم آگہی کے مشکل مسائل میں ہاتھ لگائیں گے) تو یہی میری امت کے بدترین لوگ ہیں۔

ابن مسعود ÷ سے منقول ہے: ممکن ہے کہ کوئی شخص یوں کہے   کہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہے تو خدا فرمائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا۔

یحیٰ بن مسعود   سے مروی ہے: ابن مسیّب جب بھی کوئی فتوی دیتے تو کہا کرتے تھے: اَللّٰھمَّ سَلِّمنِی وَسَلِّم مِنِّی یعنی اے اللہ مجھے محفوظ اور (دوسروں کو بھی) مجھ سے محفوظ فرما۔

مالک بن انس سے منقول ہے کہ: اس سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے تو ان میں سے ۳۰ مسئلوں کے بارے میں اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس

سے پچاس مسئلے پوچھے گئے تو اس میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا اور کہتے تھے: جو کسی مسئلے کا جواب دے تو اسے چاہئے کہ جواب دینے سے پہلے اپنے نفس کو جنت اور جہنم کی طرف پیش کرے اور پھر جہنم سے اپنی رہائی کے بارے میں سوچے پھر جواب دے۔

ایک دن اس سے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا: تو اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ کہا گیا: یہ تو بہت آسان مسئلہ ۔تو ناراض ہو کر کہنے لگے: علم میں سے کوئی بھی چیز آسان نہیں ہے۔ کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سنا ہے؟

اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً. یعنی جلد ہی ہم تم پر ایک گراں کلام پیش کریں گے۔لہذا ہر علم ثقیل ہے۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر سے روایت ہے: مدینہ کے فقہاء میں سے ایک کہ جس کی علمیت اور فقاہت پر سب متفق تھے، سے ایک موضوع سے متعلق سوال کیا گیا، تو اس نے جواب دیا: میں اس کو اچھی طرح نہیں جانتا۔ سائل نے کہا: میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں آپ کے بغیر کسی کو نہیں جانتا، تو قاسم نے کہا: میری لمبی داڑھی اور ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی کثرت پر نظر مت کرو! خدا ہی اس کو بہتر جاننے والا ہے۔ اس پر اس کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے قریش کے ایک عمر رسیدہ شخص نے کہا: اے میرے برادر زادہ! اس کو حل کیجئے۔ خدا کی قسم میں نے کسی مجلس میں بھی تجھ سے زیادہ کسی کو ماہر اور با فضیلت نہیں پایا۔ تو قاسم نے جواب دیا: خدا گواہ ہے! میری زبان کا کٹ جانا میرے نزدیک اس چیز سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس چیز سے متعلق بات کروں جس کا مجھے علم نہیں۔

حسن بن محمد بن شرفشاہ استر آبادی سے منقول ہے: ایک دفعہ اس کے پاس ایک خاتون آئی اور حیض سے متعلق ایک پیچیدہ مسئلے کے بارے میں پوچھا تو وہ جواب نہیں دے سکے

۔تو اس عورت نے ان سے کہا: جبکہ آپ کے عمامے کا شملہ کمر تک پہنچ رہا ہے اور ایک عورت کے سوال سے بھی آپ رہ گئے؟ کہا: خالہ جان! اگر میں، مجھ سے پوچھے جانے والے ہر مسئلے کا جواب دے سکتا تو میرے عمامے کا شملہ تحت ثریٰ تک پہنچ جاتا۔

اس سلسلے میں بزرگوں کے بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں لیکن اسی پر اکتفا کر کے ان انواع کی طرف بڑھیں گے جن پر یہ باب تقسیم کیا گیا ہے۔

....

نوع اول

وہ امور جو ہر مفتی کے لئے معتبر ہیں

جان لو کہ مفتی کے لئے (سب سے پہلی) شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان، بالغ، عادل اور فقیہ ہو۔ فقیہ صرف اسی صورت میں فقاہت کو حاصل کر سکتا ہے کہ وہ شرعی احکام کی معرفت اور ان میں غور کے لئے اقدام کرے یعنی سنت و کتاب اجماع اور عقل کی تفصیلی ادلّو ں نیز ان ادلّو ں کے ذریعے جو اپنے اپنے مقام پر مورد بحث و تحقیق ٹھہری ہیں، ان احکام کو استنباط کریں۔

ان علوم کی معرفت اس وقت تک صحیح معنوں میں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس علم کو حاصل نہ کرے جو اثبات خدا اور خدا کی ان صفات پر مشتمل ہے جو انسان کے ایمان کو مضبوط کرتی ہیں اور علم کلام میں سے نبوت، امامت اور معاد وغیرہ کا علم حاصل کرے نیز و ہ علوم جن کے زریعے ادلّے سیکھ جاتے ہیں جیسے عربی زبان کے قواعد اور لغات، علم منطق میں حدو برہان کی شرائط، اصول فقہ نیز وہ آیتیں اور حادیث جو احکام شرعی کو تشکیل دیتی ہیں اور خود حدیث کے متن اور سند کے علم کو بھی اچھی طرح سیکھنا چاہیۓ اگر چہ سیکھنا ایک صحیح

اصل کی بنا پر ہو کہ جب ضرورت پڑے تو مفتی اس اصل کی طرف رجوع کرے۔

اسی طرح مفتی کو چاہئے کہ مورد اتفاق اور اختلاف مسائل کا بھی علم رکھے باین معنی کہ جس مسئلے میں وہ فتوی دے رہا ہے وہ اجماع کے خلاف نہ ہو بلکہ اسے علم ہو یہ حکم بعض گذشتہ علماء کے موافق ہے یا اس کو ایسا قوی ظن پیدا ہو کہ یہ مسئلہ گذشتہ علماء کے زیر بحث نہیں آیا ہے بلکہ اس کے اپنے یا کچھ پہلے کے دور میں پیش آنے والا جدید مسئلہ ہے۔ نیز مفتی کے لئے ضروری ہے کہ ملکہ نفسانی اور معنوی قوت کا مالک ہو تا کہ اس کے ذریعے فروع کو اصل سے جدا کر کے ہر مسئلے کو اس کے مناسب ادلّوں کی طرف لوٹائے۔

یہ تو مفتی سے متعلق عمومی اور اجمالی شرائط تھیں جو ہم نے یہاں ذکر کر دئے لیکن اس کی تفصیل کے لئے اصول فقہ کی طرف رجوع کریں۔

جب کسی شخص میں یہ شرائط اور صفات پوری ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان مسائل جن کی طرف وہ خود محتاج ہے یا جن سے متعلق اس سے سوال ہوتا ہے، کے حکم کو تفصیلی دلیلوں کے ذریعے حاصل کرنے میں اپنی پوری توانائی خرچ کرے۔ اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ کسی کو فتوی دینے میں کسی دوسرے مفتی کی تقلید کرے بشرطیکہ مطلوبہ مسئلے کو اس طرح استنباط کرنے کا وقت اور فرصت پائی جاتی ہو کہ جس سے دیگر شرعی ذمہ داریوں پر آنچ نہ آئے۔ لہذا عام فرصت کی صورت میں اس کے لئے جائز ہے کہ کسی زندہ مجتہد کی تقلید کرے اور مردہ مجتہد کی پیروی کے سلسلے میں علماء کے دو اقوال پائے جاتے ہیں اور بعض نے تو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے۔

....

دوسری نوع

مفتی کے احکام اور اس کے آداب کے بیان میں

یہ نوع چند مسائل پر مشتمل ہے:

ا۔ فتوی دینا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا واجب کفائی ہے لہذا اگر کسی سے کوئی سوال پوچھا جائے اور وہاں کوئی دوسرا جواب دینے والا نہ ہو اس پوچھے جانے والے شخص پر جواب دینا واجب ہو جائے گا؛ اور اگر دوسرے کے ہوتے ہوئے پوچھنے والا آجائے تو ان دونوں پر کفائی طور پر واجب ہوگا اور اگر صرف ایک مجتہد ہو اور دوسرے کی تلاش میں دشواری بھی درپیش نہ ہو تو اس حاضر مجتہد پر جواب دینا واجب ہونے اور نہ ہونے کی بابت میں دو صورتیں ہیں:

بعض نے کہا ہے کہ اس حاضر مجتہد پر فرض ہے جبکہ ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرے فقیہ پر واجب ہوگا۔

جہاں پورے علاقے میں ایک بھی صاحب فتوی نہ ہو تو اس علاقے کے ہر اس مکلّف پر اس سلسلے میں کوشش کرنا واجب کفائی ہوگا جس میں فتوی کی شرائط حاصل کرنے کا امکان

پایا جاتا ہو۔تو اگر سبھی نے اس سلسلے میں کوشش نہیں کی تو سب کے سب معصیت اور فسوق میں شریک ہوں گے۔ یہ وجوب بعض کے تعلیم فتوی میں مشغول ہونے پر دوسروں سے ساقط نہیں ہوگا جب تک وہ مقامِ اجتہاد پر نہ پہنچے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ سیکھتے سیکھتے مرتے دم تک مرتبہ فتویٰ پر نہ پہنچے۔اس وجوب کے ساقط ہونے میں مرتبہ فتوی تک پہنچنے کے ظن پر کفایت نہیں ہوگی ،اگر چہ واجب کفائی کی انجام دہی میں احتمال کی صورت میں ظن کے قائل ہوں۔

۲۔ایسی حالت میں فتوی دینا سزاوار نہیں ہے جب کہ اس کا مزاج متغیر ہو یا توجہ کسی اور کام کی طرف ہو جو اس کو صحیح معنوں میں غور وفکر کرنے میں مانع ہو جیسے غصہ، بھوک پیاس ،حزن ،شدت خوشی ،اونگھ، تھکاوٹ بے چینی کرنے والا مرض ،دشواری پیدا کرنے والی گرمی ،موذی سردی اور پیشاب وغیرہ کا روکے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ فتوی کا وجوب مضیق نہ ہو۔پس اگر مذکورہ صورتوں میں سے بعض میں اس خیال کے ساتھ فتوی دے کہ وہ اسے صحیح فتوی دینے میں رکاوٹ پیدا نہیں کرے گا تو اس کا فتوی اس میں پائے جانے والے احتمالی خطرے کے باوجود صحیح ہوگا۔

۳۔اگر وہ کسی مسئلے میں فتوی دے پھر اس کا نظریہ بدل جائے اور اس اس کے مقلدین میں سے طالب فتوی یا کسی اور کو اس سے متعلق علم ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اس مفتی کے دوسرے فتوی پر عمل کرے ،اور اگر پہلے فتوے پر ابھی تک عمل نہیں کیا ہے تو پھر اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر فتوی کے بدل جانے کے بارے میں علم ہونے سے پہلے اس پر عمل کیا ہے تو وہ باطل نہیں ہوگا۔اگر استفتاء کرنے والے کو اس کے فتوے کے بدلنے کا علم نہیں ہوا ہے تو گویا اس کے حق ابھی فتوی نہیں بدلا ہے۔مفتی پر لازم ہے کہ وہ سابقہ فتوی

پر عمل کرنے سے پہلے اور بعد میں بھی اپنے نظریے کے بدلنے کا اعلان کرے تا کہ آنے والے وقتوں میں اسی پر عمل کیا جائے۔

۴۔ اگر کسی واقعہ سے متعلق فتوی دے پھر اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آئے تو اس صورت میں اگر اسے گذشتہ فتوے کی دلیل یاد ہے تو دوسری دفعہ بھی دلیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر اسی فتوی کو دہرائے اور اگر اسے فتوی تو یاد ہو لیکن اس کی دلیل یاد نہ ہو اور پہلے فتوے سے پھر جانے کی کوئی علت بھی اس پر روشن نہ ہو جائے تو اس کی گذشتہ نظر کے مطابق افتاء کے جواز یا دوبارہ اجتہاد کے وجوب کے بارے میں دو اقوال پائے جاتے ہیں۔

یہی حکم، تیمّم (کے بدلے) میں پانی ڈھونڈنے، قبلہ معلوم کرنے میں کوشش نیز اس قاضی کے بارے میں بھی ہے جس نے اپنے اجتہاد کے مطابق حکم سنایا ہو اور بعد میں ایسا ہی کوئی اور مسئلہ پیش آئے (یعنی ان موارد میں بھی دو اقوال ہیں ایک کے مطابق پہلے والے فتوی کے مطابق عمل کرنا کافی ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کے سلسلے میں دوبارہ اجتہاد کر کے حکم سنانا چاہئے)۔

۵۔ ایسے مسائل کے بارے میں فتوی دینا جائز نہیں ہے جو ایمان وعقیدہ، اقرار اور وصیت وغیرہ کے الفاظ سے متعلق ہو مگر یہ کہ خود انہیں لوگوں میں کے شہر سے ہو یا ان کے طرز وروش سے واقف ہو (اور جانتا ہو کہ ان الفاظ سے ان کا کیا مقصد ہے)۔ بنا براین مجتہد کو اس اساسی نکتے پر متوجہ رہنا چاہئے کیونکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

....
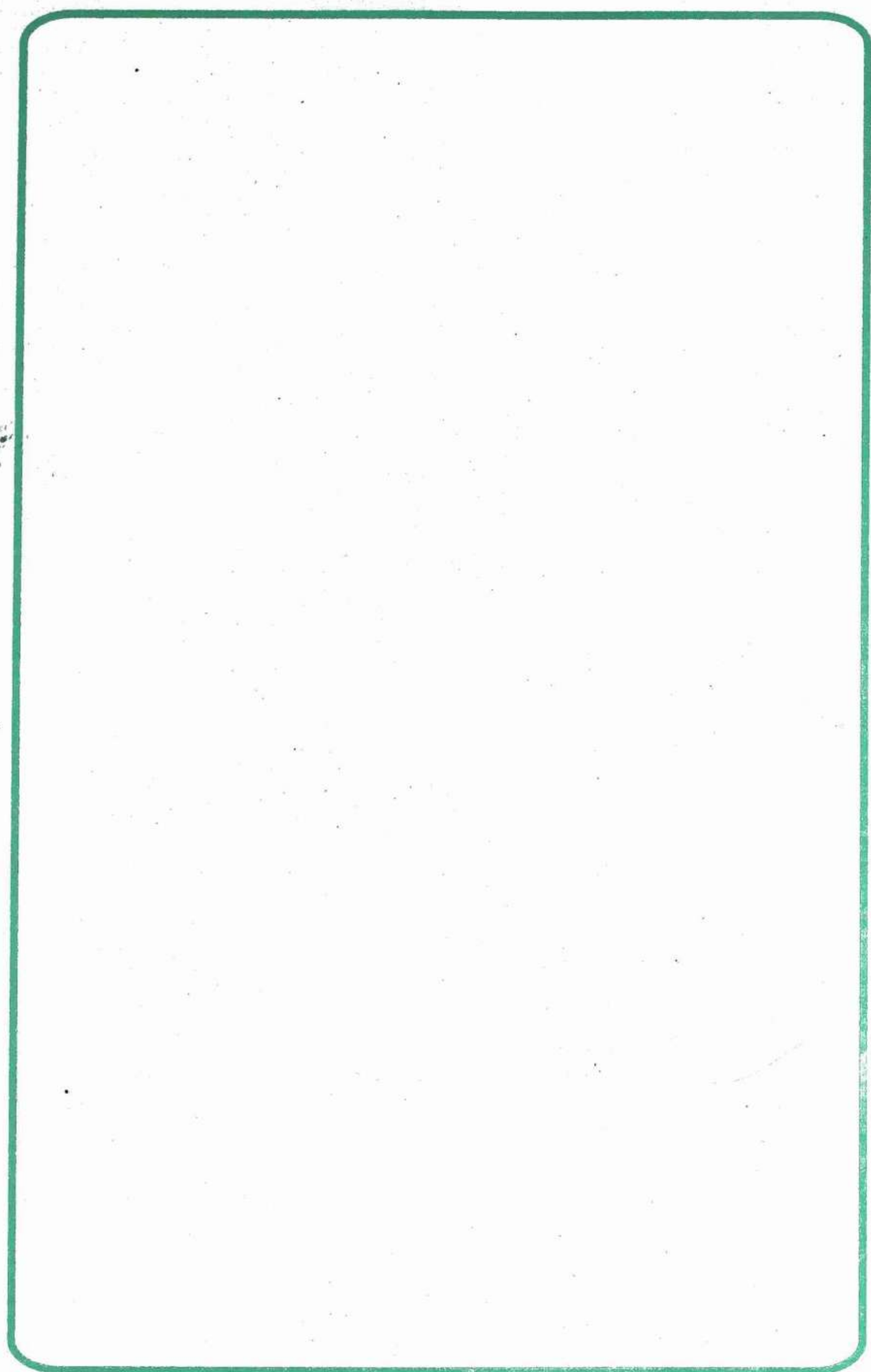
تیسری نوع

فتوی کے آداب میں

اس میں چند مسائل ہیں:

ا۔ مفتی پر لازم ہے کہ جواب کو ایسے واضح انداز میں بیان کرے جو اشکال کو ختم کرے پھر زبانی طور پر فتوی دینا اس کے لئے کافی ہوگا اور اگر وہ طالب فتوی کی زبان نہیں سمجھ سکے تو دو عادلوں کا ترجمہ کرنا کفایت کرے گا اور ایک قول کے مطابق ایک ہی عادل کفایت کرے گا کیونکہ فتوی دینا خبر کی منزلت پر ہے۔

مفتی کتبی طور پر بھی جواب دے سکتا ہے اگر چہ اس میں (تحریف وغیرہ کا) خطرہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ علماء کتبی فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے کیونکہ ایسی صورت میں بہت سی غلطیوں کے احتمالات پائے جاتے تھے۔ کیونکہ سائل کے لفظ میں سے ہر ایک لفظ کے لئے جواب دینے کے سلسلے میں ایک خاص مزیت اور خصوصیت ہوا کرتی ہے۔ ہم نے کتنے ہی ایسے مکتوب استفتائات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جن کے لکھنے والوں کے مقصود، ان

کے مکتوبات کے الفاظ سے مختلف ہوا کرتے تھے لہذا ہم اس کو جواب لکھدینے کے بعد اس کے الفاظ پر دوبارہ غور وفکر کرتے تھے اور پھر اس مکتوب کو ضائع کر دیتے تھے۔

۲۔ مفتی کا بیان اور عبارت صحیح اور واضح ہونا چاہئے جو عوام بھی سمجھ سکیں اور خواص بھی اسے ہلکا نہ سمجھیں۔ اس میں اضطراب اور نقص نہ پایا جائے بنابراین اسے نامانوس اعراب اور پیچیدہ لغات کے استعمال سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

۳۔ جب مسئلے میں تفصیلات پائی جائیں تو اس کا جواب مطلق اور مبہم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا غلط شمار ہوتا ہے لہذا اسے خود چاہئے کہ سوال کرنے والے سے تفصیلات طلب کرے بشرطیکہ وہ حاضر ہو اور اگر اس کا سوال کسی رقعے پر ہو تو اسے کسی اور پرچے پر لکھ کر اس کا جواب دے کیونکہ ایسا کرنا زیادہ بہتر اور باعث اطمینان ہے۔

اگر مفتی کو علم ہو کہ سائل کا مسئلہ ایک ہی جواب کا مقتضی ہے تو ایک ہی جوب پر اکتفا کرنا چاہئے پھر کہے: اگر مسئلہ ایسا ہے تو اس کا جواب یہ ہے، یا بات یہی ہے جو بیان کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ جواب کو مختلف قسموں میں تفصیلات کے ساتھ بیان کرے۔ لیکن بعض نے ایسا کرنے کو مکرو جانتے ہوئے بولا ہے: یہ روش لوگوں کو فسق و فجور کی طرف کھینچتی ہے کیونکہ وہ اس طریقے سے مذکورہ اقسام اور تفصیلات کے علم سے غلط فائدہ اٹھائیں گے۔

۴۔ اگر ایک ہی رقعے میں کئی مسائل درج ہوں تو مناسب ہے کہ سوالوں کی ترتیب سے ہی جواب لکھ دئے جائیں اور متعلقہ جوابوں کی طرف اشارہ ہونے کی صورت میں مذکورہ ترتیب کا خیال نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں ہوگا، کہ اس صورت خدا کیا اس قول کے قبیل سے ہوگا۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ...

اور اس دن (کو یاد کرو) جب کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے..... (آل عمران/۱۰۶-۱۰۷)

(چنانچہ یہاں یہ بات واضح کہ آیت کریمہ میں پہلے سفید چہروں کا ذکر ہوا ہے لیکن اس کے جواب میں اس ترتیب کے خلاف پہلے سیاہ چہروں کا ذکر ہوا ہے جسے اصطلاح معانی میں لف ونشر موشوّش کہتے ہیں۔)

۵۔ بعض بزرگوں کا فرمانا ہے کہ سوال کا مفتی کے ہاتھوں سے لکھا جانا ادب کے دائرے سے باہر ہے البتہ اس کا املاء کرنا یا تصحیح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۶۔ مفتی کو پیش آنے والے واقعہ سے خود استنباط کرتے ہوئے سوالات کو پیش نہیں کرنا چاہئے۔ جب تک وہ استفتاء کے رقعے میں مذکور نہ ہو بلکہ اس کو چاہئے کہ صرف انہی سوالات کی بنیاد پر جواب دے جو رقعے میں مذکور ہیں۔ اگر استفتاء کرنے والے کی مراد رقعے میں مذکور سوال کے خلاف ہو تو یوں لکھ دینا چاہئے کہ: اگر مسئلہ اس طرح ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا۔

بعض علماء نے اس بات کو پسندیدہ جانا ہے کہ مفتی رقعے میں ایسے مطالب کا اضافہ بھی کرے جو استفتاء کرنے والے کے لئے درپیش مسائل سے مربوط ہوں، کیونکہ حدیث میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے۔ جیسے:

هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ

[جب معصوم ؑ سے دریا کے پانی سے وضو کے جواز سے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: اس کا پانی طاہر اور پاک کرنے والا اور اس کے کنارے مرنے والی مچھلیاں بھی پاک

اور حلال ہیں۔[چنانچہ ہم ملاحظہ کر رہے ہیں کہ معصومؑ سے صرف ایک سوال ہوا تھا لیکن آپؑ نے اس سوال کے جواب کے ضمن میں دریا کے کنارے مرنے والی مچھلی کی حلّت کو بھی بیان فرمایا۔] (مترجم)

۷۔ اگر استفتاء کرنے والا کند ذہن ہو تو اس کے ساتھ نرمی اختیار کرنا چاہئے اور سوال کے سمجھنے اور جواب کے سمجھانے میں صبر و حوصلے سے کام لینا چاہئے کیونکہ اس عمل کا عظیم ثواب پایا جاتا ہے۔

۸۔ استفتاء کے لفظ لفظ کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنا چاہئے خصوصا کلام کے آخری حصے پر زیادہ توجہ دینی چاہئے کیونکہ اصل سوال آخر میں ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہونا بھی ممکن ہے کہ دوسرے تمام نکات بھی آخری حصے سے مربوط ہوں اور وہ اس سے غافل رہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ: مناسب یہ ہے کہ آسان مسئلوں میں بھی ایسی ہی دقت کی جائے جیسا کہ وہ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں کیا کرتا ہے اور ایسا اس لئے ہے تا کہ وہ اس میں اُس کام کی عادت پیدا کرے۔

۹۔ اگر استفتاء میں کوئی مبہم اور مشتبہ لفظ پایا جائے تو فتوی طلب کرنے والے سے اس کی بابت میں تفصیل دریافت کرے اور اس کے نقطے لگائے نیز ان کی املاء کی درستگی کرے۔ اسی طرح اگر اعراب یا کوئی دوسری خطا نظر آئے جس سے معنی بدل رہا ہو تو اس کی اصلاح کرے۔ اگر سطروں کے درمیان یا رقعے کے آخر میں کوئی خالی جگہ پائی جائے ،اس پر خط کھینچے یا اس پر کچھ لکھ کر پر کرے کیونکہ کبھی مفتی کے ساتھ بدخواہی کی بنا پر ایسا کرتا ہے کہ جب فتوی دے چکے تو اس خالی جگہے پر فتوی کیخلاف کوئی چیز لکھ ڈالتے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آچکا ہے۔

۱۰۔ مستحب ہے کہ مفتی اپنے حاضرین میں جو اہلیت رکھتے ہوں، ان کے سامنے استفتاء کے رقعے کو پڑھے اور ان کے ساتھ اس کے مطالب کے بارے میں نرمی سے منصفانہ بحث و مشورہ کرے اگرچہ وہ درجے میں اس سے کم اور اس کے شاگرد ہوں تاکہ اسطرح علمائے ماسلف کی پیروی کی جائے نیز ایسے نکات کے واضح ہونے کی امید میں جو کبھی کبھار اس سے مخفی رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر کوئی اللہ کے فیوض حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے؛ البتہ اس صورت میں وہ فتوی کو مخفی طور پر پڑھ سکتا ہے جب اس کے آشکار پڑھنے میں کوئی کراہت ہو یا خود مسائل اسی طرح پڑھنے کو ترجیح دیں یا دوسروں کے سنانے میں کوئی مفسدہ پایا جاتا ہو۔

۱۱۔ مفتی کو چاہئے کہ فتوی کو واضح اور متوسط خط میں لکھدے، نہ اسقدر باریک خط ہو کہ پڑھا نہ جائے اور نہ بہت زیادہ موٹا ہو، اسی طرح سطروں کا درمیانی فاصلہ بھی متوسط ہو۔ بعض علماء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ وہ اپنے قلم اور خط کو بدل نہ دے تاکہ خط کے مشتبہ ہونے اور جھوٹی نسبت سے محفوظ رہے۔

۱۲۔ جب جواب لکھ چکے تو تامل کے ساتھ اس پر دوبارہ نظر کرے کہ کہیں اپنے جواب یا پوچھے گئے سوالوں میں کوئی خلل پیش نہ آیا ہو۔ یہ عمل، خط کے آخر میں اپنا نام لکھنے اور اس پر مہر لگانے سے پہلے انجام دینا چاہئے۔

۱۳۔ اگر وہ متعلقہ سوال کے فتوی دینے میں پہلا شخص ہو تو قدیم وجدید (علماء) کی روش کو اپناتے ہوئے رقعہ کے دائیں طرف سے لکھنا شروع کرے اور بسم اللہ وغیرہ کے اوپر کوئی چیز نہ لکھے۔

۱۴۔ مستحب ہے کہ جب فتوی لکھنے سے پہلے اللہ کی شیطان رجیم سے پناہ مانگے اور بسم

اللہ پڑھے اور اس کی ستائش کرے پھر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیجے اور اس طرح دعا مانگے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِی وَیَسِّرْلِی اَمْرِی وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِی یَفْقَهُوا قَوْلِی.

بعض علماء ایسے موقع پر یوں پڑھا کرتے تھے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیمِ ، سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (فَفَهَّمْنَاهَا سُلَیْمَانَ وَکُلًّا آتَیْنَا حُکْماً وَعِلْماً) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَائِرِ النَّبِیِّینَ وَالصَّالِحِینَ ، اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنِی وَاهْدِنِی وَ سَدِّدْنِی وَاجْمَعْ لِی بَیْنَ الصَّوابِ وَالثَّوابِ وَاَعِذْنِی مِنَ الْخَطاءِ وَالْحِرْمَانِ .

یعنی نہیں کوئی طاقت وقوت مگر خدائے برتر بزرگ کی طرف سے۔ تو ہی پاک و منزہ ہے ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جس کی تو نے ہمیں تعلیم دی ہے (پس ہم نے اسے سلیمان کو سمجھایا اور ہر ایک کو ہم نے علم اور حکمت عطا کی۔) اے اللہ رحمت نازل فرما محمد اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب اور دیگر نبیوں اور صالحین پر۔ اے اللہ مجھے کامیاب فرما: مجھے ہدایت عطا کر، مجھے (گناہوں سے) باز رکھ حق اور ثواب میرا نصیب کر اور مجھے خطاؤں اور محرومی سے بچائے رکھ۔ (ادب المفتی والمستفتی ارص ۷۶)

۱۵۔ فتوی کے آغاز میں لکھ دینا چاہئے

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ" یا "اَللهُ الْمُوَفِّقُ" یا "حَسْبُنَااللهُ" یا "اَللهُ حَسْبِیَ" یا "اَلْجَوابُ وَالتَّوْفِیقُ بِاللهِ" یا "بِاللهِ التَّوْفِیقُ" وغیرہ۔

اس بارے میں بہتر ہے کہ خدا کی حمد وثناء کے ساتھ آغاز کرے تا کہ حدیث کی پیروی

ہو۔ مناسب ہے کہ فتوی کو زبان پر جاری کرے پھر اسے لکھے اور ''وَاللّٰہُ اعلم'' یا ''وبا اللہ التوفیق'' جیسے کلمات سے تحریر کو ختم کرے۔ اس کے بعد (سب سے آخر میں یہ لکھے: اس کو فلاں بن فلاں نے لکھا ہے۔'' اور اپنا قبیلہ یا شہر یا کوئی اور وصف لکھے جس سے جانا جاتا ہو۔

۱۶۔ بعض علماء نے کہا ہے: مفتی کے لئے سزاور ہے کہ کچی پنسل سے اپنا فتوی لکھے اور اس میں سیاہی استعمال نہ کرے تاکہ کھرچ اور رگڑ سے بچے رہے، کتابوں کے برخلاف کہ جن کے لکھنے میں سیاہی کا استعمال زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان کو ہمیشہ کے لئے لکھا جاتا ہے اور سیاہی بھی زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔

۱۷۔ غالبا اس کا جواب مختصر ہونا چاہئے نیز اس انداز میں ہونا چاہئے کہ عوام بھی بخوبی سمجھ سکیں۔ حتی کہ بعض علماء اپنے جواب میں صرف یہ لکھ دیتے تھے: ''جائز ہے'' یا ''جائز نہیں ہے'' ''واجب ہے یا نہیں ہے'' یا ''نہیں'' یا ''ہاں'' وغیرہ وغیرہ۔

۱۸۔ بعض نے کہا ہے: اگر مفتی سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جائے جس نے یہ دعوی کیا ہو کہ میں محمد بن عبداللہ ﷺ سے زیادہ سچا ہوں، یا نماز صرف ایک کھیل ہے، اور اسی طرح کے دیگر کفر آمیز باتیں کہ جن سے وہ واجب القتل ٹھہرے تو بلا تامّل یوں نہ کہے کہ ''اس کا خون بہانا جائز ہے'' یا ''یہ واجب القتل ہے'' بلکہ اس طرح کہے کہ: اگر یہ مسئلہ اس کے اقرار یا (عادل) گواہوں کے ذریعے ثابت ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہوگا۔ اگر کسی ایسی چیز سے متعلق سوال ہو جائے جس کے موجب کفر ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہو تو کہے: ''اس سلسلے میں سوال کیا جائے لہذا اگر وہ کہنے والا اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہی ارادہ کیا تھا تو اس کا جواب ایسا ہوگا۔

اگر کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال ہو جائے جو قتل کے مرتکب ہوا ہو یا جس نے کسی کی آنکھ پھوڑی ہو یا ایسے ہی دیگر جرائم (جو موجبِ قصاص ہو) تو اس صورت میں نہایت محتاط انداز میں قصاص کی شرط اور قواعد کو یاد دہانی کر دینی چاہیئے، اور اگر کسی ایسے جرم کے مرتکب کے بارے میں سوال ہو جو تازیانے مارے جانے کا باعث ہو تو اس طرح کہے: تازیانے اس طرح اور اس مقدار میں مارے جائیں گے اور اس سے زائد نہیں ہونا چاہیئے۔

۱۹۔ اگر کسی میراث سے متعلق مفتی سے سوال کیا جائے تو اسے حسب معمول وارثوں کے غلام یا کافر نہ ہونے یا اسی طرح کے دوسرے امور کو جو ارث کیلئے مانع ہیں، بیان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس سلسلے میں ایک عام مسلمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکم سنائے گا۔ اُس صورت کے برخلاف کہ اگر استفتاء میں بہن بھائیوں اور پھوپیوں وغیرہ کے درمیان سوالات کئے گئے ہوں کہ اس صورت میں یوں کہنا ضروری ہے کہ کیا یہ بہنیں بھائی یا پھوپیاں ایک ہی ماں باپ سے ہیں یا ایک ماں سے یا ایک باپ سے؟

اگر ارث سے متعلق کئے گئے ان استفتائات میں کسی ایسے شخص کا ذکر ہو جو ارث کا حقدار نہ ہو تو اسے ارث نہ ملنے کے بارے واضح طور پر بیان کرتے ہوئے کہہ دینا چاہیئے: فلانے کو ارث نہیں ملے گا۔ اگر کسی شخص کو ایک شرط یا حالت میں ارث ملتا ہو لیکن دوسری صورت میں نہ ملتا ہو تو کہے کہ فلانے کو اس صورت میں ارث نہیں ملے گا وغیرہ وغیرہ، تا کہ وہ یہ توہم نہ کر بیٹھے کہ اس کو کسی صورت میں ارث نہیں مل سکتا۔

اگر بھائیوں، بہنوں، بیٹوں اور بیٹیوں کے بارے میں پوچھا جائے تو ایسا نہیں کہنا چاہیئے کہ لِلذَّكَرِ حَظُّ الأُنثَيَين کیونکہ ایسا کہنے سے ایک عام شخص کے لئے

پیچیدگی پیش آئے گی بلکہ یوں کہے: تم ترکے کو اتنے حصوں میں تقسیم کرو گے اور ہر بیٹے کو دو حصے ملیں گے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ اگر وہ قرآن کے لفظ کو ہی پیش کرے تو بھی معنی کے واضح نہ ہونے کے حوالے سے کوئی حرج نہیں اگرچہ پہلی صورت زیادہ واضح ہے۔

۲۰۔ سزاوار ہے کہ پہلے یوں کہے: وصیت یا قرضہ وغیرہ ہونے کی صورت میں ان کو ادا کرے پھر ترکہ کو تقسیم کریں۔ مفتی کو چاہئے کہ فتوی کو استفتاء کے آخر میں ملا کر لکھے اور کوئی فاصلہ نہ چھوڑے تا کہ سائل فتوی کے خلاف کوئی چیز اس میں اضافہ نہ کر سکے۔ اگر جواب کی جگہ اس سوالنامے کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اسی جگہ پر ہی جواب لکھے۔ اگر جواب کی جگہ تنگ ہو تو کسی دوسرے رقعہ پر اسے نہیں لکھ دینا چاہئے بلکہ اسی کاغذ کی پشت یا اس کے حاشیے پر تحریر کرنا چاہئے۔ پھر اس کی پشت پر لکھنے کی صورت میں اوپر سے نیچے کی طرف ہونا چاہئے مگر یہ کہ پہلے سے ہی استفتاء کے ساتھ نیچے سے شروع کیا ہو اور جگہ نہ ہونے کی صورت میں اس کو کامل کرنے کے لئے پشت کے نچلے حصے پر لکھ دیا جائے تا کہ جواب سے متصل رہے۔

۲۱۔ اگر مفتی پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کا جواب استفتاء کے مقصد کے خلاف واقع ہوا ہے نیز وہ یہ نہیں چاہتا کہ فتوی کی صورت میں ہو تو اس صورت میں اسے چاہئے کہ زبانی جواب دینے پر اکتفاء کرے۔ اسے اپنے مخالف کے فتوے میں شرعی حیلوں کی طرف مائل ہونے سے خبردار رہنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا بدترین عیوب اور رسوا کن حرکتوں میں سے ہے۔ شرعی حیلوں کی طرف مائل ہونے کی صورت میں یہ ہے کہ وہ اس فیصلے کو لکھے جو اس کے حق میں ہو اور اس فیصلے سے گریز کرے جو اس کے خلاف ہو۔

مفتی کو گواہی سے مربوط مسائل میں (طرفین) کو ان سے خلاصی میں راہنمائی نہیں کرنی چاہئے اور نہ ان میں سے کسی کو ایسی چیز کی تعلیم دے جس کے ذریعے اس کے مدمقابل کی دلیل ردّ کی جاسکے، تاکہ ان امور کے ذریعے کسی کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

مفتی کے لئے سزاوار ہے کہ جب مسائل کے بارے میں کوئی ایسی راہ نظر آئے جو اس کے حق میں مفید ہو نیز اسکے مدمقابل کے حق کے ضائع ہونے کا باعث بھی نہ ہو، تو اس راستے کی طرف اس کی راہنمائی کرے۔ جیسے اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک مہینے کا نفقہ نہ دینے کی قسم کھائی ہو جو شرعی طور پر بھی منعقد ہو چکی ہو تو اس سے کہے: تم اس کے مہر سے ادا کر دیا اسے قرض دے یا کسی چیز کے معاملے کے ذریعے اس تک نفقہ کا خرچہ پہنچادو اور بعد میں ان کو اس کے حق میں بخش دو۔

چنانچہ نقل ہوا ہے کہ کسی شخص نے ایک عالم دین سے پوچھا: میں نے رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے کی قسم کھائی ہے جبکہ میں اس کا کفارہ بھی نہیں دوں گا اور نہ کسی گناہ کا مرتکب ہونا چاہتا ہوں۔ تو اس عالم نے جواب دیا: تم اس کے ساتھ سفر پر نکلو (کہ جس سے روزہ بھی قصر ہوگا اور مجامعت پر کفارہ بھی نہیں ہوگا اور نہ گناہ کا مرتکب ہوگا)۔

۲۲۔ اگر مفتی کسی عام شخص کو سختی اور تندی کے ساتھ فتوی دینے میں مصلحت پائے جبکہ وہ اپنے سخت لہجے کے اظہار پر عقیدہ نہ رکھتا ہو نیز اس کے لئے اس میں کوئی توجیہ بھی ہو، تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے تاکہ ضرورت کے موقع پر اسے ڈانٹے اور دھمکائے، بشرطیکہ ایسا رویہ اختیار کرنے میں مفسدہ پایا نہ جاتا ہو۔ چنانچہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے قاتل کی توبہ کے بارے میں سوال کیا تو کہا: اس کے لئے کوئی

توبہ نہیں ہے۔ پھر ایک اور قاتل کے بارے میں پوچھا تو کہا: اس کے لئے توبہ ہے۔ پھر کہا
: جہاں تک پہلے شخص کی بات ہے تو میں اس کی آنکھوں میں ارادۂ قتل کا مشاہدہ کر رہا تھا لہذا
اس کے لئے منع کیا لیکن دوسرا شخص جس نے قتل کیا تھا میرے پاس ایک مسکین بن کر
(نہایت شرمندگی اور پشیمانی کے ساتھ) آیا تھا لہذا میں نے اسے محروم نہیں کیا۔ البتہ اس
معاملے میں مفتی پر واجب ہے کہ وہ توریہ کرے یعنی یوں کہے: اس کے لئے توبہ گناہ پر
اصرار کی صورت میں نہیں ہے یا جبکہ وہ قتل کا ارادہ رکھتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

۲۳۔ استفتاء کے متعدد رقعے پہنچنے کی صورت میں مفتی پر واجب ہے کہ حسب
ترتیب پہلے آنے والے رقعے کو مقدم کرے جیسا کہ قاضی حضرات مخالفین کے ساتھ کیا
کرتے ہیں۔ البتہ یہ اسوقت ہے جب استفتاء ایسا ہو کہ ان کا جواب دینا واجب ہو۔ اور اگر
سب رقعے برابر میں پہنچے اور پہلے آنے والے کے بارے میں علم نہ ہو تو قرعہ لگایا جائے
گا۔ ایک قول کے مطابق عورت یا اس مسافر کو مقدم کیا جائے گا جس کو (مقدم نہ کرنے پر)
سفر میں دشواری پیش آتا ہو اور اپنے ہمسفروں کیساتھ ملحق ہونے میں نقصان اٹھانا پڑتا ہو
اور اسی طرح دوسرے موارد پر بھی ہوگا، مگر یہ کہ استفتاء اس قدر زیادہ ہوں کہ اگر
اس (عورت یا مسافر وغیرہ) کو مقدم کرنے کی صورت میں دوسروں کو زیادہ نقصان اٹھانا
پڑے تو ان کو مقدم کرنے کے سلسلے میں پہلے آنے والے ہی کا لحاظ رکھا جائے گا یا یہ کہ قرعہ
لگایا جائے گا۔ البتہ ان میں سے کسی کو بھی ایک سے زیادہ مسئلے کے جواب میں مقدم نہیں کیا
جائے گا۔

۲۴۔ اگر مفتی استفتاء کے رقعے میں کسی اور کے خط کو مشاہدہ کرے جو اہل فتوی میں
سے ہو تو اگر چہ اس سے درجے میں کم ہو، پھر بھی اس سے موافقت کرتے ہوئے اس خط

کے نیچے لکھ دینا چاہئے کہ یہ ''جواب صحیح ہے'' یا ''میرا جواب بھی یہی ہے'' یا ''اسی طرح ہے'' یا ''میرا فتوی بھی انہیں عبارتوں میں ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ نیز اس کو چاہئے کہ (دوسرے کی تائید میں لکھے جانے والا حکم) جلی حروف میں اور خوش خط لکھے۔

لیکن اگر وہ اس میں کسی ایسے شخص کی تحریر کو بعنوان فتوی پائے جو فتوی کی اہلیت نہیں رکھتا ہو تو اسکے ضمن میں اپنا فتوی نہیں دینا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا ایک ممنوع کام کی تائید اور توثیق ہوگی بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ ایسی تحریروں کو ضائع کرے اگرچہ صاحب رقعہ ایسا کرنے پر راضی نہ و۔ البتہ اس کی اجازت کے بغیرہ مفتی اس تحریر یا فتوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ مفتی کو حق ہے کہ صاحب رقعہ کو ایسے برے کاموں سے ٹوکے نیز ایسے کاموں کی مذمت سے اسے آگاہ کرے اور یہ بھی بتائے کہ استفتاء کرنے والے پر فرض ہے کہ فتوی کی اہلیت اور شرائط رکھنے والے شخص کی تلاش کرے۔

اگر رقعہ میں کوئی ایسا نام نظر آئے جو پڑھا نہ جاتا ہو تو اسکے بارے میں پوچھے اور اگر وہ نہ بتائے تو اسے فتوی دینے سے باز رہ سکتا ہے تا کہ گذشتہ مطلب (یعنی برے کام کی تائید) سے بچے رہے۔ اس موقع پر بہتر یہ ہے کہ وہ صاحب رقعہ سے موجودہ فتوی کو بدل کر جدید فتوی لکھنے کے لئے کہے اور اگر وہ انکار کرے تو اپنا فتوی زبانی سنا دینا چاہئے۔

اگر مفتی کو کسی نا اہل کے فتوے کو ضائع کرنے پر فتنہ وفساد کا خوف ہو تو اگرچہ اس کا فتوی صحیح ہو، تاہم ایسے نا اہل کے فتوی کے ساتھ اپنا فتوی لکھنے سے گریز کرنا چاہئے لیکن اگر اس کا فتوی غلط ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس غلطی کی طرف صاحب رقعہ کی توجہ مبذول کرے اور اس قسم کی غلطیوں کی طرف تنبیہ کئے بغیر اس رقعے پر فتوی نہ لکھے اور مالک کی اجازت سے اس رقعے کو پھاڑ ڈالے۔ اگر ایسا کرنے یا اسی طرح کی دوسری چارجوئیوں سے

معذور ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اس غلط فتوی کے ساتھ ہی اپنا صحیح فتوی بھی تحریر کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو صاحب رقعہ کی اجازت سے سابقہ مفتی کے پاس روانہ کیا جائے۔

لیکن اگر وہ اس رقعے میں کسی اہلیت رکھنے والے کا فتوی مشاہدہ کرے جو اس کے اپنے نظریے کے خلاف ہو جبکہ اس کے غلط ہونے کا یقین بھی نہ ہو تو اس صورت میں اسے صرف اپنا جواب لکھنے پر اکتفا کرنا چاہئے اور دوسرے کے فتوی میں غلطی نکالنا یا اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

۲۵۔ اگر مفتی سوال کو بالکل ہی نہ سمجھ سکے جبکہ صاحب رقعہ بھی اس کے پاس حاضر نہ ہو تو کہا گیا ہے کہ یوں لکھے: مزید توضیح دی جائے تا کہ اس کا جواب دیا جائے۔ یا میں اس میں سے کچھ سمجھ نہیں سکا۔ اور فتوی لکھدینے کی صورت میں، اس کی تحریر اس طرح ہونی چاہئے کہ جس سے رقعہ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

اگر مفتی اس سوال سے کوئی خاص مفہوم لے جبکہ اس کے علاوہ دوسرے مطالب کا بھی اسے حتمال ہو تو اس سلسلے میں اپنی تحریر کی ابتداء ہی میں تصریح کرتے ہوئے لکھدینا چاہئے کہ: اگر مردیہ ہے، یا اگر اس نے ایسا کیا ہے تو جواب اس طرح ہوگا، وغیرہ وغیرہ؛ یا یہ اضافہ کرے کہ ورنہ مسئلے کا جواب یوں ہوگا۔

۲۶۔ اگر مفتی اپنے فتوے کے ضمن میں مختصر طور پر دلائل بھی پیش کرے جو آیات و احادیث سے قریب ہوں، تو کوئی حرج نہ ہوگا لیکن بعض نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ استدلال اور فتوؤں میں فرق پایا جاتا ہے جبکہ ایک گروہ تفصیل کا قائل ہوا ہے اور کہا ہے: اگر کسی عوام کو فتوی دیا جارہا ہو تو اسمیں دلیل کا ذکر نہیں کرنا چاہئے اور اگر کسی فقیہ کے لئے

لکھا جارہا ہوتو ذکر کیا جائے اور یہی نظریہ بہتر ہے۔ بلکہ بعض واقعات میں مفتی کوسختی اور مبالغے سے کام لیناپڑتا ہےلہذاوہ کہتا ہے:

اس مسئلے پر مسلمانوں کا اجماع ہے یااس مسئلے میں اختلاف کا مجھے علم نہیں یایوں کہتا ہے: جس نے اس فتوی کی مخالفت کی اس نے ایک واجب سے سرتابی کی ہےاورحق یا اجماع سے منہ موڑاہے، یااس نے یقیناً گناہ کیا ہے، یایوں کہتا ہے: ولی امر پرلازم ہے کہ اس حکم پرعمل کرے اور اس میں کوتاہی نہ برتے اور اسی طرح کے الفاظ کو مصلحت اور صورت حال کی مناسبت سے اپنے فتوے میں استعمال کرتا ہے۔

....

چوتھی نوع

استفتاء کرنے والے کے آداب اور اس کے اوصاف میں

اس میں چند مسائل ہیں:

ا۔تعریفِ مستفتی: ہر وہ شخص جو علوم اجتہاد کے حامل مفتی کے درجے پر نہ پہنچا ہو وہ اپنے پوچھے جانے والے مسائل کی نسبت مستفتی ہے اور اس کو عامی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ وہ اپنے زمانے کے اہل علم بلکہ بعض دوسرے علوم میں جو احکام شرعی سے متعلق نہیں ہیں، وہ خود مفتی سے زیادہ عالم ہو؛ کیونکہ اصطلاح میں عامی سے مراد وہ شخص ہے جو خاص کے مقابلؔ میں ہو چاہے یہ خاص کسی بھی اعتبار سے ہو لیکن یہاں یعنی فتوی میں خاص سے مراد مجتہد اور عام سے مراد اس سے کمتر لوگ ہیں۔

مستفتی کو مقلِد بھی کہا جاتا ہے اور تقلید سے مراد کسی جائز الخطاء شخص کے قول کو قبول کرنا ہے بغیر اس کے کہ اس قبول کئے جائے والے مسئلے پر دلیل طلب کرے یہ لفظ مادہ 'قلادۃ' [گردن بند] سے ہے یعنی وہ مقلِد جن احکام میں اس کا عقیدہ ہے، انہیں ایک

قلادہ کی شکل میں اس شخص کی گردن میں ڈال رہا ہے، جس کی وتقلید کر رہا ہے۔

جب کوئی ایسا حادثہ پیش آئے کہ جس کے احکام کا جاننا ضروری ہو، تو ان کے بارے میں استفتاء کرنا ہر عامی پر واجب ہے پس اگر اپنے شہر میں کوئی مفتی نہ ملے تو اس پر واجب ہے کہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں نکلے جو فتوی دیتا ہو اگر چہ اس کا گھر بہت دور ہو۔ جیسا کہ پہلے زمانے کے لوگ بھی ایک مسئلے کی خاطر کئی کئی رات دن دسفر کیا کرتے تھے اور بعض عراق سے حجاز (مکہ سے مدینہ) تک جاتے تھے چنانچہ ایک شخص کے ابی درداء کی حدیث کے سلسلے میں حجاز سے شام تک جانے کا واقعہ گزر چکا۔

۲۔ استفتاء کرنے والے پر فرض ہے کہ صرف ایسے شخص سے فتوی طلب کرے جسے وہ (جامع شرائط ہونے کے اعتبار سے) جانتا ہو یا اس کے اہل تقوی ہونے اور اس کے عادل ہونے میں ظن غالب ہو۔ لہذا اگر وہ اس کی علمیت کے بارے میں نہیں جانتا ہو تو لازم ہے کہ تحقیق کر کے ان دو طریقوں میں سے ایک کے ذریعے اس کو پہچانے: الف:۔ بذات خود اس کے ساتھ اتنی آمد و رفت کرے کہ اس کے حالات سے واقف ہو جائے۔

ب:۔ اس سلسلے میں دو عادل گواہی دیں یا یہ کہ اس سلسلے میں پائی جانے والی اس کی شہرت سے پہچانا جائے۔ یا دین کے ماہر علماء کے ایک گروہ کے اس بارے میں گمان کے ذریعے پہچانے اگر چہ وہ عادل نہ ہوں باین معنی کہ ان ماہروں کا اس بارے میں پائے جانے والا قول اس مستفتی کے ظن کا باعث ہو۔ اگر اس کی عدالت کے بارے میں علم نہ ہو تو ایسے گروہ کی طرف رجوع کرے جس سے اس کی عدالت کا پتہ لگے یا اس سلسلے میں پائے جانے عالی مقبولیت یا دو عادلوں کی طرف رجوع کرے۔

۳۔ اگر فتوی دینے والے دو یا اس سے زیادہ ہوں تو اگر فتوؤں میں ان کا اتفاق ہو تو

اسے اخذ کرے گا اور اختلاف کی صورت میں اس مستفتی پر واجب ہے کہ ان مفتیوں میں سے اسی کی طرف رجوع کرے جو زیادہ پرہیزگار اور جاننے والا ہو اور اگر ان اوصاف کے اعتبار سے ان میں اختلاف پایا جائے تو اسی کی طرف رجوع کرے جو زیادہ جاننے والا ہو یا جو زیادہ پرہیزگار ہو اور اگر ان دونوں کی پرہیزگاری اور علمیت میں ٹکراؤ ہو تو اعلم کی تقلید کرے۔ اگر ان کا حال معلوم نہ ہو یا دونوں مذکورہ اوصاف میں برابر ہوں تو اگرچہ یہ فرض بعید ہے تاہم مقلّد کو اختیار ہے جس کو چاہے اختیار کرے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کا حال معلوم ہو یا نہ ہو مطلقا اس کو اختیار ہے کیونکہ سبھی فتوی دینے کی اہلیت رکھتے ہیں البتہ یہ اکثر اہل سنت کا قول ہے اور ہمارے علماء میں سے ہم کسی کو نہیں جانتے جو اس قول کے قائل ہوں بلکہ ہماری طرف سے جو نص پائی جاتی ہے اس کے مطابق پہلی صورت معین ہے (یعنی صرف ان کے حالات کے معلوم ہونے اور اوصاف میں برابری کی صورت میں اختیار ہے۔

۴۔ یہ مسئلہ زندہ مجتہد کی موجودگی میں یا اس کی غیر موجودگی میں، مردہ مجتہد کی تقلید کے جواز کے بارے میں ہے: اس سلسلے میں علماء کے درمیان چند اقوال پائے جاتے ہیں:

پہلا قول: ہمارے ہاں ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ چاہے زندہ مجتہد ہو یا نہ ہو مردہ مجتہد کی تقلید جائز ہے۔ کیونکہ آدمی کی موت سے اس کے نظریے بھی ختم نہیں ہوا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد بھی اجماع اور اختلاف کے معاملے میں ان کی آراء اور نظریات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی گواہ کا حکم سنانے سے پہلے واقع ہونے والی موت اس کی گواہی کے لئے مانع نہیں ہوتی، اس کے فسق کے برخلاف (یعنی اگر گواہ، اس کی گواہی اور حکم سنانے سے پہلے فاسق ہو جائے تو مزید اس کی گواہی کی گنجائش

نہیں رہتی)۔

دوسرا قول: مطلقا (چاہے زندہ مجتہد ہو یا نہ ہو) مردہ مجتہد کی تقلید جائز نہیں ہے (کیونکہ مجتہد کے جانے سے اس کی اہلیت بھی کالعدم ہو جاتی ہے) یہی وجہ ہے کہ اجماع کے سلسلے میں اس کی زندگی کے بعد اعتراض کیا جا سکتا ہے اور یہی اعتراض اس کی حیات میں نافذ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ نظریہ ہمارے علماء خصوصا علمائے متاخرین میں مشہور ہے بلکہ ہم کسی ایسے قابل اعتماد کے بارے میں نہیں جانتے جو صریحا اس کے خلاف کہنے والا ہو۔ لیکن یہ دلیل ہمارے اصول کی رو سے نہیں ہے کیونکہ اجماع میں معصوم کا پایا جانا معتبر اور شرط ہے چنانچہ یہ کسی سے مخفی نہیں۔

تیسرا قول: صرف زندہ مجتہد کی موجودگی میں جائز نہیں ہے نہ یہ کہ اس کی غیرہ موجودگی میں۔

۵۔ اگر متعدد مفتی پائے جاتے ہوں اور علمیت اور دینداری میں بھی سب برابر ہوں یا یہ کہ ہم مطلقا اختیار کے قائل ہوں، پھر (مطلوبہ مجتہد سے پہلے واقعہ یا سوال کے بارے میں جواب پانے کے بعد) ایک اور واقعہ پیش آئے تو اس میں کیا مستفتی پر واجب ہے کہ اسی پہلے والے مجتہد کی طرف رجوع کرے؟ اس سلسلے میں دو اقوال پائے جاتے ہیں کہ جن میں سے وہی قول مناسب تر ہے جو عدم ضرورت پر مشتمل ہے۔

۶۔ اگر استفتاء کا جواب پانے کے بعد پھر وہی واقعہ پیش آئے (جس کے بارے میں سوال ہوا تھا) تو آیا دوبارہ استفتاء کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو اقوال پائے جاتے ہیں: ایک کے مطابق دہرانا چاہئے کیونکہ ممکن ہے مفتی کی نظر بدل چکی ہو۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق دہرانا ضروری نہیں کیونکہ حکم پہلے ثابت ہو چکا ہے اور اصل بھی

یہی ہے کہ مفتی اپنے پہلے حکم پر قائم ہے البتہ یہ سوال زندہ مجتہد کی تقلید کے بارے میں پیش آتا ہے لیکن مردہ مجتہد کے بارے میں قابل تصور نہیں ہے۔

۷۔ مستفتی کو چاہئے کہ بذات خود یا کسی ایسے شخص کو پوچھنے کے ذریعے جس پر اسے اعتماد ہو یا یہ کہ خط کے ذریعے استفتاء کرے۔ وہ ذیل کی صورتوں میں مفتی کے خط پر اعتماد کرسکتا ہے: ا۔ ایک عادل تائید کرے کہ یہ مفتی کا خط ہے۔ ۲۔ خود مفتی کے خط کو پہچان سکتا ہو اور جواب کے دوسروں کے خط میں ہونے کے بارے میں کوئی شک بھی نہ ہو۔

اگر مستفتی، مفتی کی زبان نہ جانتا ہو اور کسی عادل مترجم کا محتاج ہو تو اس صورت میں کیا اس کو ایک ہی عادل پر اکتفا کرنا چاہئے یا یہ کہ دو عادل ہونا شرط ہے؟ دو اقوال ہیں کہ ان میں سے دوسرا صحیح تر ہے۔

۸۔ مستفتی کو چاہئے کہ مفتی کا ادب کرے اور اس سے مخاطب ہونے اور اسے جواب وغیرہ دینے میں احترام کو پیش نظر رکھے اور اس کے چہرے کی طرف ہاتھ سے اشارہ نہ کرے اور اسے اس طرح نہ کہے کہ: ''آپ نے اس پر دھیان نہیں کیا ہے'' اور جب جواب دے تو یوں نہ کہے: ''یہی کچھ میں نے سمجھا ہے یا یوں مجھے پیش آیا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح بھی مخاطب نہ ہو: ''مجھے فلاں نے فتوی دیا ہے'' یا ''دوسرے مفتی نے تو مجھے یہ فتوی دیا ہے'' یا ''اس کے خلاف فتوی دیا ہے'' نہ ہی یوں کہے: ''اگر آپ کا جواب پہلے لکھے ہوئے جواب کے موافق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ نا!'' کھڑے کھڑے اس سے سوال نہ کرے اور نہ اس وقت جب وہ مکمل آرام میں نہ ہو اور نہ ایسی مشغولیت میں جو اس کی خاطر جمعی کے لئے مانع ہو۔ اس سے دلیل طلب نہ کرے اور نہ اس طرح کہے کہ: آپ نے یوں کیوں کہا؟ اگر مستفتی اپنے اطمینانِ خاطر کے لئے دلیل کو سننا چاہے تو اسے

کسی اور مجلس میں طلب کرے یا اسی مجلس میں ہی فتویٰ کو قبول کرنے کے بعد جداگانہ طلب کرے۔

۹۔ اگر ایک ہی ورق میں کئی مفتیوں کی تحریروں کو اکھٹا کرنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے اعلم سے شروع کرے پھر جو زیادہ پرہیز گار ہو، پھر جو زیادہ عادل ہو پھر جو زیادہ عمر رسیدہ ہو اور اسی طرح ان اوصاف اور مرجحات کی ترتیب کو اپنائے جو امام جماعت (کے انتخاب) کے لئے معین ہیں اور اگر کئی جوابات کو کئی ورقوں پر جدا کرنا چاہے تو جس سے چاہے شروع کر سکتا ہے۔

استفتاء کا رقعہ بڑا ہونا چاہئے تا کہ مفتی واضح طور پر جواب لکھ سکے نہ یہ کہ مختصر ہو جو مستفتی کے حق میں مضر اور نقصان دہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ (کسی دوسرے سے استفتاء لکھوانے کی صورت میں) رقعہ لکھنے والا ایسا شخص ہونا چاہئے جو اچھی طرح سوال کو لکھ سکتا ہو اور مقصود کو خوش خط اور واضح لکھے۔ اس کو کچھ اس طرح ترتیب دے کہ کوئی اس میں تحریف نہ کر سکے، سوال کے مقامات کو واضح کرے اور جہاں کوئی غلطی ہو وہاں نقطہ گزاری کرے اور لغت کے اعتبار سے ان کے صحیح اعراب بیان کرے۔ اگر استفتاء لکھنے والا اہل علم میں سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ بعض علماء صرف اسی رقعے پر اپنا فتویٰ لکھا کرتے تھے جس پر کسی اہل علم لکھا ہوتا تھا۔

۱۱۔ رقعہ میں مفتی کے حق میں دعا کرنا نہیں بھولنا چاہئے پس اگر وہ ایک ہی مفتی کو لکھ رہا ہو تو یوں لکھنا چاہئے: ''رحمکَ اللہُ (اللہ آپ پر رحمت کرے) اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں'' یا رَضِیَ اللہ عنکَ (خدا آپ سے راضی ہو) یا وَفَّقکَ اللہ (خدا آپ کو کامیاب بنائے) یا ایَّدکَ اللہ (خدا آپ کی مدد کرے) یاسدّدکَ

ورَضِیَ اللهُ عَنۡ وَالِدَیۡکَ (خدا آپ کی اصلاح کرے اور آپ کے والدین سے راضی رہے) جیسی دعائیں اپنے سوال سے پہلے لکھے۔ اس سلسلے میں خود کو دعا میں شامل کرنا اچھا نہیں ہے۔

اگر چند مفتیوں کے لئے لکھنا چاہے تو یوں رقم کرے: "رَضِیَ اللهُ عَنۡکُمۡ اس بارے میں آپ حضرات کا کیا نظریہ ہے؟" یا "آپ حضرات کیا فرماتے ہیں" یا یہ کہ "اس بارے میں فقہاء کا کیا حکم ہے؟" سَدَّدَهُمُ اللهُ یا اَیَّدَهُمُ اللهُ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر مفرد کے لئے احترام اور تعظیم کے طور پر جمع کا صیغہ استعمال کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

مستفتی کو چاہئے کہ رقعہ کو مفتی کے سامنے کھول کر پیش کرے اور اسے کھلا ہی چھوڑے تاکہ مفتی کو اسے کھولنا یا لپیٹنا نہ پڑے۔

۱۲۔ اگر سوال کرنے والے کو اپنے شہر میں کوئی مفتی نہ ملے تو اس پر واجب ہے کہ، اس سوال کا حکم واجبی ہونے کی صورت میں، مجتہد کی تلاش میں سفر کرے چنانچہ پہلے بھی بیان ہو چکا۔ پھر اگر اپنے شہر اور دوسرے شہروں میں بھی اسے مفتی نہ ملے تو اس بنا پر کہ مردہ مفتی کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور یہ کہ کسی زمانہ کا مجتہد سے خالی رہنا ممکن ہو (نعوذ باللہ من ذالک)، تو اس پر واجب ہے کہ حتی الامکان اپنے امور میں احتیاط پر عمل کرے اور اگر احتیاط ممکن نہ ہو تو اس بارے میں آیا مستفتی اپنے مبتلا بہ مسئلے میں کسی وظیفے کا مکلّف ہے یا نہیں؟ اس میں دقتِ نظر کی ضرورت ہے۔

....
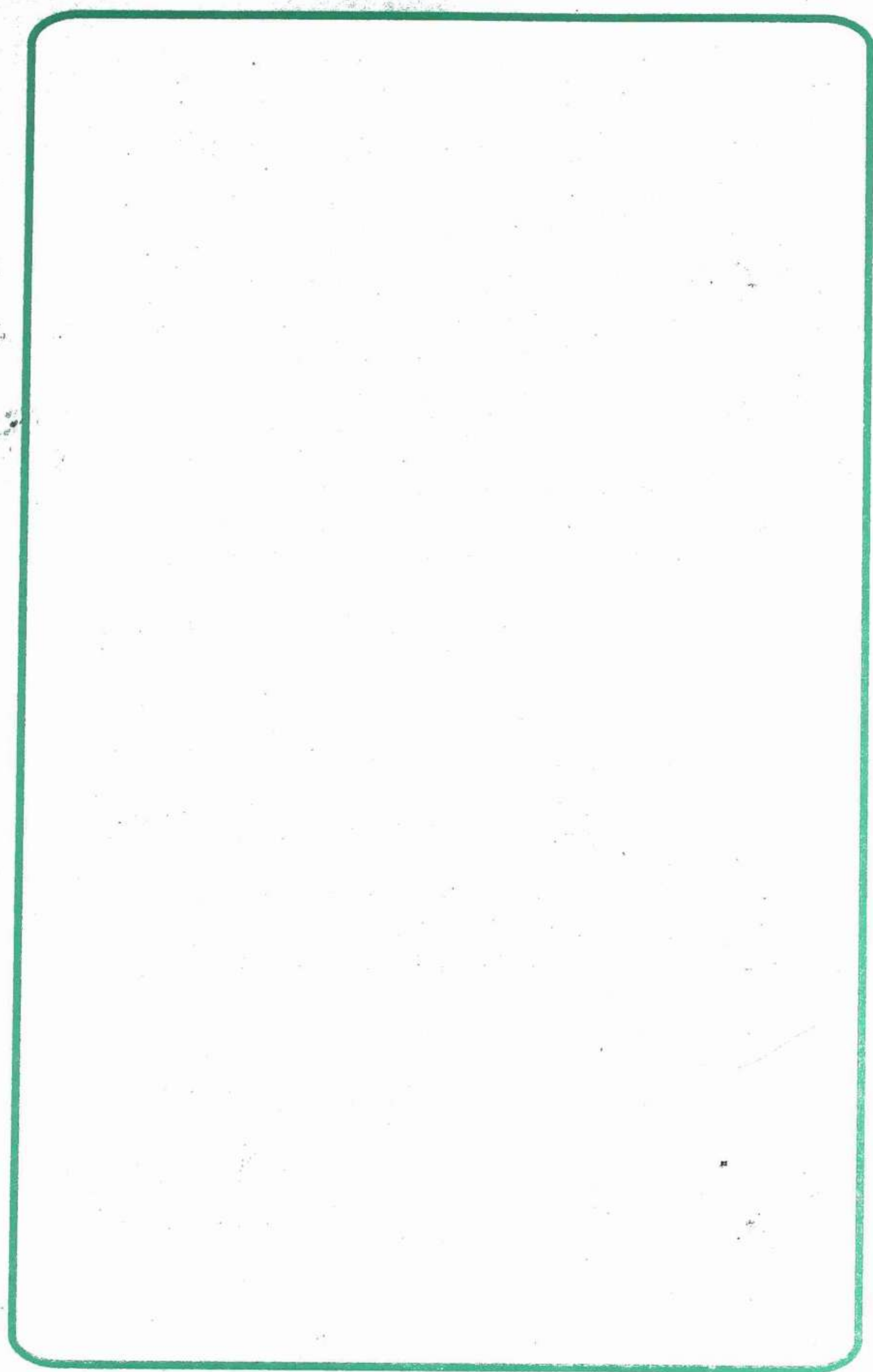
تیسرا باب

مناظرہ اور اس کی شرائط و آداب اور آفات کے بیان میں

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: مناظرے کے آداب اور شروط کے بیان میں

دوسری فصل: اس کی آفات اور اس کے باعث پیدا ہونے والے مہلک عادتوں کے بیان میں

پہلی فصل

مناظرہ کے آداب اور شروط

جان لو! کہ احکام دین کے بارے میں مناظرہ اور بحث کرنا دین کا جزء ہے مگر یہ کہ اس کے لئے خاص شروط، محل ومقام اور وقت پایا جاتا ہے۔ پس جو صحیح طریقے پر اس کی تمام شروط کے ساتھ مناظرہ کرنے لگے تو یقیناً اس نے مناظرہ کے حدود کی پاسداری کی اور اس سلسلے میں اس نے علمائے ماسلف کی پیروی کی کیونکہ وہ دینی مسائل میں مناظرہ کرتے تو صرف خدا ہی کے لئے کیا کرتے تھے اور خدا ہی سے طلب حق کرتے تھے۔

جو خدا کی راہ میں اور خدا کی خاطر مناظرہ کرتے ہیں ان کی خاص علامتیں پائی جاتی ہیں جو اس کے شروط اور آداب کے ذریعے واضح اور آشکار ہو جاتی ہیں۔

(خالصانہ خدا کی خاطر مناظرہ کرنے والوں کی علامتیں)

پہلی علامت: جیسا بھی ہو مناظرے سے طلب حق اور حق تک رسائی کا قصد کرے نہ یہ کہ اپنا علمی جوہر اور اپنی رائے مقصود ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا جدال ہے۔ اور آپ تو نزاع و

جدال میں پائے جانیوالے برے اثرات اوراس سے سختی سے ممانعت کو جان چکے ہیں۔

صرف خدا کی خاطر مذاکرہ کرنے والوں کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ صرف اسی وقت مناظرہ کریں گے کہ مد مقابل میں تاثیر کی امید پائی جاتی ہو۔لہذا اگراس کو اس بات کا علم ہو جائے کہ مد مقابل حق کو قبول کرنے والانہیں اور یہ کہ وہ اگرچہ اس کی غلطی واضح ہو جائے اپنے غلط نظریے سے پھرنے والانہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کا مناظرہ کرنا جائز نہیں ہوگا تا کہ ایسے مناظرے اور نزاع کے نتیجے میں پیش آنے والی آفات سے محفوظ رہے نیز اس لئے کہ مناظرے سے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری علامت: کوئی ایسا کام پایا نہ جاتا ہو جو مناظرے سے زیادہ اہم ہو کیونکہ مناظرہ اس کی صحیح شرعی روش پر واجبی طور پر ہونے کی صوت میں بھی، واجب کفائی شمار ہوتا ہے لہذا جب کوئی واجب عینی (مثل نماز) یا دوسرے مہم واجب کفائی ہونے کی صورت میں، مناظرے میں مشغول ہونا جائز نہیں ہوگا۔

وہ واجبات جن پر آج کے زمانے میں عمل نہیں ہوتا، ان میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ کبھی کبھار مناظرہ کرنے والے مجلسِ مناظرہ میں بہت سے منکرات اور حرام کاموں کے مرتکب ہو جاتے ہیں چنانچہ یہ بات واجبات اور محرمات سے آگاہ افراد پر مخفی نہیں ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ مناظرہ یا تو ایسے امور کے بارے میں ہوتا ہے جو کبھی پیش ہی نہیں آتے یا ان علمی دقیق نکات اور شرعی باریکیوں سے متعلق ہوتا ہے جو شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی تو مناظرہ کرے والے اور دیگر حاضرین مجلس ؛ وحشت پیدا کرنے ، ناسزا گوئی ، آزار رسانی اور کچھ ایسے کاموں کے مرتکب ہو جاتے ہیں جن کی رعایت کرنا

واجب ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کو نصیحت کرنا اور ان سے اظہار محبت کرنا وغیرہ۔ یہ ایسے گناہ ہیں جن کے بولنے اور سننے والے دونوں مرتکب ہوتے ہیں پھر اس کے بعد ان کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ صرف مناظرہ کر رہا ہے۔

تیسری علامت: مناظرہ کرنے والا، دینی امور میں اپنی رائے کے مطابق فتوی دینے والا مفتی ہونا چاہئے نہ یہ کہ کسی اور مجتہد کے نظریے کے مطابق ہوتا کہ جب اس پر اپنے مد مقابل کی زبان سے صحیح نظریہ ثابت ہو جائے تو اس کو اپنا سکے۔ لیکن جو مناظر مجتہد نہیں ہوتا تو وہ اپنے مقلَّد کے نظریے کی مخالفت نہیں کر سکتا لہذا اس کو مناظرے سے کیا فائدہ ہوگا جبکہ اس پر اپنے مقلَّد کی کمزوری واضح ہونے پر اسے ترک نہیں کر سکتا؟ پھر اگر فرض کریں کہ جو نظریہ اپنے مقلَّد کے پاس صحیح ہو اس کو اخذ کرے اگرچہ وہ درواقع ضعیف و سست ہو (تو بعد میں مقلَّد کا نظریہ بدلنے پر اس کا یہ فتوی بھی بدل جائے گا)۔ چنانچہ بعض مجتہدوں کے ساتھ ایسا ہی اتفاق پیش آیا ہے کہ وہ بعض ادلّہ سے استشہاد کرتے تھے پھر بعد میں ان پر یا دوسروں پر واضح ہو جاتا تھا کہ یہ ادلہ تو نہایت ضعیف اور سست تھے جن کے بعد انہیں اپنے فتوے تبدیل کرنے پڑتے تھے یہاں تک کہ ایک ہی کتاب میں بلکہ ایک ہی ورق میں۔

چوتھی علامت: کس ایسے مہم مسئلے کے بارے میں مناظرہ اور اس کا اہتمام ہونا چاہئے جو پیش آیا ہو یا قریب الوقوع ہو۔ مہم یہ ہے کہ حق کو واضح کرے اور اس سلسلے میں کلام کو ضرورت سے زیادہ طول نہیں دینا چاہئے۔

اس دھوکے میں نہ آئے کہ اس طرح کے ندرت کے ساتھ پیش آنے والے مسائل میں مناظرہ کرنا فکری ریاضت اور تحقیق واستدلال میں مہارت کا موجب ہوتا ہے چنانچہ

ان افراد کے ساتھ جو اظہار فضل و نام کے ذریعے نفس کو فائدہ پہنچانے کے خواہاں ہوتے ہیں، اکثر و بیشتر ایسا ہی اتفاق ہوتا۔ بہرحال وہ (اسی خیال میں مسائل کی) تعریفات اور اس پر آنے والے نقض و اعتراضات اور مغالطوں کے بارے میں مناظرہ کرتے ہیں اور اگر حقیقی معنوں میں ان کے حال کو پرکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہی ہدف پیش نظر نہیں رہا ہے۔

پانچویں علامت: یہ ہے کہ خلوت اور تنہائی میں مناظرہ کا نا اس کو محفل میں مناظرہ کرنے سے زیادہ پسند ہوگا کیونکہ خلوت میں زیادہ دل جمعی پیدا ہوتی ہے اور حق کو درک کرنے کے لئے فکر کو زیادہ جلا ملتی ہے جبکہ لوگوں کے سامنے مناظرہ کرنے میں دکھاوے اور مقابل کو اگرچہ باطل کے ذریعے سرکوب کرنے کے محرکات پیدا ہوتے ہیں۔ غلط مقاصد اور بری نیت رکھنے والوں کے لئے خلوت میں مسئلے کا جواب دینے میں اکتاہٹ پیدا ہوگی اور محفلوں میں ان کے لئے ایک قسم کا شوق و نشاط پیدا ہوگا اور مجمع میں اپنی رائے کو منوانے کے لئے مختلف حیلے کریں گے۔

چھٹی علامت: وہ حق کی تلاش میں اس شخص کے مانند ہوگا جو اپنی گمشدہ چیز کے درپے ہوتا ہے جہاں اس کو پائے گا شکر کرے گا۔ اس کے لئے فرق نہیں ہوتا کہ حق اپنے ذریعے ظاہر ہو یا دوسرے کے ذریعے لہذا وہ اپنے ساتھی کو ایک مددگار کی حیثیت سے دیکھتا ہے نہ مدمقابل اور حریف کی نگاہوں سے۔ جب بھی وہ ساتھی اس کے لئے حق کو واضح کرے یا اس کی غلطی کی نشاندہی کرے گا اس کا شکریہ ادا کرے گا جس طرح ایک شخص اپنی گمشدہ چیز کی تلاش میں کسی غلط راستے پر پڑنے کے بعد دوسرے کے صحیح راستہ دکھانے پر اس کا شکریہ ادا کیا کرتا ہے۔ کیونکہ حق مومن کا گمشدہ گوہر ہے لہذا اس کو اسی طرح ہی تلاش

کرنا چاہئے بنابراین اس کا حق یہ ہے کہ جب اپنے حریف کی زبانی حق آشکار ہو جائے تو اس سے خوش ہو اور اس کا شکریہ ادا کرے نہ یہ کہ اس سے شرمندگی اور روسیاہی کا احساس کرے اور غم وغصے سے چہرے کا رنگ بگڑ جائے اور اس سے مقابلہ کرنے اور اس سے دفاع کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔

ساتویں علامت: اپنے معاون کو ایک دلیل سے دوسری دلیل یا ایک سوال سے دوسرے سوال کی طرف متوجہ کرنے سے منع نہ کرے بلکہ اس کو یہ امکان دے کہ اپنے ذہن میں موجود مطالب کو بیان کرے اور اس کلام میں سے جو حق تک پہنچنے میں مدد دیتا ہو اس کو ظاہر کرنے دے، لہذا اگر اس کے کلام میں حق پایا جائے یا کوئی ایسا نکتہ ہو جس کا لازمہ اور نتیجہ حق ہو تو اگرچہ وہ خود اس سے غافل ہو پھر بھی اس کو قبول کرنا چاہئے اور اس پر شکر خدا ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا اصل ہدف حق کو پانا ہے چاہے غیر موزوں اور نامناسب کلام سے یہ مطلوب حاصل ہو۔

لیکن اپنے مدمقابل کو اس طرح کہنا کہ: چونکہ تم نے اپنا سابقہ کو ملحوظ نہیں رکھا ہے لہذا تمہارا نظریہ میرے لئے قابل قبول نہیں اور تمہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئے، نیز مناظرین کی طرف سے کہی جانی والی ایسی ہی فضول باتیں محض عناد و دشمنی اور راہِ حق سے ہٹنے کی بنا پر ہے۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مناظر کی محافل محض بحث ونزاع پر ختم ہوتی ہیں یہاں تک کہ معترض مدمقابل سے اپنے اعتراض کی دلیل خود جانتے ہوئے بھی طلب کرتا ہے، اور آخر کار محفل اس عناد کی بنیاد پر کئے جانے ولالے انکار واصرار پر انجام پاتی ہے۔

آٹھویں علامت: کسی ایسے شخص کے ساتھ مناظرہ ہونا چاہئے جو علم میں مستقل اور

صاحب نظر ہوتا کہ حقیقی، طالبِ حق ہونے کی صورت میں اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ماہر اور برجستہ شخصیتوں کے ساتھ مناظرہ کرنے سے اس خوسے گریز کرتے ہیں کہ کہیں ان کی زبان سے حق واضح نہ ہو جائے۔ ایسے لوگ ہمیشہ اپنے سے کم علم رکھنے والوں سے مناظرہ کرنے کے شوقین ہوتے ہیں تا کہ غلط نظریات کو ان پر ثابت کریں۔

ان شرائط اور علامات کے علاوہ اور بھی دقیق شروط اور آداب پائے جاتے ہیں لیکن ان مذکورہ آداب میں وہ نکات پوشیدہ ہیں جو آپ کو صرف خدا کی خاطر کی کئے جانے والے مناظروں کی شناخت نیز ایسے لوگوں کو پہچاننے میں راہنمائی کریں گے جو صرف خدا کی خاطر یا کسی اور غرض سے مناظرہ کیا کرتے ہیں۔

....

دوسری فصل

مناظرہ سے پیدا ہونیوالے آفات اور برے نتائج کے بیان میں

جان لو! کہ وہ مناظرہ جو غلبہ پانے، مدمقابل کو لاجواب کرنے نیز فخر ومباہات اور اظہار فضل کی غرض سے منعقد کیا جاتا ہے، ان تمام برائیوں کا سرچشمہ ہوتا ہے جو اللہ کو ناپسند اور اس کے دشمن ابلیس کو پسند ہوتی ہے؛ اور اس سے پیدا ہونے والی باطنی برائیوں جیسے تکبر، خود بینی، ریا، رقابت، تزکیہ نفس اور حب جاہ وغیرہ کی نسبت ایسی ہی ہے جیسی شراب کو ظاہری برائیوں مثلا زنا، قتل اور تہمت وغیرہ سے ہوتی ہے یعنی جس طرح، اگر کسی کو شرابخواری اور دیگر برائیوں میں اختیار ہو اور وہ شرابخواری کو ناچیز سمجھتے ہوئے اس کو اختیار کرے تو یہی شرابخواری اس کو دوسری برائیوں کی طرف ابھارتی ہے، اسی طرح جس شخص پر، مناظرہ میں دوسروں کو خاموش کرنے اور اور ان پر غلبہ پانے کا شوق ہو نیز جاہ طلبی اور فخر ومباہات کا جذبہ اس پر غالب آئے گا، تو یہ شوق اور چاہت اسے ان تمام خباثتوں کی طرف لے جائے گی۔

(مناظرہ سے پیدا ہونے والی آفتیں یہ ہیں)

پہلی آفت:۔ حق کے مقابلے میں سرکشی اور اسے کراہت رکھنا اور حق کے خلاف کج بحثی کے ذریعے مبارزہ کرنا یہاں تک کہ مناظر کے پاس سب سے منفور چیز اپنے مدمقابل کی زبان سے حق کا ظاہر ہونا ہوتا ہے اور جب کبھی ظاہر ہوتا ہے تو جلدی سے، جہاں تک ہو سکے چالبازیوں اور مکر وحیلہ کے ذریعے اس سے انکار کرنے لگتا ہے۔ پھر بعد میں نزاع اور کج بحثی اس کی فطرت میں رچ بس کر ایک عادت بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب بھی کوئی بات سنے اس پر اعتراض کرنے پر مائل ہوتا ہے تا کہ اس کے ذریعے اپنے فضل اور خصم کی اگر چہ وہ حق پر ہو، کمی کو ظاہر کرے۔

ہم پہلے بھی آپ کو نزاع اور کج بحثی کی مذمتوں اور اس سے پیش آنے والے مفاسد سے متعلق بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ، خود پر بہتان باندھنے والے اور حق کو جھٹلانے والے کو برابر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِباً بِالحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ.

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھتا یا اس حق کو جھٹلاتا ہے جو اس کے پاس آچکا ہے۔ (عنکبوت/۶۸)

ابی درداء نے، ابی امامۃ واثلہ اور انس سے روایت کی ہے کہ انہوں کہا:

ایک دن رسول اللہ ﷺ ہماری طرف نکل آئے جبکہ ہم دین کے کسی مسئلے کے بارے میں بحث ونزاع کر رہے تھے تو آپؐ اس قدر ہم پر برہم ہوئے کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر فرمایا:

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلُكُم بِهٰذا ، ذَرُوا الْمِرَاءَ فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لا يُمَارِي

ذَرُوا الْمِراءَ فَإنَّ الْمُمارِیَ قَدْتَمَّتْ خَسارَتُهُ ، ذَرُوا الْمِراءَ فَإنَّ الْمُمارِیَ لاَاُشْفَعُ لَهُ یَوْمَ الْقِیمَةِ، ذَرُوا الْمِراءَ فَاَنَا اَعِیمٌ بِثَلاثَةِ اَبْیاتٍ فِی الْجَنَّةِ: فِی رِباضِها وَ اَوْسَطِها وَ اَعْلاها لِمَنْ تَرَکَ الْمِراءَ وَهُوَ صادِقٌ ذَرُوا الْمِراءَ فَاِنَّ اَوَّلَ ما نَهانِی عَنْهُ رَبّی بَعْدَ عِبادَةِ الْاَوْثانِ :اَلْمِراءُ .

تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں،تو تم بھی بحث ونزاع کو چھوڑ و کیونکہ مومن بحث ونزاع نہیں کیا کرتے ۔ بحث وجدال کو چھوڑو کیونکہ نزاع کرنے والے کے لئے مکمل خسارت ہوگی، نزاع سے گریز کرو کیونکہ نزاع کرنے والے کی میں قیامت کو شفاعت نہیں کروں گا۔نزع اور کج بحثی سے دور رہو کیونکہ میں حق پر ہوتے ہوئے نزاع ترک کرنے والے کے لئے جنت میں تین گھروں کا ضامن ہوں، ایک جنت کے نچلے حصے میں،ایک اس کے وسط میں اورایک اس کے سب سے اونچے مقام پر؛ مجادلہ سے بچے رہو کیونکہ سب سے پہلی چیز جس سے میرے پروردگار نے مجھے بت پرستی کے بعد منع فرمائی ہے وہ بحث ونزاع ہے۔(مجمع الزوائدج۱ص۱۵۶)

پیغمبراکرم ﷺ سے روایت ہے کہ:

۲. ثَلاثٌ مَنْ لَقِیَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ بِهِنَّ، دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ اَیِّ بابٍ شاءَ : مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ وَخَشِیَ اللهَ فِی الْمَغیبِ وَالْمَحْضَرِ ، وَتَرَکَ الْمِراءَ وَاِنْ کانَ مُحِقّاً.

تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی خدا سے ملاقات کرے گا تو اس کو اختیار ہے کہ جس دروازے سے چاہے داخلِ بہشت ہو جائے؛ خوش اخلاق ہونا، تنہائی اور ظاہر میں خدا سے ڈرنا اور بحث ونزاع کو اگر چہ حق پر ہو ترک کرنا۔(منیۃ المرید

ص۳۱۶، ناشر دفتر تبلیغات اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے کہ فرمایا، امیر المؤمنین - نے فرمایا:

۳. اِیّاکُمْ وَالْمِراءَ وَالْخُصُومَةَ، فَاِنَّهُما یُمْرِضانِ الْقُلُوبَ عَلَی الْاِخْوانِ وَیَنْبُتُ عَلَیْهِمَا النِّفاقُ.

تم مجادلہ اور کج بحثی سے بچے رہو کیونکہ یہ دونوں دلوں کو بھائیوں کی نسبت مریض بنا دیتے ہیں اور ان دونوں سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔ (وہی کتاب ص ۳۱۷)

نیز امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے نبی ﷺ سے فرمایا:

اِیّاکَ وَمُلاحاةَ الرِّجالِ. لوگوں سے نزاع کرنے سے بچے رہو! (وہی کتاب)

دوسری آفت: (مناظرہ سے پیدا ہونے والی آفتوں میں سے ایک) ریا اور لوگون کو پیش نظر رکھنا، ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنا اور ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنا ہے کہ وہ اس کے نظریے کی تائید کرے اور اس کے مدمقابل کے خلاف اس کی مدد کرے ایسا کرنا عین ریا بلکہ اس کا ایک معمولی جزء ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِینَ یَمْکُرُونَ السَّیِّئَاتِ لَهُمْ عَذابٌ شَدِیدٌ وَمَکْرُاُولئِکَ هُوَ یَبُورُ.

وہ لوگ جو برے برے مکر کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر نابود ہو جائے گا۔ (فاطر/۱۰)

ایک قول کے مطابق ان سے مراد ریاء اور ریا کار ہیں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوالِقاءَ رَبِّهِ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صالِحاً وَلا یُشْرِکْ بِعِبادَةِ رَبِّهِ اَحَداً.

پس جو خدا سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ عمل صالح انجام دیں اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ (کہف/۱۱۰)

ریاء شرک خفی ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخافُ عَلَيْكُمْ : اَلشِّرْكُ الْاَصْغَرُ . قالُوا وَمَاالشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يارَسُولَ اللهِ ؟قالَ: اَلرِّياءُ. يَقُولُ اللهُ تَعالىٰ يَوْمَ الْقِيامَةِ اِذا جَزى الْعِبادَ بِاَعْمالِهِمْ : اِذْهَبُوا اِلَى الَّذِينَ تُراؤُنَ فِي الدُّنيا ، فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمُ الْجَزاءَ.

جس چیز کا مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے مراد ریاء اور دکھاوا ہے۔ قیامت کے دن جب خدا بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دیدے گا تو فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جو دنیا میں ریاء اور دکھاوا کیا کرتے تھے تو ذرا دیکھو کیا ان کے پاس کوئی جزا پائی جاتی ہے؟ (منیۃ المرید ص ۳۱۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

نیز آپؐ سے مروی ہے:

اِسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ حُبِّ الْخِزِي .قيلَ وَماهُوَ يا رَسُولَ اللهِ؟ قالَ: وادٍ فِي جَهَنَّمَ اُعِدَّ لِلْمُرائي .

چاہِ مذلت سے خدا کی پناہ مانگو! عرض ہوا اس چاہ مذلت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: یہ جہنم کی ایک وادی ہے جو مجادلہ کرنے والاون کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۴۷۷)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ الْمُرائِیَ یُنادَی یَوْمَ الْقِیمَةِ یا فاجِرُ ، یا غادِرُ، یا مُرائی ، ضَلَّ عَمَلُکَ وَبَطَلَ اَجْرُکَ اِذْهَبْ فَخُذْ اَجْرَکَ مِمَّنْ کُنْتَ تَعْمَلُ لَهُ .

بے شک نزاع ومجادلہ کرنے والے کو قیامت کے دن یوں پکارا جائے گا: اے فاجر! اے فریبکار! اے جھگڑالو! تمہارا عمل ناپید اور تیرا اجر ضائع ہو چکا ہے تو جاؤ اپنی پاداش اسی سے لے لو جس کے لئے تم کام کیا کرتے تھے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۲۵۴)

جراح مدائنی نے امام جعفر صادق ؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے خدائے عز وجل کے اس قول:

"فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقاءَ رَبِّهِ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صالِحاً وَلا یُشْرِکْ بِعِبادَةِ رَبِّهِ اَحَداً ." (کہف/۱۱۰)

کے جواب میں فرمایا: (اس سے مراد) وہ شخص ہے جو ثواب کا کام کرتا ہے لیکن اس سے رضائے خدا مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اس سے اپنی پاکیزگی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اور لوگوں سے اپنی خوبیاں سننا چاہتا ہے تو اس نے اپنے رب کی بندگی میں دوسروں کو شریک کیا ہے۔

آپ ؑ ہی سے منقول ہے: فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْمَلَکَ لَیَصْعَدُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مُبْتَهِجاً بِه ، فَاِذا صَعَدَ بِحَسَناتِه یَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اِجْعَلُوها فی سِجِّینٍ، اِنَّهُ لَیْسَ اِیّایَ اَرادَ بِه.

فرشتے خوشحالی میں بندوں کے اعمال کو لیکر پرواز کرتے ہیں اور جب اچھے اعمال کو (آسمان کی طرف) لے جاتے ہیں تو خدا فرماتا ہے: اس کے اعمال کو سجّین (گناہگاروں کے اعمالناموں) میں قرار دو کیونکہ اس نے ان عمال کو امیری خاطر انجام

نہیں دیا ہے۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۹۴۔۲۹۵ کتاب کفر وایمان)

امیر المؤمنین ؑ سے مروی ہے:

ثَلاثُ عَلامَاتٌ لِلْمُرائی : یَنْشَطُ اِذارَ أی النَّاسَ ، وَیَکْسَلُ اِذا کانَ وَحْدَہُ ، وَیُحِبُّ اَنْ یُحْمَدَ فِی جَمِیْعِ اُمُورِہ.

ریا کار ستیزہ جو کی تین علامتیں ہیں: جب لوگوں کو دیکھتا ہے تو ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ، جب تنہا ہوتا ہے تو (عبادت میں) سست ہوتا ہے اور اپنے تمام کاموں میں لوگوں کی تعریف چاہتا ہے۔ (وہی کتاب، باب الریاء، حدیث ۸)

تیسری آفت: غضب ہے کیونکہ مناظرہ تقریبا ہر وقت غصے کی حالت میں ہی ہوتا ہے مخصوصا جب اس کا قول رد کیا جائے یا اس کے کلام پر لوگوں کے سامنے اعتراض کرتے ہوئے اس کی دلیل کو ضعیف قرار دیا جائے؛ کیونکہ ظاہری بات ہے کہ ایسی باتوں پر وہ ناراض ہو جاتا ہے اور اس کا ناراض ہو جانا کبھی حق بجانب ہوتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا جبکہ خدا اور اس کے رسول ؐ نے غصے کی ہر حالت میں مذمت فرمائی ہے اور اس کے بارے میں زیادہ دھمکایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ جَعَلَ الَّذینَ کَفَرُوا فی قُلُوبِهِمُ الْحَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَةَ فَاَنْزَلَ اللهُ سَکینَتَهُ عَلی رَسُولِهِ ....

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلوں کی، تو خدا نے اپنے رسول ؐ اور مومنوں پر تسکین نازل فرمائی۔ (فتح/۲۶)

عکرمہ سے اس قول خدا ''سَیِّداوَ حَصُوراً'' کے بارے میں نقل ہوا ہے: سید یعنی وہ شخص جس پر غصہ غالب نہیں آتا۔

روایت ہوئی ہے: کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ مجھے ایک ایسے عمل پر امر فرما جو سب سے کم ہو! فرمایا: غضبناک نہ ہو۔ اس دوبارہ وہی سوال کیا۔ فرمایا غصہ مت کرو۔

معصوم - سے سوال ہوا:

مَایُبَعِّدُ مِن غَضَبِ اللهِ تَعَالیٰ قَالَ: تَغْضَبُ

کون سی چیز (انسان کو) اللہ کے غضب سے دور رکھتی ہے؟ فرمایا: غصّہ مت کرو۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴۳)

حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے:

.مَنْ کَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَاللهُ عَوْرَتَهُ .

جو اپنے غصے کو روکے گا خدا اس کی برائی پر پردہ ڈالے گا۔ (وہی کتاب)

ابو درداء سے مروی ہے کہ کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایک ایسے عمل کی طرف راہنمائی فرما جو میں مجھے جنت میں لے جائے۔ فرمایا: غضبناک نہ ہو۔

نیز آپ ؐ کا ہی ارشاد گرامی ہے:

اَلْغَضَبُ یفسِدُالْاِیمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ .

غضب ایمان کو ایسا ہی فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد بنا دیتا ہے۔ (وہی کتاب)

ما غَضِبَ اَحَدٌ اِلَّا اَشْفیٰ عَلٰی جَهَنَّمَ .

جو بھی غضبناک ہو جائے گا جہنم کے دہانے پر قرار پائے گا۔ ((وہی کتاب)

امام عفر صادق سے مروی ہے:

میں نے اپنے پدر گرامی کو فرماتے ہوئے سنا: ایک صحرانشین رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں صحرانشین ہوں لہذا مجھے ایک ایسا کلام سکھائیں جو جامع ہو۔ فرمایا: میں تم کو حکم کرتا ہوں کہ غصہ مت ہو۔ پھر اس اعرابی نے اسی سوال کو تین مرتبہ دھرایا اور وہی جواب پایا یہاں تک کہ اس نے اپنے دل میں کہا، آئندہ کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہیں کروں گا کیونکہ رسول خدا ﷺ نے مجھے خیر ہی کا حکم دیا ہے۔

آپؑ ہی سے منقول ہے کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ یُفْسِدُ الْایمانَ کَما یُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.

غضب ایمان کو ایسا ہی فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد بنا دیتا ہے۔ (وہی کتاب)

امام محمد باقرؑ کی خدمت میں غصے کا تذکرہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَغْضَبُ فَمَا یَرْضی اَبَداً حَتّی یَدْخُلَ النَّارَ،

آدمی جب غضبناک ہو جاتا ہے تو اس وقت تک سکون نہیں پائے گا جب تک جہنم میں داخل نہ ہو، (یعنی جب تک کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوگا)۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۳ کتاب الایمان والکفر)

آپؑ ہی سے منقول ہے کہ فرمایا:

توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت موسی ؑ مناجات کرنے لگے تو خدا نے فرمایا:

یامُوسی، اَمْسِکْ غَضَبَکَ عَمَّنْ مَلَّکْتُکَ عَلَیْهِ، اَکُفُّ عَنْکَ غَضَبی.

اے موسیٰ! جس شخص کا میں نے تمہیں اختیار دیا ہے اس کے بارے میں اپنے غصے کو

روکے رکھو تو میں بھی تم سے اپنا غصہ روکے رکھوں گا۔ (وہی کتاب)

ابوثمالی سے امام محمد باقر ؑ کے حوالے سے مروی ہے کہ فرمایا:

اِنَّ ھذا الغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّیْطانِ تُوقَدُ فی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، وَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذا غَضِبَ احْمَرَّتْ عَیْناهُ وَانْتَفَخَتْ اَوْداجُهُ وَدَخَلَ الشَّیْطانُ فیه.

بلاشبہ یہ غصہ (آتشِ) شیطان کا ایک انگارا ہے جسے وہ لوگوں میں بھڑکاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ جب تم میں سے کوئی غضبناک ہو جاتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ اور گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اس میں نفوذ کر جاتا ہے۔ (وہی کتاب)

اس سلسلے میں اور بھی روایات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کتب قدیمہ میں یوں مرقوم ہے:

انبیاء میں سے ایک نے اپنے ہمراہ سے فرمایا:

کون ہے جو مجھے غضبناک نہ ہونے کی ضمانت دے تاکہ مقام و منزلتِ (نبوت) میں میرے برابر ہو اور میرے بعد میرا جانشین ٹھہرے۔ تو لوگوں میں سے ایک جوان نے کہا: میں حاضر ہوں۔ پھر اس سے یہی سوال دہرایا تو پھر اسی جوان نے کہا کہ میں حاضر ہوں! اور اس جوان نے اس ضمانت اور عہد کو پورا بھی کیا لہذا جب وہ نبی دنیا سے چلے گئے تو وہ جوان ان کے بعد مرتبہ نبوت پر فائز ہوا؛ اور وہ جوان حضرت ذوالکفل تھے چنانچہ اسی لئے آپ کو یہ نام ملا کہ آپ نے غصہ نہ کرنے کے عہد کو اپنے ذمے لیا اور اس کو پورا بھی کیا۔

چوتھی آفت: بغض ہے جو کہ غضب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب صورت حال سے تشفی نہ پا سکنے کے نتیجے میں آنے والے غصے کو روکنا پڑتا ہے تو وہ اندر ہی اندر جمع ہوتا رہتا ہے اور بغض و کینہ میں بدل جاتا ہے۔ بغض و حقد سے مراد یہ ہے کہ اس صورت حال سے اس

کے دل میں سنگینی، بغض اور کینہ ودشمنی پیدا ہوگی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

الـمؤمـن لَيسَ بِحُقُودٍ. یعنی مومن بغض نہیں رکھا کرتا۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴۳)

پس معلوم ہوا کہ حِقد یعنی بغض غضب ہی کا ثمرہ ہے اور بغض تو بہت سی برائیوں کا سبب بنتا ہے جیسے: حسد، خود پر پڑنے والی آفتوں پر برا بھلا کہنا، گوشہ نشینی، قطع تعلقی اور ناجائز باتیں مثلاً جھوٹ، غیبت، راز فاش کرنا اور ہتک حرمت وغیرہ، نیز ایسی باتوں کو نقل کرنا جو اپنے استہزاء اور مسخرے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح قول وفعل سے آزار دینا وغیرہ غیرہ کہ جن میں سے ہر ایک حِقد کا نتیجہ ہے۔

ان ممنوعہ آفات سے بچنے کی صورت میں حقد یا بغض کا کمترین درجہ یہ ہے کہ اس کے اندر بے چینی اور سنگینی پیدا ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک اپنے دل سے اس بغض کو روک نہیں سکے گا جب تک وہ اس بغض کی چاہت سے ہاتھ اٹھا کر ان خوبیوں جیسے ہشاش بشاش رہنا، ہمدردی اور اظہار محبت اور اس کے حق میں نیکی اور مدارات کرنا وغیرہ کو نہ اپنائے۔ بغض کے یہ تمام درجات اگرچہ تمہارے عقاب کا سبب نہیں بنتے تاہم تمہارے لئے ملنے والے عظیم فضل اور فراوان ثواب کے لئے مانع ہوں گے اور دین میں تمہارے لئے کمی کا باعث ہوں گے۔

جان لینا چاہئے کہ دوسرے کو جزاء دینے کی قدرت رکھنے کی صورت میں حقد کی تین صورتیں ہیں: ۱۔ بلاکم وکاست اس کے حق کو ادا کرنا جس کا وہ مستحق ہو چکا ہے اور ایسا کرنا عین عدل ہوگا ۔۲۔ عفو ودرگذر کے ذریعے اس سے نیکی کرنا اور یہ فضل ہے۔ ۳۔ اس کے حق پر ظلم کرنا اور یہ جور اور زیادتی ہے۔ تو ان میں سے پہلی صورت صالحین کا آخری مرتبہ ہے۔ دوسری صورت

صدیقین کی سیرت ہے اور تیسری صورت پست لوگوں کی سیرت ہے۔ لہذا مومن کو چاہئے کہ اگر ابھی تک عفوو درگذر کے ذریعے اس مقام وفضیلت کو حاصل نہیں کر پایا ہے تو (اب) اس فضیلت کی (کچھ اس طرح اپنے اندر عادت پیدا کرے) کہ اسی کے عنوان سے نام پیدا کرے۔ کیونکہ عفو وہ صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ائمہ ؑ کو ترغیب دلائی ہے۔ قول خداوندی ہے: خُذِالْعَفْوَ [عفو کو اپناؤ] (اعراف/۱۹) دوسرے مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَعْفُوا اَقْرَبُ لِلتَّقوی. یعنی عفوودرگذر کرنا تقوی کا نزدیک ترین مقام ہے۔ (بقرہ/۲۳۷)

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثَلاثٌ ـ وَالَّذی نَفْسی بِیَدِه ـ اِنْ کُنْتُ لَحالِفاً عَلَیْهِنّ : ما نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مالٍ فَتَصَدَّقُوا ، وَلا عَفا رَجُلٌ عَنْ مَظْلَمَةٍ یبْتَغي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعالیٰ اِلّا ازْدَادَهُ اللّٰهُ تَعالیٰ بِهَا عِزّاً یَوْمَ الْقِمَةِ، ولا فَتَحَ رَجُلٌ بابَ مَسْئَلَةٍ اِلّا فَتحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بابَ فَقْرٍ.

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں اگر میں قسم کھاؤں تو بجا ہوگا:

۱۔ صدقہ کبھی مال کو گھٹاتا نہیں لہذا صدق دیا کرو۔ ۲۔ جب بھی کوئی شخص اپنے اوپر ڈھائے گئے ظلم کو خدا کی رضا کے لئے معاف کردے گا تو خدا (یقیناً) قیامت کے دن اس کی عزت میں اضافہ کرے گا۔ ۳۔ جو بھی شخص دوسروں پر سوال وسماجت کا دروازہ کھولے گا (یعنی دوسروں کو سوال وسماجت کرنے پر مجبور کرے گا) خدا اس پر فقر وتنگدستی کا دروازہ کھولے گا۔ (احیاء علوم الدین، ج۳، ص ۱۵۷۔۱۵۸)

اَلتَّواضُعُ لا يَزِيدُ الْعَبْدَ اِلّا رَفْعَةً فَتَواضَعُوا يَرْفَعُكُمُ اللّٰهُ ، وَالْعَفْوُ لا يَزِيدُ الْعَبْدَ اِلّا عِزّاً فاعْفُوا يُعِزَّكُمُ اللّٰهُ، وَالصَّدَقَةُ لا تَزِيدُ الْمالَ اِلّا كَثْرَةً فَتَصَدَّقُوا يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ.

نیز فرمایا: تواضع بندے کی رفعت اور بلندی میں ہی اضافہ کرتا ہے لہذا تواضع کیا کرو اللہ تمہیں مقام و بلندی عطا کرے گا۔ عفوودرگذر بندے کی عزت کو ہی بڑھاتا ہے تو عفو کو اپنا پیشہ بناؤ کہ خدا تمہاری عزت کرے گا اور صدقہ مال میں اضافہ ہی کرتا ہے تو صدقہ دیا کرو کہ خدا تم پر رحمت کرے گا۔ (احیاء علوم الدین، ج۳، ص ۱۵۸)

یارَبِّ اَیُّ عِبادِکَ اَعَزُّ عَلَیْکَ ؟ قالَ : اَلَّذِی اِذا قَدَرَ عَفا.

نیز فرمایا: حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کیا: پروردگارا! تیرا کونسا بندہ تیرے نزدیک سب سے زیادہ عزیز ہے؟ فرمایا: وہ بندہ جو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرے۔
(احیاء علوم الدین، ج۳، ص ۱۵۸)

ابن عمیر نے عبد اللہ بن سنان اور انہوں نے امام جعفر صادق ؑ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا: رسول خدا ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

اَلا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ خَلائِقِ الدُّنیا وَالْآخِرَةِ : اَلْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ ، وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَالْاِحْسانُ اِلی مَنْ اَساءَ اِلَیْکَ ، وَاِعْطاءُ مَنْ حَرَمَکَ .

اے لوگو! کیا میں تمہیں دنیا و آخرت کی بہترین اخلاق اور نیک صفات کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (اور وہ اخلاق یہ ہیں):

جس نے تم پر ظلم کیا اسے معاف کرو، جس نے تیرے ساتھ ترک تعلقات کیا اس سے تعلقات رکھو، جس نے تجھ سے برائی کی اس پر احسان کرو اور جس نے تجھے محروم کیا اسے

عطا کرو۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۰۷ کتاب الایمان والکفر)

اس سلسلے میں بہت سی احادیث پائی جاتی ہیں لیکن اس مختصر کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔

پانچویں آفت: حسد؛ یہ بھی حِقد اور بغض کا نتیجہ ہے۔ اور بغض اور حقد غضب کا ثمرہ ہے جیسا کہ گزر گیا۔

اکثر و بیشتر مناظرہ کرنے والا حسد اور بغض کی حالت میں رہ جاتا ہے کیونکہ کبھی تو وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے؛ کبھی اس کی باتوں اور دلائل کی دادی دیجاتی ہے اور کبھی اس کے حریف اور مدمقابل کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو جب وہ غالب نہیں آئے گا اور اس کی تعریف نہیں ہوگی تو اس کو وہ اپنے لئے تمنا کرے گا نہ دوسروں کے لئے یہی عین حسد ہے۔ کیونکہ علم سب بڑی نعمت ہے پس جب کوئی ایسے غلبہ اور فتح اور اس کے آثار کو صرف اپنے لئے تمنا کرے (اور دوسرے کو اس سے محروم یعنی مغلوب کرنا چاہے گا) تو اس نے اپنے ساتھی کی نسبت حسد برتی ہے۔

یہ ایک ایسا امر ہے جو تمام مناظرہ کرنے والوں کے ساتھ پیش آتا رہتا ہے مگر وہ جسے خدا بچائے رکھے۔ جبھی تو ابن عباس نے فرمایا: علم جہاں پائے اسے لو لو اور فقہاء کے آپس میں پائے جانے والے اختلاف کو معیار مت بناؤ کیونکہ ان کی آراء میں اختلاف پایا جانا ایسا ہی ہے جیسے مختلف کمین گاہوں کے اعتبار سے ہرنوں کا مختلف ہونا (یعنی ان کی آراء میں ظاہری اختلاف سے علم کی حقیقت نہیں بدلتی)۔

جو احادیث حسد کی مذمت اور اس سے ڈرانے کے سلسلے میں آئی ہیں ان کی تو کوئی حد وشمار نہیں۔ اس صفت کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا کی ابتداء سے اس کے آخر

تک روئے زمین پر پھیلنے والے گناہ اور خرابکاریاں حسد ہی کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں یعنی جب ابلیس نے آدمؑ سے حسد برتا تو اس کا انجام یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے اسے (اپنی بارگاہ سے) دھتکار دیا اور لعنت بھی کی اور اس کے لئے جہنم تیار کیا جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ اس کے بعد اسے اولاد آدم پر تسلط کیا اور خون اور روح کے ذریعے ان کے بدنوں میں نفوذ کر گیا۔ وہی ابلیس بابا آدم کی خطا کا موجب بنا۔ حسد، خلقت آدم کے بعد واقع ہونے والا سب سے پہلا گناہ ہے، یہی حسد ہے جو فرزند آدم کے اپنے بھائی کے قتل کا موجب ہوا کہ جسے خدائے تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں کی زبانی حکایت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ حسد کو شیطان اور جادوگر کا قرین قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ، وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی الْعُقَدِ ، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ .

اور شب تاریک کی برائی سے (میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں) اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کی برائیوں سے اور حاسدوں کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگیں۔ (فلق/۳۔۵)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَسَدُ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ (اصول کافی ج۲ص ۳۰۶ کتاب الایمان والکفر)

۱ . دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ : اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ . وَهِیَ الْحَالِقَةُ ، لَا اَقُولُ حَالِقَةَ الشَّعْرِ وَلٰکِنْ حَالِقَةَ الدِّیْنِ ، وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوا ، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا .

سابقہ امتوں کی بیماری نے دبے پاؤں تمہاری طرف رخ کیا ہے یعنی بغض وحسد؛ یہ بیماری تراشنے والی بیماری ہے؛ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو تراشے گی بلکہ یہ (تمہارے اندر سے) دین وایمان کو تراش کر اس کا خاتمہ کردے گی۔ اس ذات کی قسم جس کت دست قدرت میں محمد کی جان ہے! تم جنت میں اس وقت تک نہیں جاؤگے جب تک ایمان نہیں لاؤگے اور تم ہرگز ایمان نہیں لاؤگے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کروگے۔ (منیۃ المرید ص۳۲۴، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

سِتَّةٌ يَدْخُلونَ النّارَقَبْلَ الْحِسا بَ بِسَتَّةٍ . قِيلَ يا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ ؟ قالَ : اَلْاُمَراءُ بِالْجَوْرِ ، وَالْعَرَبُ بِالْعَصَبِيَّةِ ، وَالدَّهاقِينُ بِالْكِبْرِ ، وَ التُّجّارُ بِالْخِيانَهِ ، وَاَهْلُ الرُّسْتَاقِ بِالْجَهالَةِ، وَالْعُلَماءُ بِالْحَسَدِ .

لوگوں کے چھ گروہ چھ صفات کی وجہ سے بغیر حساب وکتاب کے جہنم میں داخل ہوں گے۔ عرض ہوا وہ کون ہیں یارسول اللہ! فرمایا: ۱۔ اہل ریاست، ظلم وجور کی وجہ سے ۲۔ اہل عرب تعصب کی وجہ سے ۳۔ رؤساء اور شرفاء تکبر وخود بینی کی وجہ سے۔ ۴۔ تجّار خیانت کی وجہ سے۔ ۵۔ دیہاتی جہالت کی وجہ سے ۶۔ علماء حسد کی وجہ سے۔ (احیاء علوم الدین ج۳، ص۱۶۳)

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتي [بِاَيِّ] بادِرَةٍ فَيَكْفُرُ، وَاِنَّ الْحَسَدَ لَيَأْكُلُ الْاِيمانَ كَما تَأْكُلُ النّارُ الْحَطَبَ.

محمد بن مسلم امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: آدمی جب خشم و شتابزدگی میں کوئی بھی کام کرنے لگتا ہے تو کفر کا مرتکب ہوجاتا ہے (یعنی شدت غضب کی وجہ سے ایسی حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے جو کفر کا باعث بنتا ہے) اور یقیناً حسد ایمان کو ایسا ہی

کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو ۔ (منیۃ المرید ص ۳۲۵، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے:

آفَةُ الدّینِ: اَلْحَسَدُ وَالْعُجبُ وَالْفَخرُ .

آفت دین؛ حسد، عجب وخود بینی اور فخر وتکبر ہے۔ (وہی کتاب)

نیز آپ ؑ سے منقول ہے کہ خدائے متعال نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:

یَا ابْنَ عِمرانَ ، لا تَحْسُدَنَّ النّاسَ عَلیٰ مَا آتَیتُهُمْ مِنْ فَضْلِی ، وَلا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلی ذٰلِکَ وَلا تُتبِعْهُ نَفْسَکَ ، فَاِنَّ الْحاسِدَ سَاخِطٌ لِنِعَمی ، صادٌّ لِقَسْمِیَ الَّذی قَسَّمْتُ بَیْنَ عِبادِی، وَمَنْ یَکُ کَذٰلِکَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَیْسَ مِنّی .

اے فرزند عمران! لوگوں سے ان چیزوں کے بارے میں ہرگز حسد نہ کرنا جو میں نے اپنے فضل وعنایت سے انہیں دی ہیں اور کبھی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھنا، اور تیرا نفس ان کے پیچھے نہ پڑے کیونکہ حاسد میری (لوگوں کو دی ہوئی) نعمت سے غصہ ہوتا ہے اور میرے بندوں میں تقسیم کئے ہوئے حصوں کو روکنا چاہتا ہے اور جو ایسا کرے گا تو نہ میرا اس سے کوئی واسطہ ہوگا اور نہ اس کا مجھ سے۔ (وہی کتاب)

نیز آپ ؑ ہی کا فرمان ہے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغْبِطُ وَلا یَحْسُدُ ، وَالْمُنافِقَ یَحْسُدُ وَلا یَغْبِطُ .

بے شک مومن غبطہ کرتا ہے اور حسد نہیں کرتا جبکہ منافق حسد کرتا ہے اور غبطہ نہیں کرتا۔ (وہی کتاب)

چھٹی آفت: گوشہ نشینی اور قطع تعلقی: یہ بھی حقد اور حسد ہی کے آثار میں سے ہے؛

کیونکہ جب مناظرہ کرنے والوں میں باہمی نفرت پیدا ہونے لگتی ہے، اوران سے غضب ظاہر ہونے لگتا اور ہر ایک یہ دعوی کرنے لگتا ہے کہ وہ ہی حق پر ہے اوراس کا مد مقابل غلطی پر ہے، اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے یا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مد مقابل کو غلط ثابت کرنے پر مصر ہے اوراس کے خلاف ڈٹے ہوئے ہے (تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں) اس کے اپنے ساتھی کے خلاف پائے جانے والے غصے اور حقد و کینہ توزی کے سبب یقیناً اس سے قطع تعلقی کر بیٹھے گا؛ اور ایسا کرنا تو عظیم گناہوں اور بڑی نافرمانیوں میں سے ہے۔

داؤد بن کثیر سے منقول ہے کہ اس نے کہا، میں نے امام جعفر صادق -کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

میرے پدر بزرگوار نے رسول خدا ﷺ سے نقل فرمایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

اَیُّمَا مُسْلِمَیْنِ تَهَا جَرَا فَمَكَثَا ثَلَاثاً لَا یَصْطَلِحَانِ اِلَّا كَانَا خارِجَیْنِ مِنَ الْاِسْلَام، وَلَمْ یَكُنْ بَیْنَهُمَا وِلَایَةٌ . وَاَیُّهُمَا سَبَقَ اِلىٰ كَلامِ اَخیهِ كَانَ السَّابِقَ اِلَى الْجَنَّةِ یَوْمَ الْحِسابِ .

جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے قطع تعلق کریں اور تین دن تک اسی حالت پر رہیں گے تو جب تک وہ صلح و آشتی نہیں کریں گے دائرہ اسلام سے خارج ہوں گے اوران دونوں کے درمیان کسی قسم کی محبت و دوستی نہیں ہوگی؛ پھران میں سے جو بھی اپنے دینی بھائی سے بات کرنے میں پہل کرے گا، قیامت کے دن جنت میں بھی پہلے جائے گا۔(اصول کافی ج۲،ص ۳۴۵، کتاب الایمان والکفر ،)

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جب بھی دو مومن قطع تعلقی کی بنا پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں تو ان میں سے

ایک خدا کی لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہوتا ہے اور کبھی تو دونوں ہی مستحق ہوتے ہیں۔

تو متعّب نے عرض کیا: میری جان آپ پر فدا ہو! (ایک تو ظالم ہونے کی وجہ سے لعنتِ خدا کا مستحق ٹھہرے گا) لیکن مظلوم کی کیا خطا ہے؟ فرمایا چونکہ اس نے اپنے بھائی کو صلح وصفائی کی دعوت نہیں دی اور اس سے بات کرنے میں پہل نہیں کیا۔ میں نے اپنے بابا کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

جب دو نفر آپس میں جھگڑتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے پر (برا بھلا کہنے میں) غالب آتا ہے، تو مظلوم کو چاہئے کہ اپنے ساتھی (ظالم) کے پاس جائے تاکہ اس سے یہ کہے: ''برادر! میں ہی ظالم ہوں'' تاکہ اس طرح ان کے درمیان قطع تعلقی اور رنجش کا خاتمہ ہو جائے؛ کیونکہ خدائے تعالیٰ حاکم اور عادل (بادشاہ) ہے جو ظالم سے مظلوم کا حق لے لیتا ہے۔

زرارہ نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے:

اِنَّ شَیْطَانَ یُغْرِی بَیْنَ الْمُؤْمِنِینَ مالَھُمْ یَرْجِعْ اَحَدُھُمْ عَنْ دِینِهِ ، فَاِذا فَعَلُوا ذٰلِکَ اسْتَلْقیٰ عَلیٰ قَفاهُ وَتَمَدَّ دَ، ثُمَّ قالَ :فُزْتُ . فَرَحِمَ اللّٰهُ اِمْرءً اَلَّفَ بَیْنَ وَلِیَّیْنِ، یَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِینَ تَاَلَّفُوا وَتَعاطَفُوا .

یقیناً شیطان اس وقت تک مومنوں میں فساد و دشمنی پیدا کرتا رہتا ہے کہ جب تک ان میں سے ایک دین سے پھر جائے اور جب وہ آپس کی دشمنی اور فساد میں پھنس جاتے ہیں تو شیطان چت لیٹ کر (سکون کا سانس لیتے ہوئے) کہتا ہے: میں کامیاب ہوا۔ (پھر امامؑ نے فرمایا:) خدا رحمت کرے اس شخص پر جو دو دوستوں کے درمیان محبت و الفت پیدا کرتا ہے۔ اے مومنو! آپس میں الفت و شفقت اختیار کرو۔! (وہی کتاب)

ابی بصیر نے امام جعفر صادق؈ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

لَا یَزالُ اِبلِیسُ فَرِحاً مَا اهتَجَرَ المُسلِمانِ ، فَاِذا الَتَقیا اصطَکَّتْ رُکبَتاهُ، وَتَخلَّعتْ اَوْ صَالُهُ وَنادَی یاوَیْلَهُ مَا لَقِیَ مِنَ الثُّبُورِ .

شیطان جبتک دو مسلمانوں میں بے تعلقی پائی جاتی ہے، خوشحالی رہتا ہے اور جب ان میں میل ملاپ ہوتا ہے تو اسکے گھٹنوں کا دم نکل جاتا ہے اور اس کے اعضاء و جوارح جواب دے جاے ہیں تو وہ پکار اٹھتا ہے: وائے ہو مجھ کہ ہلاکت و نابودی میں پڑ گیا۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۳۴۵، کتاب الایمان والکفر)

ساتویں آفت: ناجائز باتیں کرنا جیسے جھوٹ اور غیبت وغیرہ (میں مبتلا ہونا) جو کہ حقد اور کینہ توزی کے آثار میں سے ہے بلکہ یہ تو مناظرہ ہی کا نتیجہ ہے کیونکہ مناظرہ کرنے والا (مخلص نہ ہونے کی صورت میں) یقیناً مد مقابل کی مذمت اور توہین کی غرض سے اس کے کلام میں نقص نکالتے ہوئے اسے دوسروں کے سامنے نقل کرے گا کہ اس صورت میں غیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی تو اس کی باتوں میں ردو بدل بھی کرتا ہے تو جھوٹ بہتان اور فریبکاری کا مرتکب ہوگا اور کبھی تو صاف صاف اس کو جاہل اور احمق ظاہر کرتا ہے کہ اس صورت میں بدگوئی اور گالی گلوچ کا مرتکب ہو جائے گا۔

ان میں سے ہر ایک عظیم گناہ ہے جن کے بارے میں کتاب و احادیث میں بے شمار دھمکیاں پائی جاتی ہیں ۔ غیبت کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کو مردہ (بھائی کا گوشت) کھانے سے تعبیر کیا ہے چنانچہ قول خداوندی ہے:

وَلَا یَغتَب بَعضُکُم بَعضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُم اَن یَأکُلَ لَحمَ اَخِیهِ مَیتاً فَکَرِهتُمُوهُ .

اور ایک دوسرے کی غیبت مت کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ اور اس سے تو تم (یقیناً) نفرت کرو گے۔ (حجرات ۱۲)

حضور ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَعِرْضُهُ وَمَالُهُ.

ہر مسلمان پر دوسرے دمسلمان کا خون، مال اور آبرو ریزی کرنا حرام ہے۔ اور غیبت کرنا تو کسی کی آبرو پر ہاتھ لگانا ہے۔ (کتاب الادب، باب فی الغیبۃ حدیث ۴۸۸۲)

نیز آپؐ نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالْغِيبَةَ فِاِنَّ الْغِيبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنا، اِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِي فَيَتُوبُ، فَيَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِ. وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيبَةِ لا يُغْفَرُ حَتّى يَغْفِرَ صاحِبُها.

غیبت سے ہوشیار رہو کیونکہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ چونکہ جب آدمی زنا کرتا ہے تو یقیناً پشیمان ہوتا ہے اور اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو اس وقت تک نہیں بخشا جاتا جب تک اس کو وہ شخص بخش نہ دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ (کنز العمال ج ۳، ص ۵۸۶)

بتراء نے کہا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا جو گھر میں بیٹھی لڑکیوں کو بھی سنائی دے رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

يا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يؤْمِنْ [وَلَمْ يُسْلِمْ] بِقَلْبِه، لا تغتا بُوا الْمُسْلِمِينَ وَلا تَتَبَّعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيهِ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحُهُ اللهُ فی جَوْفِ بَيْتِه.

اے وہ لوگو! جو زبان سے تو ایمان لا چکے ہیں لیکن دل سے نہیں ۔ (یاد رکھو!) مسلمانوں کی غیبت نہ کرنا، ان کے اسرار کے پیچھے نہ پڑنا کیونکہ جو اپنے بھائی کے راز کے درپے ہوگا تو خدا اس کے رازوں پیچھے لگا رہے گا اور جس کے راز کے خدا پیچھا کرے گا تو وہ اپنے گھر کے اندر بھی رسوا ہو جائے گا۔ (منیۃ المرید ص ۳۲۷، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے:

وہ شخص مومن نہیں جو کسی مومن کے بارے میں آنکھوں سے دیکھی یا سنی ہوئی کوئی عیب وغیرہ بیان کرے تو وہ خدا کے اس قول میں شامل ہو جائے گا:

اِنَّ الَّذِینَ یُحِبُّونَ اَنْ تَشِیعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِینَ آمَنُوا لَهُمْ عَذابٌ اَلِیمٌ.

بے شک جو لوگ یہ چاہیں کہ مومنوں کے درمیان بے حیائی پھیلے تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (نور/۱۹)

پیغمبر اکرم ﷺ سے مروی ہے:

اِنَّ الْغِیْبَةَ اَشَدُّ مِن ثَلاَثِیْنَ زَنیَة

بیشک (اہمیت کے اعتبار سے) غیبت تیس زناؤں سے بھی زیادہ شدید ہے۔ (وہی کتاب ص ۳۲۸)

ایک اور حدیث میں ہے: مِن سِتَّةٍ وَثَلاَثِینَ زَنیَةً.

یعنی چھتیس زناؤں سے بھی شدید تر ہے۔

غیبت کے بارے میں تو گفتگو بہت طویل ہوگی لیکن ہمارا ہدف یہاں صرف اس کی مذمت اور پستیوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ مفضّل بن عمر نے حضرت صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا:

مَنْ رَوَى عَلَى مُؤْمِنٍ رِوَايَةً يُرِيدُ شَيْنَهُ وَهَدْمَ مُرُوَّتِه لِيَسْقُطَ مِنْ اَعْيُنِ النَّاسِ اَخْرَجَهُ اللهُ مِنْ وِلَايَتِه اِلَى وِلَايَةِ الشَّيْطَانِ، فَلا يَقْبَلُهُ.

جو کسی مومن سے اس نیت سے کوئی بات نقل کرے کہ اس کے ذریعے اس کی کوئی عیب بیان کرے اور اس کی عزت کو ختم کرے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے تو ایسے شخص کو خدا اپنی سلطنت سے نکال کر شیطان کی سلطنت میں داخل کرتا ہے تو شیطان بھی اُسے قبول نہیں کرے گا۔ (اصول کافی ج ا کتاب الایمان والکفر ،)

نیز آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

عَوْرَةُ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَرَامٌ ؛ قَالَ: مَاهُوَ اَنْ يَنْكَشِفَ فَتَرَى مِنْهُ شَيْئاً، اِنَّمَا هُوَاَنْ تَرْوِيَ عَيْبَه اَوْ تَعِيْبَهُ.

مومن کا عیب دوسرے مومن پر حرام ہے: فرمایا: اس سے یہ مراد نہیں کہ کہ جو عیب تجھے اس میں نظر آئے اسے ظاہر کرو بلکہ اس سے مراد اس کے عیب کو دوسروں سے نقل کرنا یا اس کی برائی کرنا ہے ۔ (وہی کتاب)

زرارہ نے امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم ؑ سے نقل کی اہے:

اَقْرَبُ مَايَكُونُ الْعَبْدُ اِلَى الْكُفْرِ : اَنْ يُؤَاخِيَ الرَّجُلَ عَلَى الدِّينِ ، فَيُحْصِيَ عَلَيْهِ عَثَرَاتِه وَزَلَّاتِه لِيُعَنِّفَهُ بِهَا يَوْماً مَّا.

جو چیز بندے کو سب سے زیادہ کفر کے قریب کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دین کی بنیاد پر دوسروں کے ساتھ بھائی چارگی اختیار کرے اور (اسی کے ذریعے) وہ اسکی لغزشوں اور عیوب کو اس کے خلاف (موقع پانے پر آشکار کرنے کے لئے) محفوظ رکھے۔ (وہی کتاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سِبابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ ، وَقِتالُهُ كُفرٌ ، وَاَكْلُ لَحْمِهِ مَعْصِيَةٌ ، وَحُرْمَةُ مالِه كَحُرْمَةِ دَمِه.

مومن کو برا بھلا کہنا فسق، اس کو قتل کرنا کفر، اس کی غیبت گناہ اور اس کے مال کی حرمت، اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔ (اصول کافی ج ۱ کتاب الایمان والکفر،)

ابوحمزہ سے مروی ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا:

اِذا قالَ الْمُؤمِنُ لِاَخيهِ : اُفٍّ خَرَجَ مِنْ وِلايَتِه. وَاِذا قالَ : اَنْتَ عَدُوّي ، كَفَرَ اَحَدُهُما ، وَلا يَقْبَلُ اللهُ مِنْ مُؤْمِنٍ عَمَلاً وَهُوَ مُضْمِرٌ عَلى اَخيهِ الْمُؤْمِنِ سُوءٍ.

اگر مومن اپنے بھائی سے اف کہے تو وہ اس کی دوستی سے نکل جاتا ہے اور اگر یہ کہے، تم میرا دشمن ہو تو وہ کفر کا مرتکب ہوا؛ اور اللہ تعالیٰ ایسے مومن سے کوئی عمل قبول نہیں کرتا جس کے باطن میں اپنے مومن بھائی کے لئے بدی پائی جاتی ہو۔ (وہی کتاب)

فُضیل نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا:

مَامِنْ اِنسانٍ يَطْعَنُ فی عَيْنِ مُؤْمِنٍ اِلَّامَاتَ بِشَرِّ مَيتَةٍ ، وَكانَ قَمِناً اَ لَّا يَرْجِعَ اِلی خَيْرٍ .

جو بھی انسان کسی مومن کی روبرو اس پر طنز و ملامت کرے تو یقیناً وہ بدترین موت مرے گا اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ خیر کی طرف پلٹ آئے۔ (وہی کتاب)

آٹھویں آفت: تکبر اور بڑائی جتانا؛ مناظرہ کی مجالس اور محافل میں ہمیشہ اپنے جیسوں سے بڑائی اور اپنی حد سے زیادہ برتری اور بلندی پانے کی تلاش ہوتی ہے نیز اپنے مدمقابل کے کلام کو، اگرچہ اس کی حقانیت ظاہر ہو، جھٹلایا جاتا ہے تاکہ دوسرے غلبہ نہ

پا جائیں اس پر یہ کہ اپنی کامیابی ثابت ہونے کے بعد بھی یہ اعتراف نہیں کرتا کہ ہم غلطی پر تھے اور حق وہی ہے جو مد مقابل نے کہا ہے۔

ایسا کرنا تو عین تکبر ہے جس کے بارے میں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ چنانچہ پیغمبر ﷺ نے گذشتہ حدیث میں بھی تکبر کی تفسیر میں فرمایا کہ تکبر سے مراد **بَطَرُ الحقِّ وَغَمْصُ النّاس** ہے اور ''**بَطَرُ الحقّ**'' سے مراد حق بولنے والے کے حق کو ٹھکرانا اور اس کا اعتراف نہ کرنا ہے اور ''**وَغَمْصُ النّاس**'' یعنی اہل حق کی تحقیر و تذلیل کرنا۔ اور اس مناظر نے تو حق بولنے والے کے حق کو اس کی حقانیت ظاہر ہونے کے بعد بھی ٹھکرایا ہے اگرچہ یہ دوسروں سے مخفی رہی ہو اور بسا اوقات تو وہ یہ سوچ کر اہل حق کو جھٹلاتا ہے کہ خود حق بجانب اور طرف مقابل باطل رائے پر ہے جبکہ وہ حق اور ان علوم و قوانین سے نابلد ہوتا ہے جن کے ذریعے حق کو پہچانا جاتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ارشاد خداوندی ہے:

اَلْعَظَمَةُ اِزَارِیْ ، وَالْكِبْرِ یاءُ رِدَائی . فَمَنْ نازَعَنِی فیهِمَا قَصَمْتُهُ .

عظمت میری پوشش اور بڑائی اور بزرگی میری رداء ہے تو جو مجھ سے ان دونوں کے معاملے میں نزاع (یعنی تکبر) کرے گا تو میں اس کی (کمر) توڑ دوں گا۔ (منیۃ المرید ص ۳۳۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَعْظَمَ الْكِبْرِ غَمْصُ الْخَلْقِ وَسَفَهُ الْحَقِّ . قالَ : قُلْتُ : وَما غَمْصُ الْخَلْقِ وَسَفَهُ الْحَقِّ ؟ قالَ یَجْهَلُ الْحَقَّ وَتَطْعَنُ عَلیٰ أَهلِه . فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ

فَقَدْ نازَعَ اللہَ (عَزَّوَ جلَّ) رِدَاءَہُ.

بلا شبہ سب سے بڑا تکبر "غمص الخلق" اور "سفہ الحق" ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ "غمص الخلق" اور "سفہ الحق" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ان سے مراد حق سے لاعلمی کا مظاہرہ کرنا اور اہل حق کی ملامت کرنا ہے۔ لہذا جو بھی اس صفت (تکبر) کا مرتکب ہوا اس نے اللہ سے اس کی بڑائی کے بارے میں نزاع کیا۔ (اصول کافی ج ا کتاب الایمان والکفر،)

حسین بن علاء نے امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے آپؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اَلْكِبْرُ قَدْ يَكُون فِي شِرارِ النّاسَ مِنْ كُلِّ جِنْسٍ ، وَالْكِبْرُ رِداءُ اللهِ فَمَنْ نازَعَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ رِدائَهُ ، لَمْ يَزِيدُهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا سِفَالاً.

تکبر اور غرور ہر بد جنس شخص میں پایا جاتا ہے جبکہ کبر اور بڑائی ردائے الہی ہے لہذا جو کوئی خدائے عزّ وجلّ سے اس کی بڑائی میں نزاع (تکبر) کرے گا تو خدا اس کی پستی اور ذلت میں ہی اضافہ کرے گا۔ (وہی کتاب)

آپؑ سے الحاد و شرک کے ادنا ترین درجے سے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: اس کا کم ترین درجہ تکبر ہے۔

زرارہ نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبه مِثْقالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْكِبْرِ

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔ (وہی کتاب)

عمر بن یزید سے نقل ہوا ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ سے عرض کیا: میں اچھی غذائیں کھاتا، اچھی عطر جات استعمال کرتا اور بہترین سواری پر سوار ہوتا ہوں اور غلام

میرے پیچھے ہوتا ہے تو حضور فرمائیں کہ کیا اس میں کبر و جبر کا کچھ شائبہ پایا جاتا ہے کہ اس صورت میں ایسا نہیں کروں گا۔ تو امام ؑ نے کچھ دیر سر مبارک کو جھکانے کے بعد فرمایا:

ملعون جبار تو وہ ہے جو لوگوں کی تحقیر کرے اور حق کو ٹھکرائے ۔ عمر نے کہا: میں نے عرض کیا جہاں تک حق کی بات ہے تو میں اس سے لاعلمی کا اظہار نہیں کرتا ہوں لیکن غمص سے مراد ہے میں نہیں جانتا۔ فرمایا: جو لوگوں کی تحقیر و تذلیل کرے اور جوان پر اپنا زور دکھائے تو وہ جبّار ہے۔

ابی حمزہ نے امام محمد باقر ؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلاثَةٌ لا یُکَلِّمُ اللهُ وَ لا یَنظُرُ اِلَیهِم یَومَ القِیامَةِ ،ولا یُزَکِّیهِم،وَلَهُم عَذابٌ اَلِیمٌ.

تین گروہ ایسے ہیں جن کے ساتھ خدا قیامت کے دن کوئی بات نہیں کرے گا، نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ (گناہوں سے) ان کو پاک ہی کرے گا بلکہ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہوگا، اور انہیں میں سے جبر کرنے والے کو بھی شمار کیا ہے۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب الایمان والکفر،)

نویں آفت: لوگوں کے عیوب کے بارے میں تجسس کرنا: مناظر ہمیشہ مد مقابل اور دوسرے لوگوں کی گفتگو میں پیدا ہونے والے لغزشوں کے در پے ہوتا ہے تا کہ (موقع آنے پر) اسے ایک ذخیرہ بنا کر اپنی باتوں کو مضبوط بنانے کا وسیلہ قرار دے نیز اس کے ذریعے اپنے غلطیوں اور جھوٹ سے بری ہونے کو ثابت کرے اور نقائص کر دور کرے۔ حتی کہ کبھی کبھی وہ حق سے غافل ہو کر دنیا کی خاطر علم حاصل کرنے والوں کے ساتھ اس قسم کی حرکتیں کرنے بھی لگتا ہے لہذا وہ اپنے ایسے حریفوں کے حالات اور عیوب کی کی تلاش میں

ہوتا ہے اور کبھی انہیں ان کے منہ پر ثابت کرتا ہے اور کبھی باتوں باتوں میں۔ اور وہ ایسی حرکتوں پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے: دیکھا کہ کس طرح میں نے اسے خاموش اور رسوا کر دیا اور اسی طرح کی دیگر پست حرکتیں کرنے لگتا ہے جو دین سے بیگانہ اور شیطان کے پیرو کاروں کا کام ہوتا ہے۔ جبکہ خدا نے فرمایا ہے: وَلا تَجَسَّسُوا (یعنی دوسروں کے معاملوں میں) تجسس نہ کیا کرو۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُؤْمِنْ [وَلَمْ يُسْلِمْ] بِقَلْبِه، لا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ ، فَإِنَّ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحُهُ اللّٰهُ فِي جَوْفِ بَيْتِه.

اے وہ لوگو! جو زبان سے تو ایمان لا چکے ہیں لیکن دل سے نہیں۔ (یاد رکھو!) مسلمانوں کی غیبت نہ کرنا، ان کے اسرار کے پیچھے نہ پڑنا کیونکہ جو اپنے بھائی کے راز کے درپے ہوگا تو خدا اس کے راز کے پیچھے لگا رہے گا اور جس کے راز کے خدا پیچھا کرے گا تو وہ اپنے گھر کے اندر بھی رسوا ہو جائے گا۔ (منیۃ المرید ص ۳۳۱، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام محمد باقر -سے مروی ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ إِلَى الْكُفْرِ أَنْ يُؤَاخِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَهُوَ يَحْفَظُ زَلَّاتِهِ لِيُعَيِّرَهُ بِهَا يَوْمًا مَا.

وہ چیز جو جو بندے کو کفر کی سرحد تک لے جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی انسان کے ساتھ دین کی بنیاد پر بھائی چارگی قائم کرے پھر اس کی لغزشوں اور کمزوریوں کے درپے رہے تاکہ ایک نہ ایک دن ان کے ذریعے اسے سرزنش و ملامت کرے۔ (وہی کتاب)

امام جعفر صادق - نے فرمایا:

اَبۡعَدُ مَایَکُونُ الۡعَبۡدُ مِنَ اللهِ اَنۡ یَکُونَ الرَّجُلُ یُؤاخِیَ الرَّجُلَ وَھُوَ یَحۡفَظُ زَلّاتِهِ لِیُعَیِّرَہُ بِھَا یَوۡمًامَا.

جو چیز انسان کو سب سے زیادہ خدا سے دور کردیتی ہے یہ ہے کہ آدمی، دوسرے کو اپنا بھائی بنائے پھر اس کے عیوب کو ذخیرہ کرے تاکہ ایک نہ ایک دن انہی کے ذریعے اسے شرمندہ کرے۔ (اصول کافی ج۲،ص ۳۵۵ کتاب الایمان والکفر)

نیز آپؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ اَذَاعَ فَاحِشَةً کَانَ کَمُبۡتَدِئِهَا، وَمَنۡ عَیَّرَ مُؤمِناً بِشَیءٍ لَمۡ یَمُتۡ حَتّٰی یَرۡکَبَهُ.

جس نے کسی کی برائی کو آشکار کیا تو گویا وہ اس کے مرتکب ہوا ہے اور جو کسی برائی کے ذریعے مومن کی ملامت کرے گا تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اسی برائی کا مرتکب نہ ہو۔ (وہی کتاب)

نیز آپؑ ہی سے مروی ہے:

مَنۡ لَقِیَ اَخَاہُ بِمَا یُؤَنِّبُهُ اَنَّبَهُ اللهُ فِی الدُّنۡیَاوَ الۡآخِرَةِ.

جو کسی مومن کے ساتھ ملامت و سرزنش کرتے ہوئے ملاقات کرے گا تو خداوند دنیا و آخرت میں اس کی ملامت کرے گا۔ (وہی کتاب)

آپ نے امیر المؤمنین - کے حوالے سے فرمایا کہ انہوںؑ نے اپنی گفتگو کے دوران فرمایا:

ضَعۡ اَمۡرَ اَخِیکَ عَلیٰ اَحۡسَنِهِ حَتّٰی یَأتِیکَ مَایَغۡلِبُکَ مِنه، وَلا تَظُنَّ بِکَلِمَةٍ

خَرَجَتْ مِنْ اَخِیکَ سُوءً وَاَنْتَ تَجِدُلَهَا فِی الْخَیرِ مَحْمَلاً۔

اپنے مومن بھائی کے کام کو بہترین پہلو پر حمل کرتے رہو یہاں تک کہ تجھے اس کے خلاف کوئی چیز ثابت ہو جائے۔ اپنے بھائی (کے منہ) نکلی ہوئی کسی بات کے بارے میں بدگمانی نہ کرنا کہ اس کو کسی اچھے پہلو پر حمل کرنے کی گنجائش پائی جاتی ہو۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۳۶۲، کتاب الایمان والکفر)

دسویں آفت: لوگوں کی بدبختی سے خوش ہونا اور ان کی خوشی سے رنجیدہ ہونا: جو اپنے مسلمان بھائی کو وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند ہو تو اس کا ایمان ناقص ہے اور بعید ہے کہ اسمیں دینداروں کی رفتار پائی جائے۔

یہ صفت ان لوگوں میں اکثر و بیشتر پائی جاتی ہے جن کے ذہنوں پر اپنے ساتھیوں کو سرکوب کرنے اور بھائیوں پر اپنی فضیلت جتانے کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ بہت سی احادیث میں نقل ہوا ہے کہ مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق پائے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک کو بھی ضائع کیا تو خدا کی حکومت اور اس کی اطاعت سے خارج ہو جائے گا اور انہیں حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے حق میں خیر خواہی کیا کرے۔

محمد بن یعقوب کلینیؒ نے معلیٰ بن خُنیس کے حوالے سے امام جعفر صادق ؑ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

میں امام - سے عرض کیا: مسلمان پر مسلمان کا کیا حق ہے؟ فرمایا: مسلمان کے سات واجبی حقوق ہیں کہ ان میں سے اگر ایک کو بھی ضائع کرے گا تو خدا کی ولایت اور اطاعت سے خارج ہو جائے گا اور اس سلسلے میں خدا کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: میں قربان جاؤں آپ پر! یہ حقوق کون سے ہیں؟ فرمایا: اے معلیٰ! میں تم پر شفقت

کرتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ تم ان کو حفظ نہ کر پاؤ گے اور ان کو ضائع کرو گے اور ان کو جان لینے کے بعد عمل نہیں کر پاؤ گے۔ میں نے عرض کیا لاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ الْعَلِیِّ الْعَظِیمِ (یعنی خدا کی مدد سے ہی میں ان پر عمل کروں گا) فرمایا: ان میں سے آسان ترین حق یہ ہے کہ اس کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند ہو اور اسی چیز کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند ہو۔

دوسرا حق: اسے غصہ دلانے سے ہوشیار رہے، اس کی مرضی کا خیال رکھے اور اس کی باتوں کی پیروی کرے۔

تیسرا حق: اپنے جان و مال، زبان، ہاتھ اور پاؤں (یعنی تمام اعضاء) کے ذریعے اس کی مدد کرے۔

چوتھا حق: تم اس کے لئے بینائی، راہنما اور ایک آئینہ بن کر رہو (جو عیوب کی نشاندہی کرتا ہے)۔

پانچواں حق: ایسا نہ ہو کہ تم سیر ہو اور وہ بھوکا، ہم سیراب ہو وہ پیاسا اور تم لباس میں ہو وہ لباس کا محتاج۔

چھٹا حق: اگر تمہارا خادم ہو اور اس کا کوئی خدمت گزار نہ ہو تو ضروری ہے کہ اپنے خادم کو اس کے پاس بھیجا کرے تا کہ اس کے کپڑے دھوئے، کھانا بنائے اور بستر وغیرہ مہیا کرے۔

ساتواں حق: اس کی قسم پر اعتبار کرنا، اس کی دعوت کو قبول کرنا، مریض ہو تو اس کی عیادت کرنا (مرنے پر) اس کے جنازے میں شریک ہونا اور جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کے لئے کوئی ضرورت پیش آئی ہے تو اس کو پورا کرنے میں پہل کرو اور اس وقت

تک ٹھہرے نہ رہو کہ وہ تم سے سوال کرے بلکہ اس سلسلے میں پہل کرنا چاہئے پس جب تم نے ان حقوق کو انجام دیا تو اپنی دوستی کو اس کی دوستی سے متصل کیا اور اس کی دوستی کو اپنی دوستی سے۔

گیارھویں آفت: خود کو پاکیزہ ظاہر کرنا اور خودستائی کرنا:

مناظرہ کرنے والا ہمیشہ اپنی صفات بیان کرتا ہے البتہ کبھی کھل کر ایسا کرتا ہے اور کبھی اشارہ کنایوں میں اپنے کلام کو حق اور مدمقابل کی باتوں کو غلط قرار دیتا ہے۔ اکثر اوقات وہ یوں تصریح کرنے لگتا ہے: میں ایسا نہیں ہوں جو ایسی چیزوں کو نہ جان سکے، وغیرہ وغیرہ؛ جبکہ خداوند نے فرمایا ہے: فَلاَ تُزَكُّوا اَنفُسَكُم (اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر مت کرو) ۔کسی عالم دین سے پوچھا گیا: قبیح اور مکروہ صدق سے کیا مراد ہے؟ جواب دیا: آدمی کا اپنی صفت آپ بیان کرنا۔

جان لو کہ اپنے نفس کی تعریف کرنا، اس کی ذاتی کراہت اور خدا کی طرف سے کی گئی ممانعت کے علاوہ، لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری قدر و منزلت کو گھٹا دیتا ہے ۔نیز خدا کے غضب کا موجب ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو جاننا چاہو کہ خود اپنی تعریف کرنا دوسروں کی نگاہوں میں ذرہ برابر تیری قدر و قیمت کو نہیں بڑھاتا، تو تم اپنے ساتھیوں کو انکی فضیلت بیان کرتے ہوئے دیکھو کہ کس قدر تمہیں اس کام سے کراہت اور طبیعت پر بار محسوس ہوتا ہے اور دیکھو کہ کیونکر تم، ان کے جانے پر ان کی مذمت کرنے لگو گے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ لوگ بھی تمہاری خودستائی پر اندر ہی اندر تمہاری مذمت کرتے ہیں اور جب تم ان سے دور ہوتے ہو تو اپنی زبان سے ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

بارھویں آفت: نفاق اور دوروئی ہے؛ مناظرہ کرنے والے نفاق کیوجہ سے مضطرب

اور بے چین ہو جاتے ہیں کہ وہ بظاہر دوستی اور دل میں خشم و نزاع رکھتے ہوئے اپنے مدمقابل اور اس کے دوسرے ساتھیوں سے ملاقات کرتے ہیں اور کبھی تو ان کی ملاقات سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں جبکہ ان کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے اور اس کا ہر ساتھی جانتا ہے کہ جس چیز کیا وہ اظہار کر رہا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے اور اس کے باطن میں اس کا برعکس ہے جس وہ مظاہر کر رہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا تَعَلَّمَ النَّاسُ الْعِلْمَ ، وَتَرَکَ الْعَمَلَ، تَحَابُّوا بِالْاَلْسُنِ وَتَبَاغَضُوا بِالْقُلُوبِ، وَتَقَاطَعُوا فِی الْاَرْحَامِ، لَعَنَهُمُ اللّٰہُ عِنْدَ ذَالِکَ ؛ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰی اَبْصَارَهُمْ.

جب لوگ علم سیکھ کر عمل کو ترک کریں، زبان سے اظہار محبت اور دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بغض و کدورت رکھیں اور صلہ رحمی کو قطع کرنے لگیں تو خداوند ایسے موقعوں پر ان پر لعنت کرتا ہے اور ان کو بہرا اور اندھا بنا دیتا ہے۔ (احیاء علوم الدین ج۱، ص۴۲)

خدا ہمیں ایسے گناہوں سے اپنے حفظ میں رکھے۔

یہ وہ بارہ مہلک آفتیں ہیں کہ جن میں سے سب سے پہلی آفت کبر ہے جو جنت کو انسان پر حرام کر دیتا ہے جبکہ ان میں سے آخری آفت نفاق ہے جو جہنم کا موجب ہے۔ البتہ مناظرہ کرنے والے ان خصلتوں میں ان کے درجوں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو بڑے دیندار اور صاحبان عقل ہیں، وہ بھی ان برے اخلاق سے خالی نہیں ہوتے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ وہ ان خصلتوں کو چھپاتے اور بڑی جدوجہد کے ساتھ ان کو لوگوں پر ظاہر ہونے نہیں دیتے تاہم وہ ان کے علاج میں نہیں لگتے۔ ان

تمام آفتوں اور بری خصلتوں کا سرچشمہ ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے غیر خدا کے لئے علم حاصل کرنا۔

الغرض، علم بذات خود کبھی عالم کو ناچیز نہیں بناتا بلکہ کبھی اس کی ہلاکت اور بدختی کا باعث اور کبھی اس کی خوش بختی اور خدا سے قربت کا سبب بنتا ہے۔

اگر کوئی یوں اشکال کرے کہ مناظرہ میں دو فائدے ہیں : ایک تو یہ کہ لوگوں کو علم کی ترغیب لاتا ہے کیونکہ اگر حُبّ ریاست نہ ہوتا تو علم مٹ چکا ہوتا اور اگر مناظرہ کا دروازہ بند ہو جاتا تو یہ (علمی) شوق بھی نہ رہتا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ: مناظرہ سے ذہن کی پرورش ہوتی اور نفس کو علمی مآخذ کے سمجھنے میں تقویت ملتی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے: آپ نے صحیح فرمایا ہے۔ لیکن ہم نے جو آفتیں بیان کی ہیں تو وہ اس مقصد کے لئے نہیں کہ مناظرہ کا سدّباب کیا جائے بلکہ ہم نے اس کی آٹھ شروط اور بارہ آفتیں ذکر کی ہیں تا کہ مناظرہ کرنے والا اس کی شروط کا خیال رکھے اور آفتوں سے بچے رہے پھر اس کے بعد، ذہنی ترقی اور علمی رغبت جیسے فائدے حاصل کرے۔ اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس کو ان آفتوں میں چھوٹ دے اور ذہنی پرورش اور رغبت وشوق کی خاطر ان تمام آفتوں کو تحمل کرے تو یہ آپ کا غلط فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور برگزیدہ بندوں نے تو مخلوق کو آخرت کے ثواب کے ذریعے علم کی ترغیب دلائی ہے نہ (شوقِ) ریاست کے ذریعے۔

ہاں ریاست ایک فطری شوق ہے اور شیطان بھی اس کی ترغیب اور تحریک کے لئے پیچھے پڑا ہوا ہے اور وہ آپ کی نیابت اور مدد سے بے نیاز ہے۔

جان لو! جو شیطان کی تحریک اور شوق دلانے پر علم میں متحرک اور سرگرم ہو جائے گا تو وہ

ان لوگوں میں شمار ہوگا جن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ، وَبِاَقْوَامٍ لاَ خَلاَقَ لَھُمْ.

خداوند اس دین کی فاجروں اور ایسے لوگوں کے ذریعے مدد کرے گا کہ جن کا (آخرت) مین کوئی حصہ نہیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۱، ص ۴۳)

اور جو انبیاء ؑ کی ترغیب اور خدا کے ثواب کے ذریعے علم میں متحرک ہوں گے، وہ انبیاء کے وارث، پیغمبروں کے جانشین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کے امین ہوں گے۔

لیکن یہ جو آپ نے فرمایا: مناظرہ حاضر جوابی کا سبب ہوتا ہے تو یہ درست ہے لیکن اس کو حاضر جوابی کے ساتھ ساتھ مذکورہ آفات سے بھی گریز کرنا چاہیئے اور اگر ان آفتوں سے پرہیز نہیں کر سکتا تو مناظرہ کو ہی ترک کردینا چاہیئے۔ اس کو علم اور اس کے بارے میں کافی غور وفکر کرنے نیز دل کو برے اخلاق اور کدورتوں سے پاک رکھنے کے سلسلے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے ۔ کیونکہ یہ امور ذہن کی ترقی اور رشد سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے دیندار حضرات بغیر مناظرہ کے بھی بڑے حاضر ذہن گزرے ہیں۔

جب کسی چیز میں ایک فائدہ اور بہت سے نقصانات ہوں، تو اس ایک منفعت کی خاطر دوسرے تمام آفتوں کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں پائے جانے والا حکم تاج اور شراب کے حکم کی طرح ہے کہ خداوند فرماتا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِھِمَا.

آپ سے شراب اور شطرنج کے بارے میں پوچھیں گے، کہہ دیجئے کہ ان میں بڑے

گناہ اور لوگوں کے لے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ اور نقصان ان کی منفعت سے کہیں بڑا ہے۔ (بقرہ/۲۱۹)

یہی وجہ ہے کہ ان کے مَفسدوں کی شدت کی وجہ سے ان کی حرمت کو ترجیح دی گئی۔ اللہ ہی کامیاب بنانے والا ہے۔

....

چوتھا باب

تحریر اور کتب سے مربوط امور کے آداب میں

نیز کتب کی تصحیح، ان کے ضبط، ان کے حمل ونقل، خرید و فروخت اور ان کو عاریہ لینے کے آداب میں ہے۔

تحریر اور کتب سے متعلق آداب میں

یہ باب چند مسائل پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ: (تحریر و کتابت کی اہمیت)؛ تحریر مہم ترین دینی امور میں سے ہے اور یہی امر قرآن و سنت سے پھوٹنے والے شرعی علوم اور بعض ایسے عقلی علوم کے بھی تحفظ کا ذریعہ ہے جن پر قران و سنت کے معارف موقوف ہیں۔

کتابت ؛ لکھے جانے والے علوم کے اعتبار سے مختلف حکموں میں تقسیم ہو جاتی ہے ،لہذا اگر وہ علم واجب عینی میں سے ہو تو کتابت بھی واجب عینی ہوگی کیونکہ کتابت پر ہی اس علم کی بقاء اور تحفظ منحصر ہے اور اگر وہ لکھے جانے والا علم واجب کفائی ہو تو اس کی لکھائی بھی مستحب ہوگی اور وہ علم مستحب ہو تو کتابت بھی مستحب ہوگی۔

لیکن ہمارے زمانے میں قرآن وسنت سے متعلق کتابت کا یہ عمل بغیر کسی قید و شرط کے مطلقا واجب ہو چکا ہے کیونکہ دنیا کے گوشہ کنار میں دینی کتب کی اس قدر قلت ہے کہ (کہا جا سکتا ہے کہ ابھی تک) ان پر اتنا کام نہیں ہوا ہے جو واجب کفائی کے فریضے کو پورا کرے ، خاص طور پر احادیث اور تفاسیر کی کتب ، کیونکہ اب ان کے آثار فرسودہ اور نشان

محو ہونے والے ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب کفائی ہے کہ ان علوم کی حفاظت، کتابت، تصحیح اوران سے متعلق روایتوں کو زندہ کرنے کے سلسلے میں اہتمام کرے۔

قواعد کلیہ میں سے ایک یہ ہے کہ اگر واجب کفائی کو بطور کفایت انجام نہ دیا جائے تو اس کا خطاب ہر مکلّف کو شامل ہوتا ہے اور ہر مکلّف اس میں کی گئی تقصیر اور کوتاہی پر گناہ کے مرتکب ہوگا۔ درنتیجہ سب پر یہ اس وقت تک واجب عینی کی طرح ہوگا جب تک بطور کافی یہ کام انجام نہ پائے۔

اس کے علاوہ کتابت کی ترغیب اور اس کو انجام دینے پر وعدہ کئے گئے عظیم اجر وثواب کے بارے میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے پیغمبر گرامی قدر ﷺ کی یہ حدیث شریف ہے:

قَيِّدُوا الْعِلْمَ ، قيلَ : وَما تَقْيِيدُهُ ؟ قالَ : كِتابَتُهُ

علم کو قید کرو! عرض ہوا، اس کو قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس کو ضبط تحریر میں لاؤ۔ (منیۃ المرید ص ۳۴۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

روایت ہوئی ہے:

انصار میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آکر آپؐ سے احادیث سنا کرتا تھا جن سے وہ متاثر ہوتا تھا لیکن وہ ان کو حفظ نہیں کر پاتا تھا تو اس صحابہ نے رسول خدا ﷺ سے اس سلسلے میں گلہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے مدد حاصل کرو اور اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا یعنی ان کو لکھ لیا کرو۔

امام حسنؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے اپنے اور اپنے بھائی کے بیٹوں کو بلا کر فرمایا: بیشک (اسوقت) تم قوم کے چھوٹوں میں شمار ہوتے ہو اور امید ہے کہ کل تم قوم کے بڑوں

میں سے ہو گے لہذا علم حاصل کرو اور اگر تم میں سے کوئی علم کو حفظ نہ کر پائے تو اسے لکھ کر اپنے گھر لے جانا چاہئے۔

ابی بصیر سے روایت ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اُکتُبُوا فَاِنَّکُم لا تَحفَظُونَ حتّٰی تکتُبُوا .

(اپنے علم کو) لکھ لیا کرو کیونکہ جب تک تم لکھو گے نہیں یاد نہیں کر سکو گے۔(وہی کتاب)

نیز آپؑ نے فرمایا:

اَلقَلبُ یَتَّکِلُ عَلَی الکِتابَۃِ .

لکھائی دل کے لئے سہارا اور باعث اطمینان ہے۔(وہی کتاب)

عبیدہ بن زرارہ سے روایت ہے کہ کہا: امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا:

اِحتَفِظُوا بِکُتُبِکُم ؛ فَاِنَّکُم سَوفَ تَحتَاجُونَ اِلَیھا .

لکھائی کے ذریعے (علم کو) محفوظ کرو کیونکہ ایک نہ ایک دن تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔(وہی کتاب ص،۳۴۱)

مفضّل بن عمر سے مروی ہے کہ کہا: امام جعفر صادق ؑ نے مجھ سے فرمایا:

اُکتُب وَبُثَّ عِلمَکَ فِی اِخوانِکَ ، فَاِن مِتَّ فَاَورِث کُتُبَکَ بَنِیکَ، فَاِنَّہ یَأتِی عَلَی النّاسِ زَمانٌ ھَرجٌ لا یَأنَسُونَ فِیہِ اِلّا بِکُتُبِھِم .

لکھو اور اپنے علم کو تمہارے بھائیوں میں پھیلاؤ اور اگر تم دنیا سے چلے جاؤ تو کتابت کو اپنے بیٹوں کے لئے وراثت میں چھوڑو کیونکہ لوگوں پر ایک ایسا پُر آشوب وقت آئیگا کہ جس میں لوگ اپنے مکتوبات کے علاوہ کسی اور چیز سے مانوس نہیں ہوں گے۔(وہی کتاب)

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب امالی میں رسول خدا ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے

فرمایا:

أَنَّ الْمُؤْمِنَ إِذا ماتَ وَ تَرَكَ وَرَقَةً واحِدَةً عَلَيْها عِلْمٌ ، كانَتِ الْوَرَقَةُ سِتْراً فِيما بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النّارِ ، وَ اَعْطاهُ اللهُ تَعالىٰ بِكُلِّ حَرْفٍ مَدِينَةً اَوْسَعَ مِنَ الدُّنْيا وَما فِيها ، وَمَنْ جَلَسَ عِنْدَالْعالِمِ ساعَةً نادَاهُ الْمَلَكُ : جَلَسْتَ اِلىٰ عَبْدِی ، وَعِزَّتِي وَجَلالِي لَاُسْكِنَنَّكَ الْجَنَّةَ مَعَهُ وَلا اُبالِي .

اگر مومن اس حالت میں وفات پا جائے کہ علمی نکات لکھے گئے ایک ورق چھوڑ چکا ہوتو (کل قیامت کو) وہی ورق اس کے اور جہنم کے درمیان ایک سپر بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ (اس کے) ہر حرف کے بدلے میں ایک شہر عطا کرے گا جو دنیا و مافیہا سے بڑے ہوں گے۔ اگر کوئی شخص ایک گھنٹہ عالم کی صحبت میں رہے تو فرشتے اس کو پکار کر کہیں گے: تم میرے بندے کی صحبت میں بیٹھ چکے ہو! میری عزت وجلالت کی قسم میں تجھے اس کے ہمراہ جنت میں جگہ دوں گا اور مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔

دوسرا مسئلہ: لکھنے والے پر واجب ہے کہ وہ اپنی تحریر میں نیت کو صرف خدا کے لئے خالص کرے چنانچہ طلب علم میں بھی نیت کا خالص ہونا واجب ہے؛ کیونکہ کتابت ایک قسم کی عبادت اور حصول و حفظِ علم ہے اور اگر اس کام سے غیر خدا کو ارادہ کرے تو یہ صرف نفس اور دنیوی فائدے کے لئے ہوگا چنانچہ طلب علم میں بھی صورت حال ایسی ہی تھی اور اس سلسلے میں غیر خدا کو قصد کرنے کی مذمت اور دھمکیاں بطور کافی بیان ہو چکی ہیں۔

ان کے علاوہ خیر وشر کے اعتبار سے کتابت میں ایک مزید نکتہ یہ ہے کہ یہ تحریر اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک سند ہوتی ہے جو روز قیامت میں یا اس کے حق میں یا اس کے خلاف ایک حجت اور دلیل ثابت ہوگی لہذا اس چیز پر غور کرنا چاہیے جو لکھی جا رہی ہے۔ نیز اس

تحریر پر مرتب ہونے والے نتائج اور آثار جیسے خیر یا بد ہونا، یا بدعت ہونا یا ایک ایسی سنت بن جانا جس پر اس کی زندگی اور موت کے بعد بھی ایک زمانہ عمل ہوتا رہے تو اس صورت میں وہ بھی اپنی تحریر سے فائدہ اٹھانے والے کے ثواب یا عقاب میں شریک ہو جائے گا، لہذا فکر کرنی چاہئے کہ کس سبب کی بنا پر وہ لکھ رہا ہے!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات تحریر کا ثواب علم سے زیادہ ہوا کرتا ہے چونکہ تحریر کے دوام کی وجہ سے اسے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یہی سبب ہے کہ علماء کی سیاھی کو شہیدوں کے خون پر فضیلت دی گئی ہے کیونکہ ان کی سیاہی یعنی تحریر سے ان کی موت کے بعد بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے جبکہ شہیدوں کے خون سے ان کی موت کے بعد فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

تیسرا مسئلہ: طالب علم کے لئے سزاوار ہے کہ اپنے مورد ضرورت اور نافع علوم پر مشتمل کتب کو فراہم کرنے کے سلسلے میں حتی الامکان جد وجہد کرے مثلاً خریدنے، نقل اتارنے یا اجرت پر لینے یا عاریہ کے طور پر حاصل کرنے کی سعی کرے کیونکہ کتب حصول علم کے لئے اوزار ہیں۔

یہ حقیقت بہت سے اہل علم اور فُضلاء کی تحریر سے ثابت ہو چکی ہے اور انہوں نے اس قسم کی نایاب اور مہم کتب کی جمع آوری اور فراہمی کے ذریعے ان افراد سے کہیں بڑھ کر ترقی کی ہے جو اس قسم کی کتابوں کی جمع آوری میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس سلسلے میں ان کے تفصیلی واقعات پائے جاتے ہیں کہ جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔

(اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ) طالب علم صرف کتابوں کو حاصل کر کے ان کو اکھٹا کرنے کو ہی اپنا علمی ہدف اور اس کا حصہ قرار نہ دے بلکہ اس کو چاہئے کہ اس کام

کے ساتھ ساتھ (مطالعہ اور ان کو سمجھنے کی) مشقتوں کو بھی برداشت کر لے اور اساتید اور بزرگوں کی محفل میں رہنے کی کوشش کرے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اِذا لَمْ تکُنْ حافِظاً واعِیاً

فَجَمْعُکَ لِلْکُتُبِ لا یَنْفَعُ

اگر تم (صحیح معنوں میں) یاد کر کے سمجھ نہیں جاؤ گے تو تمہارا کتابوں کو جمع کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

چوتھا مسئلہ: اگر خرید کے ذریعے کتابوں کو مہیا کر سکتا ہو تو پھر ان کی نسخہ برداری وغیرہ کا کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حصول علم میں مشغول رہنا زیادہ مہم ہے۔ ہاں اگر مہنگائی یا کمیابی کی وجہ سے خرید نہ کر سکے تو اپنے لئے ایک نسخہ بنائے اسی طرح اگر ہمیشہ کے لئے حاصل کر سکتا ہو تو ادھار لینے کو ترجیح نہیں دینی چاہئے۔

اگر نسخہ بنانے کی نوبت آجائے تو اس سلسلے میں ہمت اور جد و جہد کرنی چاہئے کیونکہ خداوند متعال اس کی مدد فرمائے گا اور اس کے ذریعے اسے علمی منفعت سے محروم نہیں ہونے دے گا البتہ صرف سستی اور کاہلی ہی کے سبب سے اس کا علمی مقصد فوت ہو سکتا ہے جس نے اپنا وقت کو ضائع نہ کیا اس نے ہدف کو پالیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک خوبصورت جملہ کہا جا چکا ہے۔

پانچواں مسئلہ: کتب کو عاریہ (یعنی استعمال کے لئے) دینا مستحبِ مؤکّد ہے بشرطیکہ عاریہ دینے والے کو اس میں ضرر نہ ہو اور کتاب لینے والا بھی ایسا ہو جو کتاب کو ضرر نہ پہنچائے اور اس استحباب کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کتب دینے میں عاریہ کے عمومی ثواب وفضیلت کے علاوہ علم و خیر اور نیکی و پرہیزگاری کے سلسلے میں بھی مدد اور تعاون کا پہلو پایا

جاتا ہے۔ بعض علمائے ماسلف نے فرمایا ہے: علم کی برکت کتب کے عاریہ دینے میں ہے۔ کسی اور نے کہا ہے: جو علم کے سلسلے میں بخل و کنجوسی اختیار کرے گا وہ ان تین چیزوں میں سے ایک میں مبتلا ہو جائے گا: علم کو بھول جانا، علم سے فائدہ اٹھائے بغیر موت واقع ہونا یا اس کی کتابوں کا ہاتھ سے چلی جانا۔ عاریہ لینے والے پر بھی فرض ہے کہ وہ عاریہ دینے والے کا، اس کے اس احسان ک بدلے میں شکریہ ادا کرے نیز اسے جزائے خیر دے۔

چھٹا مسئلہ: جب کوئی کتاب عاریہ لی جائے تو واجب ہے کہ اس کو تلف یا ناقص ہونے سے محفوظ رکھے، اسے چھپا کر نہ رکھے، اس کی مدت کو طولانی نہ کرے بلکہ اپنی ضرورت پوری ہونے پر اسے لوٹا دے اور روکے نہ رکھے تا کہ اس کا مالک اس سے فائدہ اٹھانے سے رہ نہ جائے نیز سے دوسروں کو استفادہ کے لئے دینے میں بھی رکاوٹ پیدا نہ ہو ۔

اگر اس کا مالک اس کا تقاضا کرے تو روکے رکھنا حرام ہوگا اور وہ اس کا ضامن ہوگا۔ علمائے متقدمین سے، کتاب کو لوٹانے مین سستی کرنے کی مذمت میں نظم اور نثر دونوں میں بہت سے مطالب آچکے ہیں۔ کتاب کو روکے رکھنے اور اسکی حفاظت میں کوتاہی کرنے کی صورت میں بہت سوں نے اسے عاریہ دینے سے منع کیا ہے۔

ساتواں مسئلہ: مالک کی اجازت کے بغیر، عاریہ یا کرایہ پر لی گئی کتاب میں اصلاح کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح حاشیہ لگانا اور ابتداء یا اختتام کے خالی صفحوں پر کچھ لکھنا بھی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ مالک کی رضایت کا علم ہو۔ چنانچہ محدّثؒ لکھتے ہیں: صرف اسی حصے سے نسخہ برداری کرنی چاہیئے جس کے بارے میں اس نے مالک کو (اجازت دیتے ہوئے) سنا ہے۔ اسے کتاب کو گندہ یا سیاہ نہیں کرنا چاہیئے، اسی طرح بغیر مجبوری کے عاریہ یا امانت کے طور پر کسی دوسرے شخص کو بھی نہیں دینا چاہیئے اگر چہ ایسے مواقع پر شرعاً کوئی ممانعت نہ

پائی جاتی ہو؛ اور نہ بلا اذن مالک اسکا نسخہ برداری کرے کیونکہ اس کا نسخہ یا نقل بنانا مطالعہ کے فائدے پر زائد اور زیادہ بھاری ہے۔

اگر کتاب عمومی طور پر وقف کی گئی ہو تو اس شخص کے لئے اس کی نسخہ برداری جائز ہوگی جس کیلئے اس کتاب کو رو کے رکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو، البتہ اس کام میں احتیاط ضروری ہے۔ اگر موقوفہ کتاب کا ناظر یا اس کی طرف سے اجازت رکھنے والا اس کتاب کی اصلاح کرے تو جائز ہوگا بشرطیکہ اس کام کی اہلیت اس میں پائی جاتی ہو بلکہ کبھی تو ایسا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی خاص ناظر نہ ہو تو اس کا اختیار حاکم شرع کو ہوگا۔ بہر حال اس وقفی کتاب کے مالک یا ناظر کی اجازت سے اس کا نقل بنانے لگے تو کاغذ کو اس کے صفحوں کے اوپر رکھ کر نہیں لکھنا چاہیئے اور نہ دوات کو اس پر رکھے اور نہ اس پر قلم سے خط کھینچے۔

خلاصہ یہ کہ امانت یا عاریہ کی کتاب کی اس طور پر حفاظت کرنا واجب ہے جس کا نہ کرنا عرف میں سستی اور کاہلی شمار ہوتا ہو، اور ایسا کرنا انسان کی اپنی کتاب کی حفاظت پر زائد ہے کیونکہ اپنی کتاب میں جائز بعض تصرفات امانت کی کتب میں جائز نہیں ہوتے خصوصاً اس شخص کے لئے جو کتب کی کے سلسلے میں کاہلی برتتا ہو کیونکہ بعض لوگ کم رغبتی کی بنا پر کتابوں کی حفاظت میں کوتاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ایسا کام امانت کی کتابوں میں کبھی جائز نہیں ہوتا۔

آٹھواں مسئلہ: جب کتاب کی نسخہ برداری یا مطالعہ کیا جائے تو اس کو فرش پر کھلی نہ چھوڑے بلکہ حسب معمول (اس کی حفاظت کرنی چاہیئے) مثلاً اس کو دو کتابوں کے درمیان یا کسی رحل وغیرہ پر رکھے تاکہ اس کا شیرازہ بکھر نہ جائے اور اس کی جلد اور اوراق جدا

نہ ہوں۔

نواں مسئلہ: جب کتابوں کو سلیقے سے رکھنا چاہے تو کسی میز یا شلف وغیرہ پر رکھے اور بہتر یہ ہے کہ ان کے اور زمین کے درمیان فاصلہ رکھا جائے تا کہ ان میں نمی پیدا نہ ہو۔ یا گھس نہ جائیں۔

جبکہ ان کو کسی شلف وغیرہ پر رکھے تو ان کے اوپر اور نیچے کوئی ایسی چیز رکھی جائے جو ان کی جلدوں کو گھس جانے سے محفوظ رکھے اسی طرح کتاب اور اس چیز کے درمیان جو کبھی اس کو صدمہ پہنچا سکتی ہے یا جس پر اس کا تکیہ ہوتا ہے یا ان کے اور دیوار وغیرہ کے درمیان کوئی ایسی چیز لگا دی جائے جو ان کو رگڑ کھانے سے محفوظ رکھے۔

کتابوں کو چُننے کے سلسلے میں ان کے اور ان کے مصنفوں کے رتبوں کا لحاظ کرنا چاہئے لہذا ان میں سے سب سے افضل کو سب سے اوپر رکھے گا اور اسی ترتیب سے دوسری کتب بھی رکھی جائیں۔ اگر ان میں قرآن پاک بھی ہو تو اسے سب سے اوپر رکھا جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو کسی دستہ دار تھیلی میں ڈال کر پاک اور صاف دیوار میں کسی کیل یا کھونٹی میں لٹکا کر رکھے اور وہ بھی صدر مجلس میں ہو۔ پھر حدیث کی کتب، تفاسیرِ قرآن، پھر تفسیر احادیث، پھر اصول دین پھر اصول فقہ اور اس کے بعد عربی (اور دوسری زبانوں کی دیگر کتب) رکھی جائیں۔

موٹی کتابوں کو چھوٹی کتاب کے اوپر نہ رکھے تا کہ بار بار گر نہ جائیں اور جلد کے دریچے (یعنی بائیں طرف سے متصل جلد کا وہ زائد حصہ جو کتاب کو ڈھانپتا ہے) کو کتاب کے صفحوں کے درمیان (نشانی کے لئے) نہ رکھے تا کہ کتاب کی جلد پھٹ نہ جائے۔ سزاوار ہے کہ کتاب کا نام اس کے سب سے آخری صفحہ کے نچلے حصے میں لکھے اس کا فائدہ

یہ ہوگا کہ کتاب کو دوسری کتابوں کے درمیان میں سے پہچان کر نکالنے میں سہولت ہوگی۔

دسواں مسئلہ: کتب کو کاغذ کے ٹکروں اور کتابچے وغیرہ رکھنے کی جگہ قرار نہ دے، اور نہ اس سے تکیہ، پنکھا اور جھاڑو وغیرہ کا کام لے اور نہ ان پر سہار لے نہ ٹیک لگائے اور نہ ان کو پسّو یا مچھر وغیرہ مارنے کا آلہ بنائے۔ مخصوصا اوراق کے درمیان میں۔ اسی طرح کتاب کے کونے یا کنارے کو بھی نہ موڑے اور نہ کوئی تنکا یا کوئی نلی وغیرہ نشانی کے لئے رکھے بلکہ اس کام کے لئے کوئی نازک کاغذ استعمال کرے اور جب اپنے ناخن کے ذریعے نشانگزاری کرنا چاہے تو اس کو زیادہ بھینچنا نہیں چاہئے۔

گیارھواں مسئلہ: جبکوئی کتاب ادھار لے تو مناسب ہے کہ اس کو، لیتے اور لوٹاتے وقت اچھی طرح جانچے دیکھے اور اگر کوئی کتاب خرید لے اس کے اول، آخر، بیچ اور اس کے ابواب واوراق کی ترتیب بھی ملاحظہ ہو، صفحوں کو پلٹا کر ان کی درستگی اور سالم ہونیکا پتہ لگائے۔ اچھی طرح دیکھنے کی فرصت نہ ہونے کی صورت میں جو چیز انسان کو کتاب کی صحیح و سالم ہونے کا زیادہ اطمینان دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ منسلک کیے ہوئے تصحیح ناموں کو دیکھے کیونکہ ان کا پایا جانا ان کی تصحیح کی گواہی ہوتا ہے حتی کہ بعض نے کہا ہے: کتاب میں اس وت تک نکھار نہیں آتی جب تک اس پر زیادتی نہ ہوجائے یعنی کریدنے، چھیلنے اور ملحقات کے ذریعے تصحیح کیئے بغیر اس میں نکھار نہیں آتی۔

بارھواں مسئلہ: جب شرعی علم پر مشتمل کتاب میں سے کسی حصے کا نسخہ بنانا چاہے تو سزاوار ہے کہ باطہارت قبلہ رخ ہوجائے اور بدن، کپڑے، سیاہی اور اوراق وغیرہ بھی پاک وپاکیزہ ہوں۔ اپنی تحریر کا آغاز **بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ** اور **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِینَ ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلامُ عَلٰی رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطّاهِرِینَ** . کے ساتھ

کرے اگر چہ مصنف نے ان کو ذکر نہ کیا ہو۔ البتہ اس صورت میں مصنف کی طرف سے نہ لکھے جانے کی طرف اشارہ ہونا چاہئے یعنی ان الفاظ میں لکھے کہ مصنف یا استاد نے اسی طرح فرمایا ہے۔

اسی طرح کتاب کے خاتمے میں بھی بسم اللہ اور حمد و درود و سلام ذکر کرے البتہ ایسا کرنا کتاب کے کسی بھی جزء یا باب کے خاتمے پر بہتر ہے اور پوری کتاب ختم ہونے پر ''تمّ الکتاب'' وغیرہ لکھے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بہت سے فائدے ہیں۔

جب بھی اسم اللہ لکھے تو تعظیم و احترام کے لئے اس کے ساتھ تعالیٰ، سبحانہ، عزّ وجلّ یا تقدّس وغیرہ تحریر کرنا چاہئے البتہ ان الفاظ کو ساتھ ساتھ زبان پر بھی جاری کرنا چاہئے۔

جب نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک لکھے تو آپؐ اور آپؐ کے خاندان پاک پر سلام و درود بھی لکھا کرے اس کے علاوہ زبانی بھی درود و سلام بھیجے۔

تکرار کی وجہ سے صلواۃ لکنے میں اختصار اور علامتوں سے کام نہ لے چاہے ایک ہی سطر میں کئی بار تکرار واقع ہو۔ چنانچہ بعض بے توفیق افراد اس کے برخلاف صلعم، صلم، صم یا صلہ وغیرہ لکھا کرتے تھے کیونکہ اس طرح کی تمام علامتوں میں ترک اولیٰ اور نصوص کا خلاف پایا جاتا ہے بلکہ بعض علماء نے کہا ہے: جس نے سب سے پہلے ''صلعم'' لکھا ہے اس کا ہاتھ کٹ چکا ہے۔

صلوات کو مکمل نہ لکھنے میں پیش آنے والا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ وہ اس کے ثواب عظیم سے محروم رہے گا جبکہ آپؐ نے فرمایا ہے: جو مجھ پر کسی کتاب میں صلوات لکھے گا تو جب تک وہ اس کتاب میں ہے، ملائکہ اس کے لئے طلب مغفرت کرتے رہیں گے۔

جب کسی صحابہ کا نام لکھا جائے مخصوصا بزرگ صحابے تو ان کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' یا

''رضوان اللہ علیہ'' لکھا جائے اسی طرح جب علمائے ماسلف میں سے کسی کا ذکر ہو تو ''رحمۃ اللہ علیہ'' یا ''تغمّہ اللہ برحمتہ'' وغیرہ لکھے۔ چنانچہ بزرگان دین کی یہی عادت ٹھہری ہے کہ سلام و درود صرف انبیاء ؑ کے لئے لکھے جاتے تھے۔ سزوار ہے کہ ائمہؑ کیلئے ''علیہم السلام'' لکھا کرے اگرچہ ان سب کا خلاف کرنا بھی جائز ہے بلکہ صلوات ہر مومن کے لئے جائز ہے چنانچہ قرآن واحادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

جو کچھ ستائش یعنی ''علیہ السلام'' وغیرہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود دعا ہے جسے خود لکھنے والے کو تحریر کرنا چاہئے نہ یہ کہ کسی کے کلام کو نقل کرے لہذا اس سلسلے میں کسی روایت یا اثباتِ مصنف کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود لکھے گا اگرچہ نقل شدہ یا سنے گئے کلام میں چھوٹ چکا ہو۔

اگر کسی روایت یا تصنیف میں سلام و درود وغیرہ میں سے کوئی چیز مذکور ہو تو اس کو لکھنے میں زیادہ توجہ دینی چاہئے چنانچہ یہی بہتر اور اکثر علماء کی روش بھی ہے۔ بعض علماء کے نظریے کے مطابق زبان سے ان عبارتوں کو پڑھنے کی صورت میں انہیں تحریر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مناسب ہے کہ آیت ''اِنَّ اللّٰہَ و ملٰئکتہ...'' کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ نبی اکرم ﷺ پر درود کے ساتھ سلام بھی بھیجے اور اگر صرف صلوات پر اکتفا کیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

تیرھواں مسئلہ:

طلاب علم کو اپنا خط خوبصورت کرنے میں زیادہ دقت نہیں لگانا چاہئے بلکہ اس کو صحیح اور صاف لکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان کو تعلیق یعنی ایسے حروف کو ملا کر لکھنے سے بالکل پرہیز کرنا چاہئے جن کو جدا جدا لکھنا چاہئے اسی طرح مشق یعنی تیزی اور بکھرے ہوئے حروف

کے ساتھ نہیں لکھنا چاہئے۔ کسی عالم نے کہا ہے: خط کا معیار اس کا پڑھا جا سکنا ہے، بہترین پڑھنا وہ ہے جو بالکل واضح ہو اور بہترین خط وہ ہے جو ان میں زیادہ صاف ہو۔

زیادہ باریک لکھنے سے بھی پرہیز کرنا مناسب ہے کیونکہ اس سے بعض موقع پر (مثلاً بڑھاپے میں) فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اسی طرح کمزور نظر والے بھی پوری طرح اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے اور کبھی کبھی تو خود لکھنے والے کی نظر بھی اس کے بعد کمزور ہو جاتی ہے۔ کسی ماسلف نے ایک کاتب سے کہا جو باریک لکھ رہا تھا: ایسا مت لکھو کیونکہ یہ تمہارے ساتھ اس وقت خیانت کرے گا جب تم اسکا زیادہ محتاج ہوگا، (یعنی بڑھاپے تمہارا کام نہیں آئے گا)۔

کسی اور بزرگ نے کہا: اس انداز میں لکھو جو ضرورت میں تمہارا کام آئے اور یوں مت لکھو جو ضرورت یعنی بڑھاپے اور نظر کمزور ہونے پر تمہارا کام نہ آئے۔

یہ سب ہدایات مصنفوں کے غیر مسوّدوں سے متعلق ہیں (یعنی مسوّدں میں ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری نہیں) کیونکہ ان کے، تحریر میں زیادہ دقت کرنے کی وجہ سے بہت سے ایسے اغراض و مقاصد فوت ہو سکتے ہیں جو خط کو خوبصورت بنانے سے زیادہ مہم ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اکثر یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ، تیزی میں یا فکر کو دوسرے کاموں میں مشغول رکھ کر لکھے گئے کلمات اور حرورف کو پڑھنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے کیونکہ یہ غیر واضح اور الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔

چودھواں مسئلہ: بزرگوں کا فرمانا ہے کہ: قلم اس قدر سخت نہیں ہونا چاہئے کہ روانی سے چلنے میں رکاوٹ پیدا ہو اور نہ ہی اتنا نرم اور لچکدار ہو جو جلد ہی گھس جائے۔ بعض نے فرمایا ہے:

اِنْ تُحِبُّ اَنْ تَجُودَ خَطَّکَ ، فَاَطِلْ جِلْفَتَکَ وَاَسْمِنْهَا ، وَحَرِّفْ فَطَّتَکَ وَاَیْمِنْهَا.

اگر تم خوش خط لکھنا چاہتے ہو تو قلم کی زبان َ ولمبی اور چوڑی رکھو اور اس کے قط کو دائیں طرف ترچھا رکھو۔

قلم تراش بالکل تیز ہونا چاہئے تاکہ قلم کو صاف کرنے اور ورق کو (کسی لفظ کی تصحیح میں) کھرچنے میں آسانی ہو نیز اسے صرف انہی کاموں میں استعمال ہونا چاہئے اور قط گیر کہ جس پر رکھ کر قلم کو قط دیا جاتا ہے، بالکل صاف اور مسطح ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں بزرگوں نے فارس کے خشک گنّے اور آبنوس نامی درخت کی مضبوط لکڑی کی توصیف کی ہے۔

پندرھواں مسئلہ: بہتر ہے کہ حروف کو ادھورا اور ایک دوسرے کے مشابہ نہ لکھے بلکہ ہر حرف اور لفظ کو اپنے صحیح شکل میں تحریر کرے اور اس سلسلے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف سے منقول آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے چنانچہ آپؐ نے اپنے بعض کاتبوں سے فرمایا:

اَلِقَ الدَّوَاةَ ، وَحَرِّفِ الْقَلَمَ ، وَانْصِبُ الباءَ ، وَفَرِّقِ السّینَ ، وَلا تُعَوِّرِ الْمِیْمَ ، وَحَسِّنِ اللهَ ، وَمُدَّالرَّحْمنَ ، وَجَوِّدِ الرَّحِیمَ ، وَضَعْ قَلَمَکَ عَلی اُذُنِکَ الْیُسْرٰی ؛ فَاِنَّهُ اذْکَرُلَکَ .

اپنی دوات میں روئی ڈالا کرو اور قلم کو ترچھا رکھا کرو، بائے ''بسم اللہ'' کو کشیدہ اور سیدھا، سین کے دندنوں کو واضح لکھا کرو اور میم کو ٹیڑھا نہ کیا کرو لفظ ''اللہ'' کو خوبصورت ''رحمٰن'' کو کھینچ کر اور ''رحیم'' کو خوشنما لکھا رکو۔ قلم کو دائیں کان میں رکھا کرو کیونکہ یہ تمہارے لئے زیادہ یادآوری کا باعث ہے۔ (منیۃ المرید ص ۳۵۰، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

زید بن ثابت سے منقول ہے کہ کہا:

اِذا کَتَبْتَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ فتَبَیَّنِ [فَبَیِّن] السّینَ فیهِ .

رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو اس کے سین کو واضح لکھا کرو۔ (وہی کتاب)

ابن عباس ÷ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے منقول ہے کہ فرمایا:

لَا تَمُدَّ الْباءَ اِلَی الْمیمِ حَتّی تَرْفَعَ السِّینَ .

بائے ''بسم اللہ'' کو میم کی طرف مت کھینچو مگر یہ کہ جب سین کے دندوں کو بلند کر کے لکھو۔ (وہی کتاب)

اَنَس سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذا کَتَبَ اَحَدُکُمْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ فَلْیَمُدَّ الرَّحْمنَ .

جب تم میں سے کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو ''رحمٰن'' کے میم کو خوب کھینچ کر لکھے۔ (وہی کتاب)

نیز آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ کَتَبَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ فَجَوَّدَهُ تَعْظیماً لِلّٰهِ ، غَفَرَ اللهُ لَهُ.

جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تعظیماً خوبصورت کر کے لکھے گا تو خدا اس کو بخشدے گا۔ (تفسیر کشف الاسرار ج ا ص ۸۔۹)

امیر المؤمنین – سے مروی ہے کہ فرمایا:

ا .تَنَوَّقَ رَجُلٌ فی بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ ، فَغُفِرَلَهُ .

جو بسم اللہ کو لکھنے میں خوبصورتی پیدا کرے گا وہ بخشدیا جائے گا۔ (منیۃ المرید ص ۳۵۱، ناشر

جابر ÷ سے حضور ﷺ کے حوالے سے مروی ہے کہ فرمایا:

۲. اِذا کَتَبَ اَحَدُکُم کِتاباً فَلْیُتَرِبْهُ فَاِنَّهُ اَنجَحُ .

جب تم میں سے کوئی، کوئی چیز لکھے تو اس کو چاہئے کہ اس پر خاکپاشی کرے کیونکہ یہ نہ مٹنے کے حوالے سے زیادہ کامیابی کا باعث ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۲۴۵)

سولھواں مسئلہ: علماء نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی طرف اضافہ کئے گئے الفاظ جیسے ''عبد اللہ'' یا ''رسول اللہ'' کے مابین فاصلہ پائے جانے کو ناپسند قرار دیا ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ ''رسول'' یا ''عبد'' سطر کے آخر میں واقع ہو اور ''اللہ'' اس کے بعد والے سطر کے آغاز میں قرار پائے کیونکہ یہ برا معلوم ہوتا ہے (اس کے علاوہ کبھی کبھی اس طرح لکھنے میں بڑی غلط فہمیاں پید ہو سکتی ہیں)۔ البتہ یہ کراہت اور نہی (تحریمی نہیں بلکہ) تنزیہی اور تعظیم کے اعتبار سے ہے۔

نیز پیغمبر اکرم ﷺ کے اسم مبارک کے حکم میں تمام اصحاب بھی شامل ہیں کیونکہ اس سے سمجھنے میں خلل پیدا ہو سکتا ہے جیسے: ''سابُّ النّبی ﷺ کافرٌ'' (یعنی نبی ﷺ کو برا بھلا کہنے والا کافر ہے) کے جملے میں ''سابّ'' سطر کے آخر میں اور اس کا بقیہ حصہ اس کے بعد کے سطر میں واقع نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ فاصلہ نہ رکھنے میں مذکورہ اضافہ ہونے والے الفاظ یعنی رسول اور عبد ہی مختص نہیں ہے لہذا مضاف اور مضاف الیہ میں فاصلہ رکھنا قبیح ہے۔ اسی طرح ایک ہی لفظ کا ایک حصہ سطر کے آخر میں اور دوسرا حصہ دوسرے سطر کی ابتداء میں قرار دینے کو بھی قبیح جانا ہے۔

سترھواں مسئلہ: لکھنے والے کو چاہئے کہ اپنی تحریر کو صحیح اور قابل اعتماد اصل سے موازنہ

کرے۔اس سلسلے میں سب سے بہتر وہی نسخہ ہے جو خود مصنف کے پاس ہو،اس کے بعد وہ نسخہ ہے جو کسی دوسرے کے پاس ہو اور مصنف کا اصل دستخط ہو پھر وہ اصل بہتر ہے جو مصنف کے نسخے سے موازنہ کیا گیا ہو اور اس پر مصنف کی خط سے تائید بھی ہو اس کے بعد اس نسخے کا درجہ آتا ہے جو دوسروں کے پاس صحیح نسخے کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہو کیونکہ اصل غرض یہ ہے کہ اس کی تحریر مصنف کے اصل نسخے کے مطابق ہو۔

الغرض کتاب سے موازنہ کرنے سے مقصد تحریر کی تصحیح ہے چاہے جیسے انجام پائے لہذا اس میں زیادہ سے زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

کسی عالم نے اپنے بیٹے سے کہا: کیا تم نے لکھا؟ کہا جی! پوچھا کیا اصل سے موازنہ کیا ہے؟ کہا نہیں تو جواب میں کہا: تو تم نے لکھا ہی نہیں۔ اخفش سے منقول ہے کہ کہا: اگر کسی کتاب کا نقل تیار کیا جائے پھر اصل نسخہ سے مطابقت کئے بغیر اسی کتاب سے ایک اور نسخہ تیار کرے تو سرانجام ایک گنگ اور نامفہوم کتاب بن جائے گی۔

اس قول سے پہلے خلیل بن احمدؒ نے کہا ہے: اگر کسی کتاب کی تین دفعہ نسخہ برداری کی جائے لیکن اصل سے مطابقت نہ کی جائے تو آخرکار یہ کتاب ایک فارسی کتاب بن جائیگی ۔(اخفش کے قول اور اس میں یہ فرق ہے کہ اخفش نے دو ہی مرتبے پر اکتفا کی تھی)۔

اٹھارواں مسئلہ: جب کتاب کا موازنہ ختم ہو جائے تو سزاوار ہے کہ مہم اور ضرورت کی جگہوں کی اصلاح شروع کرے باین معنی کہ جہاں کوئی نقطہ یا اعراب چھٹ گیا ہو تو ان کو پورا کرے، مشتبہ مقامات کو مشخص کرے اور کتاب کی دیگر جگہوں پر بھی دقت کرے۔

لیکن جہاں تک ان الفاظ کی بات ہے جو بغیر کسی نقطہ یا اعراب کے بآسانی سمجھے جاسکتے ہیں تو انکی نقطہ گزاری اور اعراب میں زیادہ دقت کرنا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ

ایسا کرنا اس سے مہم کاموں کے لئے رکاوٹ اور بلاوجہ تھکاوٹ کا باعث ہوگا اور کبھی تو اس کام سے حروف کی تصحیح زیادہ مہم ہوتی ہے تاہم اس طرح کی نقطہ گزاری اور اعراب سے طالب علم اور اکثر عوام زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

جمیل بن درّاج نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا:

اَعْرِبُوا حَدِیثَنا فَاِنّا قَوْمٌ فُصَحاءُ.

ہماری احادیث کی اعراب گزاری کیا کرو کیونکہ ہم ایک فصیح قوم ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۵۲ کتاب فضل العلم باب روایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتابۃ)

وہ مقامات جہاں صحیح ضبط کے ساتھ لکھ دینا زیادہ ضروری ہے، ان میں سے ایک وہ مورد ہے جہاں ایسا نہ کرنے سے اختلاف پیدا ہو جائے جیسے ''ذَکاۃُ الْجَنِینِ ذَکاۃُ اُمِّہِ'' وغیرہ اسی طرح ملتے جلتے ناموں کو بھی صحیح تلفظ کے ساتھ لکھنا چاہئے کیونکہ یہ سماعی ہیں (اور کوئی خاص قانون یا قاعدہ نہیں پایا جاتا)۔

اگر صحیح تلفظ کو حاشیہ پر درج کرنے کی ضرورت پڑے تو ایسا ہی کر دینا چاہئے کیونکہ مشتبہ ہونے سے زیادہ دوری کا موجب ہوتا ہے مخصوصا جہاں خط بہت باریک اور سطروں کے درمیان فاصلہ بہت تنگ ہو، اور جب حاشیہ میں مطلوبہ لفظ کی وضاحت کیجائے تو اس کے ساتھ ''بیان'' یا ''ن'' لکھا کرے (تا کہ قاری سمجھ سکے کہ یہ جزءِ متن نہیں ہے)۔

حروف کے صحیح تلفظ کو ضبط کرنے میں بزرگوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ نقطہ دار حروف کی نقطوں کے ذریعے اصلاح کرتے ہیں اور جو حروف نقطہ دار نہیں ہیں تو ان کی صلاح کے کئی روشیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اس حرف کو بالکل اپنی حالت پر چھوڑے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی نقطہ لگائے۔ لیکن

اس روش کو ایک جماعت نے پسند نہیں کیا ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ لکھنے والا غلطی سے نقطہ دار حروف کا نقطہ نہ لگائے جس کے نتیجے میں یہ غیر نقطہ دار حرف سے خلط ہو جائے گا۔

۲۔ ان حروف کے نیچے اسی انداز میں نقطہ گزاری کی جائے جس طرح نقطہ دار حروف کے اوپر نقطہ گزاری کی جاتی ہے لہذا مثلا ''راء'' اور ''دال'' کے نیچے ایک ایک نقطہ لگایا جائے اور سین کے نیچے تین نقطے لگائے جائیں اور اسی طرح دوسرے حروف میں بھی۔ البتہ اس قاعدے سے ''حاء'' کو استثناء کیا گیا ہے لہذا اس کے نیچے نقطہ نہ لگایا جائے تا کہ جیم کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔

۳۔ ان حروف کو (ملا کر لکھے گئے حروف) کے علاوہ منفرد طور پر لکھا جائے۔ اس سلسلے میں بہتر ہے کہ یہ جدا گانہ لکھے جانے والا حرف متن سے چھوٹا اور اس کے نیچے قرار پائے۔

۴۔ بغیر نقطہ کے حرف کے اوپر چھوٹی سی ہلال کی شکل بنائے یا ایک ایسی علامت بنائے جو ہلال کے برعکس اس کی پشت پر پڑی ہو۔ (یعنی مثلاً حرف راء کو یوں ر یا اس طرح ر لکھے۔

۵۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا خط کھینچا جائے چنانچہ اکثر قدیمی کتب میں ایسا کیا گیا ہے لیکن اس کے مدہم اور غیر واضح ہونے کی وجہ سے اس پر خاص توجہ نہیں ہوتی تھی۔ علامت گزاری کا ایک اور مقام یہ ہے کہ حرف ''کاف معلقہ'' کے اندر ایک چھوٹا کاف یا ہمزہ لکھے جیسے ''ك'' اسی طرح ''لام'' کے وسط میں ایک چھوٹا لام لکھے۔

انیسواں مسئلہ: اصلاح شدہ حروف کے اوپر لکھدینا چاہئے کہ اس کی تصحیح ضبط میں آچکی ہے البتہ ایسا اس وقت کرنا چاہئے کہ جب مطالعہ کے دوران شک پیدا ہو جائے یا

اس کا ذرا سا احتمال پایا جائے۔ اگر اس کی کتاب یا تیار کئے گئے نسخے میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اس لفظ کے اوپر باریک حروف میں ''کذا'' لکھ دینا چاہئے اور اس کے حاشیے پر لکھے ''صوابہ کذا'' لکھے۔ اگر اس پر تحقیق کی گئی ہو اور ایسا ہونے کا گمان غالب آجائے تو ''لعلہ کذا'' تحریر کرے۔ اور اگر اس کی صحت اور عدم صحت مشکل نظر آئے اور اس کی صحیح صورت معلوم نہ ہو جائے تو اس کے اوپر ''صــــــ'' لکھدے اور یہ حرف ص کا سرا ہے جو ''صَحَّ'' کا اختصاری شکل ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ ''صــ'' نقطے کے ساتھ بھی لکھا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں لفظ '' ضَبّہ'' (قفل) کا اختصار ہوگا۔ یہ علامت متن سے ذرا فاصلے پر ہونی چاہئے تا کہ اس سے ''ضرب'' وغیرہ کا مفہوم نہ لیا جائے۔ پس جب خود لکھنے والا یا اس کے بعد کوئی اس کے بارے میں تحقیق کر کے صحیح کرے اور دیکھے کہ جو تصحیح غیر نے کی ہے وہ درست ہے، تو اس ''صــ'' کے ساتھ ''ح'' کا ضافہ کرے گا تا کہ لفظ ''صَحَّ'' مکمل ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ '' ضَبّہ'' سے مراد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابھی اس لفظ کی تصحیح مکمل نہیں ہوئی ہے اگر چہ روایت اور موازنہ صحیح طور پر انجام پایا ہے۔ نیز قاری بھی اس بات کی طرف متوجہ ہو کہ لکھنے والے نے اس روایت کے نقل میں کافی دقت سے کام لیا ہے اور غفلت نہیں کی برتی ہے تا کہ وہ اس کو غلط سمجھ کر اس کی اصلاح کرنے نہ لگے۔ بعض لوگ ایسے مقام پر بے باکی اور جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی علامتوں کو تغیر کرنے لگتے ہیں جبکہ ان کا باقی رہنا ہی صحیح ہوتا ہے۔ اس علامت کے لئے لفظ '' ضَبّہ'' کو اس لئے استعارہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کا کام '' ضَبَّۃُ الانــاء ''یعنی برتنوں کی ترمیم کے مشابہ ہے اور ان دونوں کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں نقص کو صحیح کرنے کے

لئے استعمال ہوتے ہیں یا یہ " ضَبَّۃُ البَـــاب " دروازے کے چٹخنی یا دستے سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اس علامت سے مراد یہ ہے کہ یہ مقام مسدود اور مقفل پڑا ہوا ہے کہ جس کی قرأت فی الحال نہیں کی جانی چاہئے۔ گویا اس علامت کے ذریعے یہ قفل کیا گیا ہے۔

بیسواں مسئلہ: جب کتابت یا تحریر میں کوئی زائد چیز واقع ہو جائے یا کوئی لفظ نادرست لکھا جائے تو ان کی اصلاح کے تین طریقے ہیں۔

ا۔ کشط: اس سے مراس ورق کو چاقو یا کسی اور تیز دھار کے ذریعے کھرچنا ہے جسے بشر اور حک سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ اس سے وہ طریقے بہتر ہیں جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ ہاں یہ طریقہ زائد لفظ یا حروف وغیرہ کو زائل کرنے میں بہتر ہوگا۔

۲۔ محو: یعنی امکان کی صورت میں بغیر کھرچ کے اصلاح کرنا۔ بشرطیکہ تحریر بالکل چمکدار صفحے پر ہو اور حروف ابھی گیلے اور سیاہی پھیل جانے سے محفوظ ہو۔ یہ روش، کشط یعنی کھرچنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں کم وقت لگتا اور کاغذ بھی خراب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ ہے کہ گیلی زبان سے بالکل نرمی کیساتھ اسے مٹائے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے کہا ہے کہ آدمی کے ہونٹوں اور کپڑوں میں سیاہی لگی ہوئی نظر آنا مردانگی اور مروت کی بات ہے۔

۳۔ ضرب: (اس سے مراد غلط عبارتوں کے اوپر خط کھینچنا یا انہیں قوسین یا دیگر علامتوں سے نمایاں کرنا ہے) یہ روش، کشط اور محو دونوں سے افضل ہے مخصوصا حدیث کی کتب میں کیونکہ یہ دونوں طریقے کتاب کو فرسودہ کر دیتے اور باعث تہمت ہوتے ہیں نیز ورق کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

بعض اساتید سے نقل ہوا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: علمائے ماسلف حدیث سنائی جانے والی مجلس میں اپنے ساتھ چاقو لے جانا پسند نہیں کیا کرتے تھے تا کہ کوئی لفظ وغیرہ کھرچ نہ جائے کیونکہ ممکن ہے وہی لفظ کسی دوسری روایت میں اسی انداز میں درست ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہی کتاب کسی اور استاد کے پاس دوسری دفعہ سنائی جائے اور یہ مٹایا گیا لفظ اس کے پاس موجود روایت میں صحیح ہو کہ اس صورت میں دوبارہ اسکو لکھنا پڑے گا۔ اگر ایک شخص کے پاس مذکورہ لفظ پر خط کھینچا گیا ہو جبکہ دوسرے کے پاس وہی صحیح ہو تو اس صورت میں اس پر کوئی ایسی علامت لگانا کافی ہوگا جو اس کی صحت کو ثابت کرے۔ ضرب کی کیفیت کے بارے میں پانچ اقوال ہیں:

۱۔ ضرب یا نشانی لگائی جانے والے حروف پر ایک لمبا خط کھینچا جائے کہ اجس کو اہل مغرب شق کہتے ہیں۔ اس بارے میں بہتر ہے وہ خط ہے جو باریک اور واضح طور پر مقصود کی نشاندہی کرے اور صفحے کو کالا نہ کرے اور نہ حروف کو مٹائے اور نہ اس سے نچلے سطر کے پڑھنے مین مانع ہو۔

۲۔ ان غلط حروف کے اوپر ذرا فاصلے پر ایک خط کھینچا جائے کہ جس کے دونوں سروں میں ایک، غلط حروف میں سے پہلے حرف پر اور دوسرا سر آخری حرف پر مڑا ہوا ہو اور اس کی مثال یہ ہے:

۳۔ پہلے حرف کے اوپر ''لا'' یا ''من'' اور آخری حرف کے اوپر لفظ ''من'' لکھا جائے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ یہاں سے یہاں تک ساقط ہے یا یہ کہ یہاں سے یہاں تک صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ روش کسی ایسے لفظ کے لئے زیادہ مناسب ہے جو ایک روایت میں ضبط ہو چکا ہو اور دوسری روایت میں ساقط ہوا ہو۔

۴۔غلط عبارت کے شروع اور آخر میں قوسین کی علامت بنائے اور اس کی مثال یہ ہے :(۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔) پھر اگر جگہ تنگ ہو تو قوسین کو دونوں جانب سے حروف کے اوپر لگا سکتے ہیں۔

۵۔غلط عبارت کے اول اور اس کے آخر میں صفر کی علامت "o.........o" لگائے اور اس سے مراد ایک چھوٹا سا دائرہ ہوتا اور اس کو صفر کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جس چیز پر اس ذریعے نشان لگایا جاتا ہے وہ صحت سے عاری ہوتی ہے چنانچہ علم حساب میں بھی اسی وجہ سے اسے صفر کہا جاتا ہے کہ وہ عدد سے خالی ہوتا ہے۔اور اگر جگہ کی تنگی ہو تو ان کو دونوں جانبوں کے اوپر قرار دے سکتے ہیں۔

بعض علماء غلط الفاظ کو خط کی بجائے مسلسل نقطوں کے ذریعے ملا دیا کرتے تھے۔

اگر غلط عبارت ایک سطر سے زیادہ ہو تو مذکورہ پانچ طریقوں میں سے آخری تین طریقوں کے ذریعے بھی علامت لگا سکتے ہیں یعنی ہر سطر پر خط کھینچا جائے اور چاہے تو ان میں سے ایک کے ذریعے فقط زائد عبارت کی جانبوں میں علامت لگائی جائے۔(یعنی ایک علامت زائد عبارت کے آغاز میں اور دوسری علامت دوسرے سطر کے آخر میں لگا کر پورے مجموعے کو نمایاں کرے)۔

اگر چوک سے کوئی لفظ ایک یا اس سے زیادہ مرتبہ تکرار ہو جائے تو ان میں سے آخری مکرّر لفظ کو مٹائے کیونکہ پہلا لفظ اپنی جگہ صحیح و درست ہے۔البتہ اگر بعد والا خوشخط یا پڑھنے میں زیادہ واضح ہو تو اس صورت میں پہلے والے ہی کو مٹائے۔اسی طرح اگر پہلے والا تکرار شدہ لفظ سطر کے آخر میں واقع ہوا ہو تو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تاکہ ابتدائے سطر غلطی سے محفوظ رہے۔

اگر تکرار شدہ مضاف و مضاف الیہ، صفت و موصوف، عطف و معطوف یا خبر و مبتداء میں واقع ہوا ہو تو قواعد کی رعایت نہ کرتے ہوئے مکرر الفاظ میں سے کنارے والے پر خط کھینچنا بہتر ہے نہ درمیان والے پر (مثلاً اللہ اللہ اکبر میں سے اس لفظ ''اللہ'' پر خط کھینچے جو پہلے واقع ہے۔ تاکہ اس ضرب یا خط کی وجہ سے دو باہم مربوط الفاظ میں فاصلہ پیدا نہ ہو اور یہ طریقہ مذکورہ پہلے دوسرے اور ان میں سے بہتر طریقے سے زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ اس طرح معانی کی رعایت کرنا ظاہری صورت اور خط کی خوبصورتی سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اگر کسی شے پر خط تنسیخ کھینچنے کے بعد ثابت ہو جائے کہ وہی درست تھا اور مؤلف اس کی دوبارہ تصحیح کرنا چاہے تو اس کے اول اور آخر میں باریک خط میں لفظ ''صحّ'' لکھدے اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ اس لفظ ''صحّ'' کو تکرار کے ساتھ لکھتا جائے بشرطیکہ اس کا کاغذ سیاہ نہ ہو جائے۔ س کے علاوہ جن مقام پر خط متصل یا منفصل کھینچے گئے ہیں وہاں پے در پے نقطے بھی لگا سکتے ہیں، اور جہاں اس کے علاوہ کسی اور علامت کے ذریعے ضرب لگائی گئی ہو وہاں یہ روش اختیار نہیں بھی کرسکتا ہے۔ البتہ اس صورت یعنی علامتوں کے ذریعے غلطی کی نشاندہی کی جاچکنے کی صورت میں بہتر ہے کہ انہی علامتوں جیسے ''من'' ''لا'' یا قوسین اور صفر وغیرہ پر خط کھینچ کر اس پر ''صحّ'' لکھدے۔

اکیسواں مسئلہ: جب تحریر میں چھوٹی ہوئی کسی چیز کی تلافی کرنا چاہے کہ اس عمل کو ''لحق'' کہا جاتا ہے جو لحاق سے مشتق اور ادراک کے معنی میں ہے، تو اس عمل کو کتاب کے حاشیہ پر انجام دینا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا کرنا سطروں کے درمیان میں انجام دینے سے زیادہ بہتر ہے تاکہ سطور کو پیدا کرنے اور انہیں پڑھنے میں دھندلا پن جیسے موانع سے دوچار نہ ہو

مخصوصا جہاں سطور کے درمیانی فاصلے کم اور ملے ہوئے ہوں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں دائیں طرف کا حاشیہ مناسب تر ہے بشرطیکہ ایسا کرنا اس میں وسعت کے ذریعے ممکن ہو کیونکہ دائیں طرف کو ایک شرف حاصل ہے اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں کوئی اور لفظ چھوٹ جائے اور اس کو بائیں حاشیے میں لکھنا پڑے۔ پس اگر وہ محذوف پہلے سے ہی بائیں حاشیے پر لکھا جائے پھر معلوم ہو جائے کہ اسی سطر میں کوئی اور لفظ بھی چھوٹ چکا ہے تو اگر اس کو بھی بائیں طرف ہی لکھے تو اصلاح کی ان جگہوں میں شبہ پیدا ہو گا اور اگر چاہے کہ دونوں اصلاح کو دائیں طرف انجام دے تو دونوں تخریج یا اصلاح ایک ہی صفحے پر آمنے سامنے قرار پائیں گے اور کبھی کبھار تو چھٹے ہوئے حروف کے باہم نزدیک ہونے کی وجہ سے دو موارد مل بھی سکتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں گمان ہو جائیگا کہ یہ دونوں موارد کے لئے لگائی گئی علامتِ تنسیخ ہے چنانچہ پہلے کیفیتِ ضرب میں بیان ہو چکا۔ لہذا اس عمل کو ہمیشہ دائیں طرف ہی انجام دینا اور اسی روش کو ایک قانون قرار دینا غلطیوں کے زائل ہونے کا سبب ہوگا۔ مگر یہ کہ اگر ایک ہی سطر میں زیادہ حروف چھوٹ جائیں (تو پھر بائیں طرف ہی لکھ دینا چاہئے) مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

ہاں اگر چھُٹنے والا لفظ سطر کے آخر میں ہو تو تلافی کے لئے لکھے جانے والے لفظ کو ہمیشہ اسی کے ساتھ ہی ملا لینا چاہئے۔ البتہ اس کو اصل لفظ سے متصل ہونا چاہئے اور اس نئے لفظ کو دورے سطر کے آغاز میں قرار نہیں دینا چاہئے اور نہ اسے دائیں طرف کے حاشیے سے ملا کر لکھے۔ اگر ورق یا جلد کی طرف بہت نزدیک ہونے کی بنا پر جگہے میں تنگی ہو جائے تو بیشک اسے کسی اور جگہ درج کر سکتا ہے۔

تخریج اور تدارک کا عمل جس سمت بھی انجام پائے، نیچے سے اوپر کی طرح ہونا چاہئے نہ

اوپر سے نیچے کی طرف کیونکہ یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ بعد میں بھی کوئی تخریج وتدارک کا عمل پیش آئے جس کے لئے اس کے مقابل میں جگہ نہ رہے۔ (حاشیہ پر لکھتے وقت ہمیشہ) حروف کے سروں کو دائیں طرف قرار دینا ضروری ہے اس میں فرق نہیں کہ دائیں طرف کا حاشیہ ہو یا بائیں طرف کا۔

مؤلف اور مصحّح کو چاہئے کہ لکھنے سے پہلے چھٹے ہوئے کلمات اور ان کے لئے درپیش سطروں کا موازنہ اور محاسبہ کرے پس اگر دو یا اس سے زیادہ سطر چھٹ چکے ہوں تو صفحے کے بالکل اوپر سے نیچے کی طرف ان سطروں کو قرار دے بطوریکہ یہ سطور اسی مقام پر ختم ہو جائیں جہاں اصل متن سے عبارت چھٹ چکی ہے۔ البتہ یہ عمل اسی صورت میں ہے کہ اگر تخریج وتدارک کا عمل دائیں طرف ہو اور اگر بائیں طرف ہو تو ساقط شدہ سطروں کو اصل متن کی جانب (جہاں عبارت چھٹی ہے) سے ہی شروع کرے بطوریکہ یہ سطور صفحے کے کنارے تک پہنچ کر ختم ہوں اور اگر تدارک ختم ہونے سے پہلے ہی حاشیہ میں جگہ ختم ہو جائے تو بقیہ کو مناسبت کو دیکھتے ہوئے صفحہ کے بالائی یا نچلے حصے میں لکھ کر اسے مکمل کرنا چاہئے۔

جس طرف بھی ہو، حاشیہ کے ذریعے کتاب کی تحریر اور اس کے سطروں کو باہم ملا نہیں دینا چاہئے بلکہ کچھ فاصلہ چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ بعد میں بھی متعدد دفعہ تصحیح کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

پھر ساقط شدہ محل کے تدارک کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں سے لفظ چھٹ چکا ہے سطر کے اسی جگہے سے ایک عمودی خط اوپر کی طرف کھینچے یہاں تک کہ اس کے اوپر واقع سطر کے قریب پہنچے جبکہ اس کا سرا حاشیہ سے تدارک کی جگہے کی طرف یوں ------ جھکا ہوا ہو

تا کہ یہ اس ساقط شدہ مقام کی طرف اشارہ ہو۔

علماء کی ایک جماعت نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ ابتدائے خط اور ساقط شدہ کے درمیان میں ایک متمادی خط کھینچ کر انکو ملایا جائے جیسے : ______________ لیکن دوسرے علماء نے اس کو پسند نہیں کیا ہے کیونکہ اس سے کتاب سیاہ ہوسکتی ہے مخصوصا جب تخریج اور درستگی کا عمل زیادہ ہو۔ ہاں اگر ساقط شدہ عبارت کے مقابل میں کوئی خالی جگہ نہ ہونے کی صورت میں اس حذف شدہ لفظ کو کہیں اور لکھنے پر مجبور ہو جائے تو اس تدارک کے لفظ سے ساقط شدہ لفظ تک ایک خط کھینچنا چاہیئے۔ یا اس ساقط شدہ لفظ کے مقابل میں لکھے: ''صحیح عبارت کو فلاں جگہ پڑھے'' یا اسی طرح کی کوئی عبارت لکھے جو اشتباہ کو رفع کرے۔

جب تخریج اور درستگی کے ذریعے ساقط شدہ عبارت لکھی جائے تو اس کے اختتام پر لکھے: ''صَحَّ'' البتہ یہ باریک لکھا جانا بہتر ہے۔ بعض علماء ''صحّ رجعَ'' لکھا کرتے ہیں اور بعض صرف ''رجع'' پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

بائیسواں مسئلہ: جب استاد کے حضور کتاب کی تصحیح یا موازنہ مکمل ہو جائے تو اسی مقام پر جہاں تصحیح انجام کو پہنچا ہے: ''بلغت'' یا ''بلغَ العرض'' یا ایسے ہی دیگر الفاظ کے ذریعے علامت گزاری کرے جو ان تعبیرات کا مفہوم ادا کرے اور اگر یہ استاد کے ہاتھوں سے انجام پائے تو بہتر ہے۔ اس طرح علامت گزاری کرنے میں کئی فائدے ہیں کہ جن میں سے سب سے مہم فائدہ یہ ہے کہ اگر استاد یا کتاب کا مقابلہ کرنے والا باوثوق اور بااعتماد ہو تو سالہا سال گزرنے کے باوجود کتاب کا نسخہ باوثوق اور قابل اعتماد ہوگا۔ کیونکہ اس عمل کی ضرورت پائی جاتی ہے مخصوصا ہمارے (یعنی مؤلف کے) زمانے میں چونکہ ہمارے

معاصرین یا قریب کے لوگوں میں، کتب بالخصوص کتبِ احادیث کی تصحیح و درستگی کا جذبہ اور همت سست رہ چکی ہے لہذا حق کو ثابت کرنے مین حتی الامکان تحقیق کے بعد گذشتہ باوثوق علماء کی تصحیح پر اعتماد کرنا چاہئے۔

تیئیسواں مسئلہ: بہتر ہے کہ دائرہ یا موٹے قلم کے ذریعے دو جملوں یا دو حدیثوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرے اور سبھی کو ایک ہی انداز میں ملا کر نہ لکھے کیونکہ اس میں ضرورت پڑنے پر مطلوبہ حدیث کو نکالنے میں دشواری پیش آجائے گی اور وقت بھی ضائع ہوگا۔

بعض علماء نے دائرہ کو دوسری علامتوں پر ترجیح دی ہے اور اس روش پر اکثر محدثوں نے عمل کیا ہے اور بعض نے پہلا موازنہ عمل میں آنے تک دائرہ نہ لگانے کو اپنایا ہے۔ پھر جس جس حدیث یا کلام کا مقابلہ اور موازنہ عمل میں آتا جائے گا اس کے آخر میں بنائے جانے والے دائرے میں نقطہ لگاتا جائے اور دوسرے موازنے پر دوسرا نقطہ لگاتا جائے اسی طرح ہر موازنہ پر ایک ایک نقطہ اضافہ کرتا جائے۔

چوبیسواں مسئلہ: ذاتی یا غیر کی کتاب کے حاشیے پر البتہ مالک کی اجازت کے بعد، ایسے مفید نکات لکھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا جو روایت یا کسی خاص نسخے میں پائے جانے والی غلطی یا اختلاف کو واضح کرتے ہوں البتہ اس کے آخر میں لفظ ''صحّ'' نہیں لکھنا چاہئے۔

جس کلمے کے بارے میں حاشیہ لکھا جاچکا ہے اس کے بالکل اوپر کوئی علامت لگائے، نہ یہ کہ لفظوں کے درمیان میں یہ علامت ہو؛ یا یہ کہ علامت کی بجائے کوئی ہندسہ لکھے اور یہ سب اس لئے ہے کہ حاشیہ اصل متن کی اصلاح سے ممتاز ہو۔

بعض علماء ایسی تحریر کے آغاز میں ''حاشیہ'' یا ''فائدہ'' یا ''حشہ'' کی علامت لکھا کرتے تھے اور بعض ان کے آخر میں لکھا کرتے تھے۔ کتاب کے حاشیے میں اسی سے متعلق مہم

نکات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں لکھنا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی ذیلی اور غیر متعلقہ مطالب لکھ کر کتاب کو سیاہ کرے۔ چنانچہ اس زمانے کے بعض افراد کے ساتھ ایسا ہوا بھی ہے کیونکہ وہ علماء کے اصطلاحات سے غافل اور ناواقف ہوا کرتے تھے جس کے نتیجے میں اکثر کتب کو خراب اور ضائع کرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین ہو کہ سطروں کے درمیان میں کبھی کچھ نہیں لکھنا چاہئے۔

پچیسواں مسئلہ: کتاب کی فصلوں، ابواب اور دیگر سرخیوں وغیرہ کو سرخ یا کسی اور رنگ میں لکھے تا کہ اس سے عبارتوں کے فاصلے زیادہ واضح طور پر معلوم ہوں۔ اگر کسی کتاب کی شرح اس کے متن کے ہمراہ ہو تو اس کو متن سے جدا اور نمایاں رکھنے کے لئے سرخ سیاہی سے لکھ سکتا ہے یا یہ کہ ذرا فاصلے پر شرح کے اوپر اسی رنگ کا متمادی خط کھینچ سکتا ہے جیسا کہ عملِ ضرب کی دوسری قسم میں گزر گیا البتہ شرح پر کھینچے جانے والے خط کو ضرب کے خط سے جدا کرنے کے لئے اس کے سروں کو نیچے کی طرف نہ موڑے۔

اگر اس قسم کی مخلوط شرح کے پورے متن سرخ سیاہی سے لکھا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ کبھی کبھار یہ ایک ہی لفظ کے ساتھ بھی مرکب لکھنا پڑتا ہے حتی کہ بعض اوقات ایک ہی کلمہ کا ایک حصہ متن اور دوسرا حصہ شرح ہوا کرتا ہے لہذا ایسے موقع پر جتنا سرخ سیاہی سے واضح ہوتا ہے اتنا خط کے ذریعے نہیں ہوتا۔ اللہ ہی کامیابی عطا کرنے والا ہے۔

....

خاتمہ کتاب

یہ خاتمہ چند مہم مطالب پر مشتمل ہے

پہلا مطلب: دینی علوم اور وہ چیزیں جن پر یہ موقوف ہیں

دوسرا مطلب: شرعی علم اور اس کے ملحقات کے احکام

تیسرا مطلب: متعلم کو مدنظر رکھتے ہوئے علم کو ترتیب دینا
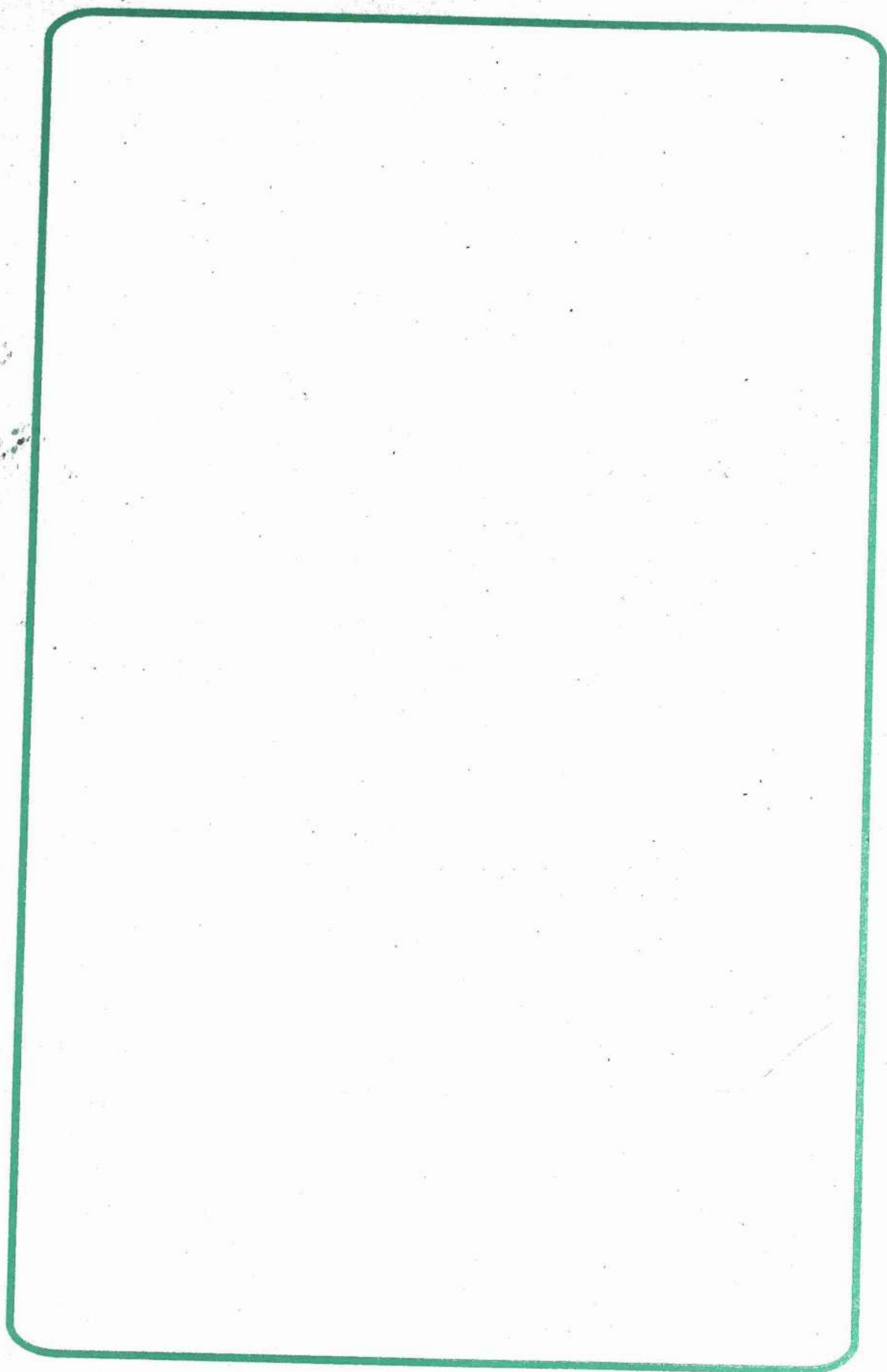
پہلا مطلب

دینی علوم اور عقلی وادبی علوم کے اقسام جو دینی علوم کا اساس ہیں

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل

اساسی دینی علوم کے اقسام

دینی علوم کی چار بنیادی قسمیں ہیں: ۱۔علم کلام ۲۔علم قرآن ۳۔ علم احادیث نبویؐ (اور ائمہ ؑ) ۴:ان شرعی احکام کا علم جسے فقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

علم کلام:

اسے اصول بھی کہتے ہیں پس یہ علم تمام علوم شرعی کی بنیاد اور اساس ہے کیونکہ اسی علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور جانشینوں اور اس علم پر مشتمل دیگر حقائق کی پہچان

ہوتی ہے نیز اسی علم کی وساطت سے صحیح آراء کو غلط آراء سے اور حق کو باطل سے تمیز دی جاسکتی ہے۔قرآن شریف اور احادیث میں علم کلام سیکھنے اور اس کی فضیلت کے بارے میں بہت سے مقامات سفارش کی گئی ہے۔قول خداوندی ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

پس جان لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔(محمد/۱۹)

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوا فِی اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ.

کیا وہ اپنے تیئں تفکر نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟(روم/۸)

اَوَلَمْ یَنْظُرُوا فِی مَلَکُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ.

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا؟۔(اعراف/۱۸۵)

اور ان سے مقصود مستحکم صنعت اور بے مثال آثار و مخلوقات کے ذریعے صانع حقیقی کی قدرت پر غور و فکر اور استدلال کرنے کا حکم ہے، جو واحد، حکیم اور عالم ہے۔

ابی سعید خدوی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے روایت کی ہے کہ فرمایا:

مَاقُلتُ وَلَا قَالَ الْقَائِلُونَ قَبْلِی مِثْلَ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

نہ میں نے اور نہ مجھ سے پہلے لوگوں نے لا الہ اللہ جیسے کلمہ زبان پر جاری کیا ہے[جو خدا کی وحدانیت پر دلالت کرے]۔(منیۃ المرید ص ۳۶۶، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

امام جعفر صادق ؑ نے اپنے پدر بزرگوار اور انہوں نے اپنے جد بزرگوار سے نقل کیا

ہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنُ مَاتَ لَایُشُرِکُ بِاللهِ شَیئاً دَخَلَ الُجَنَّۃَ ۔

جو کسی کو خدا کے شریک ٹھہرائے بغیر دنیا سے چلا جائے گا تو جنت میں جائے گا۔

(التوحید ص ۱۸، باب ثواب الموحدین والعارفین)

نیز آپؑ نے اپنے آباء ؑ سے اس آیت:

هَلُ جَزاءُ الُاِحُسانِ اِلَّا الُاِحُسانُ. (رحمٰن/۶۰) [کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ ہوسکتا ہے؟] کے بارے میں نقل فرمایا ہے: حضرت علی - نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

ماجَزاءُ مَنُ اَنُعَمُتُ عَلَیُهِ بِالتَّوُحِیدِ اِلَّا الُجَنَّۃُ ۔

خدا کا فرمان ہے کہ میں نے توحید کی جزا صرف جنت کو قرار دیا ہے۔ (وہی کتاب ص ۱۹)

ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ، مجھے انوکھے علمی نکات سکھا دیجیے! فرمایا: تم نے کس چیز کو علم کا سرمایہ قرار دیا ہے جو تم اس کے انوکھے نکات کا پوچھ رہے ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، علم کا سرچشمہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: حقیقی علم معرفتِ خدا ہے۔ اعرابی نے عرض کیا: حقیقی اور درست معرفت خدا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا:

تَعُرِفُهُ بِلا مِثُلٍ وَلا شِبُهٍ وَلا نِدٍّ ، وَاَنَّهُ وَاحِدٌ ، اَحَدٌ ، ظاهِرٌ ، باطِنٌ ، اَوَّلٌ آخِرٌ . لا کُفُوَلَهُ وَلا نَظِیرَ ، فَذٰلِکَ حَقُّ مَعُرِفَتِه.

یہ کہ اس پر ایمان رکھے بغیر اس کے کہ اس کیلئے کسی مثل یا شبیہ یا شریک کا قائل ہو اور یہ کہ وہی واحد و یکتا، ظاہر و باطن اور اوّل و آخر ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ اس جیسی

کوئی چیز ہے؛ تو یہ ہے حقیقی معرفتِ خدا۔ ((التوحید ص ۲۸۴-۲۸۵))

اس سلسلے میں اہل بیت ؑ سے بھی روایتیں وارد ہو چکی ہیں جو ان کے بارے میں معلوم کرنا چاہے تو کتاب توحید کلینی اور کتاب توحید شیخ صدوق ابن بابویہؒ کی طرف رجوع کرے۔

اقسام علم

علم قرآن: تو اس کے بارے میں تین فنون کے اصطلاحات رائج ہیں کہ جن میں سے ہر ایک پر جداگانہ کتب لکھی جا چکی ہیں اور ہر ایک پر علم اطلاق ہوتا ہے۔

فن اول، علم تجوید: اور اس کا فائدہ اور غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے مفرد اور مرکب ہونے کے اعتبار سے حروف اور کلمات کی وضعیت پہنچانی جاتی ہے۔ بنابراین یہ علم، حروف کے مخارج اور صفات، ان کے مد، اظہار، اخفاء، اور ادغام، امالہ اور تفخیمو غیہر کی شناخت پر مشتمل ہوتا ہے۔

فن دوم، علم قرائت: اس سے مقصود اعراب کی مختلف قسموں اور اس بناء کی شناخت حاصل کرنا ہے جس کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے اور جو حضور اکرم ﷺ سے بطور متواتر نقل ہوئی ہیں۔ اس علم میں گزشتہ فن اول کا بھی کچھ حصہ شامل ہے لہذا دونوں علم کو ایک ہی علم سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مباحث ایک ہی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔

فن سوم، علم تفسیر: اس کی غرض کتاب عزیز کے معنوں، اس کے (حلال و حرام سے متعلق) احکام اور حکمت آمیز نکات کی معرفت حاصل کرنا ہے تاکہ اس کے مطابق کتاب عزیز میں پائے جانے والے احکام، نصیحتوں اور امر و نہی وغیرہ پر عمل کیا جا سکے۔ اس علم میں اکثر ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہات وغیرہ شامل ہیں۔ کبھی ناسخ و منسوخ کو الگ

کر کے ایک اور علم کے ساتھ مختص کرتے ہیں مگر یہ کہ اکثر تفاسیر میں ان دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی فضیلت، اس کے آداب نیز اسکی تعلیم وتعلّم کی ترغیب سے متعلق بہت سی احادیث اوراقوال پائے جاتے ہیں۔

ابن عباس سے خدا کے اس قول:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً (بقرہ/۲۶۹).

[خدا جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے خدا نے حکمت عطا کی تو اس کو خیر کثیر عطا کی گئی ہے] کے بارے میں نقل ہوا کہ یہاں حکمت سے مراد قرآن ہے۔

نیز آپؑ سے اس آیت کی وضاحت میں نقل ہوا ہے کہ حکمت سے مراد تفسیر قرآن ہے کیونکہ اسکو اچھے برے سبھی لوگ پڑھتے ہیں۔ نیز آپؑ نے فرمایا: حکمت سے مراد قرآن کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، مقدم ومؤخر اور حلال وحرام کے بارے میں علم حاصل کرنا ہے۔

آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے: قرآن کی تلاوت کرو اور اس کے حیرت انگیز نکات کا کھوج لگاؤ۔

ابی عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ کہا: قران کی قرائت کرنے والے اصحاب میں سے ایک نے ہم سے نقل کیا کہ وہ رسول خدا ﷺ سے دس دس آیتیں لیتے تھے اور جب تک ان میں موجود علم وعمل سے مربوط نکات کو نہ سمجھتے دوسری دس آیتوں کو نہ لیتے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ کہا: وہ شخص جو قرآن تو پڑھے لیکن اس کی تفسیر کو اچھی طرح

نہ جانتا ہو تو وہ عرب کے بدو کے مانند ہے جو اشعار کو توڑ پھوڑ کر پڑھا کرتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یہ احادیث منقول ہیں:

مَنْ قالَ فِی الْقُرآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہُ مِنَ النّارِ

جو بغیر علم کے قرآن کے بارے میں کچھ کہے گا تو اسے آگ میں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ نا چاہئے۔(منیۃ المرید ص ۳۶۸، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرْآنِ بِرأْیِہ فَاَصابَ [الْحَقَّ] فَقَدْ اَخْطَأَ.

جو اپنی رائے کے مطابق قرآن سے متعلق کچھ کہے اور وہ صحیح نکلے تو بھی اس نے غلطی کی ہے۔(وہی کتاب ص ۳۶۹)

مَنْ قالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ ما یَعْلَمُ ،جاءَ یَوْمَ الْقِیمَۃِ مُلْجَماً بِلِجامٍ مِنَ النَّارِ

جو قرآن کے بارے میں بغیر علم کے کچھ کہے گا قیامت کے دن اسے آگ کا لگام لگایا جائے گا۔(وہی کتاب)

اَکْثَرُ ما اَخافُ عَلی اُمَّتی مِنْ بَعْدی : رَجُلٌ یَتاوَّلُ الْقُرْآنَ ، یَضَعُہُ فِی غَیْرِ مَوْضِعِہ [عَلی غَیْرِ مَواضِعِہ]

مجھے اپنے بعد میری امت میں سے سب سے زیادہ اس شخص کا خوف ہے جو قرآن کی تأویل کرتے ہوئے غلط معنی کرتا ہے۔(وہی کتاب)

امام جعفر صادق - نے فرمایا:

مَاضَرَبَ رَجُلٌ الْقُرآنَ بَعْضَہُ بِبَعْضٍ اِلَّا کَفَر

جس نے بھی بغیر کسی علم کے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کفر کا مرتکب ہوا۔

(اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۲-۶۳۳)

اس کے علاوہ علامہ کی وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ جس میں حضور ﷺ سے جب انسابِ عرب اور زمانہ جاہلیت کے حوادث اور اشعار کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے شخص کے متعلق بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

ذَاکَ عِلْمٌ لَا یَضُرُّ مَنْ جَھِلَهُ وَلَا یَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ. اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ: آیَةٌ مُحْکَمَةٌ، اَوْ فَرِیْضَةٌ عَادِلَةٌ، اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ وَمَا خَلَاھُنَّ فَھُوَ فَضْلٌ.

یہ ایسا علم ہے جو، نہ اس کے نہ جاننے والے کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ اسے جاننے والے کو کوئی فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: (حقیقی) علم صرف یہ تین ہیں: ۱۔ آیاتٌ محکمۃ (یعنی اعتقادات) ۲۔ فریضۃٌ عادلۃ (یعنی واجبات) ۳۔ سنۃ القائمۃ (یعنی مستحبات) ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اضافی ہے (یعنی زیادہ اہمیت کے حامل نہیں)۔ (منیۃ المرید ص۱۱۳، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

علم حدیث:

تو یہ قرآن کے بعد ثواب کے اعتبار سے سب سے عالی مرتبت اور عظیم علم ہے؛ اور اس سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ ؑ سے منسوب اقوال و افعال، تقریر و صفت حتی کہ خواب و بیداری جیسے حرکات و سکنات بھی (حدیث کے عنوان سے ہمارے لئے نمونہ عمل ہوا کرتے ہیں)۔ یہ علم دو قسموں پر ہے: علم روایت علم درایت

علم روایت سے مراد قول و فعل اور تقریر معصوم ہے۔ جبکہ دوسری قسم یعنی علم درایت سے مقصود عند الاطلاق سمجھے جانے والا علم الحدیث ہے جس میں مذکورہ افعال و احادیث کے معانی ان کے متن، روش، صحت و سقم اور راویوں کی شرائط، اقسامِ روایت کے بارے میں بحث ہوتی ہے تاکہ ان میں سے قابل قبول اور ردّ شدہ احادیث کی شناخت کر کے ان

پر عمل یا اجتناب کیا جائے۔

اس علم کی دونوں قسموں میں سے یہی دوسری قسم زیادہ فضیلت کی حامل ہے کیونکہ ان دنوں کی ذاتی غرض اور فائدہ عمل ہوتا ہے جبکہ درایت براہ راست علت وسبب ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق - سے منقول ہے:

خَبَرٌ تَدْرِیهِ ، خَیْرٌ مِنْ اَلْفٍ تَرْوِیهِ

کسی حدیث کو سمجھنا (اور اس پر عمل کرنا) ایسی ہزار احادیث سے بہتر ہے جو صرف نقل کی جاتی ہیں۔ (بحار الانوار ج ۲، ص ۲۰۶)

نیز آپؑ سے حدیث ہے کہ:

عَلَیْکُمْ بِالدِّرَایاتِ ، لاَ الرِّوایاتِ

تم پر فرض ہے کہ روایتوں میں فہم و درک سے کام لو نہ یہ کہ صرف نقل کرنے پر اکتفا کرو۔ (بحار الانوار ج ۲، ص ۲۰۶)

طلحہ بن زید سے مروی ہے کہا: امام جعفر صادق - نے فرمایا:

[اِنَّ] رُوَاةَ الْکِتَابِ کَثِیْرٌ، وَاِنَّ رُعَاتَهُ قَلِیلٌ. وَکَمْ مِنْ مُسْتَنْسِخٍ لِلْحَدِیثِ، مسْتَغِشٌّ لِلْکِتَابِ ؛ فَالْعُلَمَاءُ تَجْزِیُهُمُ الدِّرَایَةِ ، وَالْجُهّالُ تَجْزِیُهُمُ الرِّوَایَةِ .

کتب عزیز کو نقل کرنے والے تو زیادہ ہیں لیکن اس کی رعایت اور عمل کرنے والے کم ہیں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو حدیث کی (صحیح) نسخہ تیار کرتے ہیں لیکن قرآن کے بارے میں خیانت اور ملاوٹ سے کام لیتے ہیں۔تو علماء روایت کے سمجھنے کے درپے ہوتے ہیں جبکہ جاہل روایت کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ (بحار الانوار ج ۲، ص ۲۰۶)

فی الجملہ علم حدیث کی فضیلت میں ذکر ہونے والی احادیث اور اقوال میں سے پیغمبر اکرم ﷺ یہ احادیث ہیں:

لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَيْبَ ؛ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعىٰ لَهُ مِنْهُ .

حاضرین کو آنے والی نسلوں تک (ہماری احادیث) پہنچانی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ حاضر کسی ایسے غائب کو حدیث کہے جو اس سے زیادہ سننے اور سمجھنے والا ہو۔ (جامع بیان العلم و فضلہ، ج۱،ص۸۵)

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءً سَمِعَ مِنّا حَدِيثاً فَحَفِظَهُ حَتّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ .فَرُبَّ حامِلِ فِقْهٍ اِلىٰ مَنْ هُوَاَ فْقَهُ مِنْهُ ، وَرُبَّ حامِلِ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

خدا اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سننے کے بعد اسے محفوظ کرتا ہے کہ دوسروں کو سنائے، کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ فقیہ ایسے شخص کو تعلیم دیتا ہے جو خود سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل حدیث فقیہ نہیں ہوتا (یعنی علم فقہ کو جانتا تو ہے لیکن اس سے صحیح معنوں میں فائدہ نہیں لیتا)۔ (سنن ابی داود ج۳،ص۳۲۲ کتاب العلم)

. مَنْ اَدَّى اِلىٰ اُمَّتى حَدِيثاً يُقامُ بِهِ سُنَّةٌ اَوْيُثْلَمُ بِهِ بِدْعَةٌ فَلَهُ الْجَنَّةُ :

جو میری امت کو ہماری کوئی حدیث پہنچائے گا کہ جس سے کوئی سنت قائم ہو جائے یا کوئی بدعت مٹ جائے تو اس کے لئے جنت ہے۔ (شرف اصحاف الحدیث ص۸۰)

رَحِمَ اللّٰهُ خُلَفائِي. قُلْنَا : وَمَنْ خَلَفاؤُكَ ؟ قالَ : اَلَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدى ، فَيَرْوُوْنَ اَحادِيثِيْ وَيُعَلِّمُونَها النّاسَ .

خدا میرے خلفاء پر رحمت کرے۔ عرض ہوا: حضور کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث نقل کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی تعلیم دیں

گے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴، ص ۳۰۲)

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتی اَرْبعینَ حدیثاً مِنْ اَمْرِ دِینِهَا ، بَعَثَهُ اللّٰه یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَقیهاً وَ کُنْتُ لَهُ یَوْمَ الْقِیمَةِ شافِعاً وَشَهیداً .

میری امت میں سے جو اپنے دینی امور سے متعلق چالیس احادیث حفظ کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت کو اسے فقیہ بنا کر زندہ کرے گا اور میں اس کا شفیع اور گواہ رہوں گا۔ البتہ یہ اس حدیث کا کچھ حصہ ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ا ص ۶)

مَنْ تَعَلَّمَ حَدیثَیْنِ اثْنَیْنِ یَنْفَعُ بِهِمَا نَفْسَهُ اَوْیُعَلِّمُهُمَا غَیْرَهُ فَیَنْتَفِعُ بِهِمَا کَانَ خَیْراً مِنْ عِبادَةِ سِتّینَ سَنَةً .

جو شخص دو حدیثیں سیکھے گا کہ جس سے اپنے نفس کو نفع پہنچائے یا اسے دوسرے کو سکھائے جو ان سے نفع اٹھائے تو ایسا کرنا اس کے لئے ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ سودمند ہوگا۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۱۶۳۔۱۶۴)

مَنْ رَدَّحَدِیثاً بَلَغَهُ عَنِّی ، فَاَنَا مُخَاصِمُهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ، فَاِذا بَلَغَکُمْ عَنّی حَدیثٌ ۔ لَمْ تَعْرِفُو هُ ۔ فَقُولُوا : اَللّٰهُ اَعْلَمُ.

جو ہم سے پہنچنے والی کسی حدیث کو رد کردے گا تو میں قیامت کو اس کا خصم اور مدمقابل ہوں گا لہذا جب تم تک میری کوئی حدیث پہنچے اور اس کو نہ پہچان سکو تو کہو: خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۲۳۶)

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً اَوْ رَدَّشَیْئاً اَمَرْتُ بِه، فَلْیَتَبَوَّأْ بَیْتاً فِی جَهَنَّمْ .

جو جان بوجھ کر مجھے جھٹلائے گا یا میرے حکم کئے ہوئے کسی چیز کو ٹھکرائے گا تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہئے ۔ (کنز العمال ج ۱۰، ص ۲۳۴)

مَنْ بَلَغَهُ عَنّی حدیثٌ فَكَذَّبَ به، فَقَدْ كَذَّبَ ثلثَةً : اللهَ، وَرَسُولَه، والّذی حَدَّثَ بِه .

جو شخص میری حدیث کو پانے کے بعد اسے جھٹلا دے گا تو اس نے تین چیزوں کو جھٹلایا ہے: اللہ، رسول اور اس شخص کو جس نے اس کو روایت کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج۱ص ۱۴۸۔۱۴۹)

تَذَاكَرُوا وَتَلاقُوْا وَتَحَدَّثُوا ؛ فَاِنَّ الْحَدِيثَ جلاءُ الْقُلُوبِ ، اِنَّ الْقُلُوبَ لَتَرِينُ كَما يَرِينُ السَّيْفُ ، جَلاؤُ هَا الْحَديثُ .

باہم مذاکرہ و ملاقات کرو اور آپس میں حدیث بیان کرو کیونکہ حدیث دلوں کو جلا دیتی ہے۔ بیشک دلوں پر ایسا ہی زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح تلوار پر زنگ چڑھتا ہے تو اس کی جلاء اور شیقل حدیث ہوتی ہے۔ (اصول کافی ج۱ص ۴۱، کتاب فضل العلم، باب سوال العلم وتذاکرہ)

علی بن حنظلہ سے مروی ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق -کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

اِعْرِفُوا مَنازِلَ النَّاسِ عَلى قَدْرِ رِوَايَتِهِمْ عَنّا .

لوگوں کے مقام و شخصیت کو ان کی احادیث سے پہچان لیا کرو۔ (اصول کافی ج۱ص ۴۱، کتاب فضل العلم، باب النوادر)

آپ-کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ الْعَلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ، اِنَّ الْاَ نْبِياءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِرْهَماً وَلاَ دِيْناراً، اِنَّما وَرَّثُوا اَحَادِيثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ، فَمَنْ اَخَذَ بِشَيءٍ مِنهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظّاً وَافِراً، فَانْظُرُوا عِلْمَكُمْ هٰذا عَمَّنْ تَأخُذُونَهُ؛ فَاِنَّ فِيْنَا اَهْلَ البيتَ فِی كُلِّ خَلَفٍ عُدُولاً يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وانْتحالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَاوِيْلَ الْجاهِلِيْنَ.

بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں، (مگر یہ کہ) انبیاءؑ درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ تو صرف اپنی احادیث میں سے چند احادیث وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں ۔پس جس نے ان میں سے کچھ حاصل کیا تو یقیناً اس نے بڑا حصہ پایا، تم اپنے اس علم پر نظر کرو کہ کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ ہم اہل بیتؑ میں ہر بعد میں آنے والوں میں کچھ عادل افراد ہیں جو غالیوں کی تحریف، اہل باطل کی بدعتوں اور جاہلوں کی تاؑویلوں سے علمِ دین کو دور رکھتے ہیں۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

معاویہ بن عمار سے روایت ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ سے عرض کی: ایک شخص ہے جو آپؑ حضرات کی حدیث نقل کرتا ہے اور اس کو لوگوں میں پھیلاتا ہے اور اس (کے مضامین) کو ان کے اور آپ کے شیعوں کے دلوں میں مضبوط اور راسخ کر دیتا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے شیعوں میں سے کوئی عابد ایسا نہ ہو تو (فرمایئے) ان دونوں میں سے کون بہتر ہے؟

فرمایا:

اَلرِّوَایَۃُ لِحَدِیْثِنَا یَشُدُّ بِہٖ قُلُوبَ شِیْعَتِنَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. (وہی کتاب)

ہمارے احادیث نقل کر کے ان کے ذریعے ہمارے شیعوں کے دلوں کو مضبور کرنے والا راوی ہزار عابد سے افضل ہے۔

ابی نصیر سے نقل ہوا ہے کہ کا: میں نے امام جعفر صادق ؑ سے خدا کے اس قول: اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہماری حدیث کو سنتا ہے اور اس کو اسی طرح تم لوگوں کو سناتا ہے جس طرح اس نے سنا ہے نہ اس میں کوئی بڑھاتا ہے اور نہ اس سے کچھ گھٹاتا ہے۔

آپؑ ہی سے امیر المومنینؑ کے حوالے سے نقل ہوا ہے کہ فرمایا:

اِذا حَدَّثْتُم بِحَدِیثٍ فَاسْنِدُوهُ اِلَی الَّذِی حَدَّثَکُم ؛ فَاِنَّ کَانَ حَقّاً فَلَکُم ، وَاِنْ کَانَ کِذْباً فَعَلَیْهِ .

جب تم کوئی حدیث بیان کروتو اس کو اسی شخص کے حوالے سے بیان کرو جس نے تمہیں نقل کیا ہے۔ پس اگر وہ حدیث حق ہوگی تو تمہارا فائدہ ہوگا اور اگر جھوٹی ہوگی تو اسی شخص پر (اس کا وبال) ہوگا۔ (اصول کافی ج۱ ص۵۲ کتاب فضل العلم، باب روایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتابۃ ...)

ہشام بن سالم اور حمّاد بن عثمان وغیرہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا:

میری حدیث میرے بابا کی حدیث ہے، اور میرے بابا کی حدیث میرے نانا کی حدیث ہے، اور میرے نانا کی حدیث حسینؑ کی حدیث ہے، حسینؑ کی حدیث حسنؑ کی حدیث ہے، حسنؑ کی حدیث امیر المومنینؑ کی حدیث ہے اور حدیثِ امیر المومنینؑ رسول خدا ﷺ کی حدیث ہے اور رسول خدا ﷺ کی حدیث قولِ خداوند عزّ و جلّ ہوتا ہے۔

علم فقہ:

دراصل لغت میں اس سے مراد سمجھنا یا دقیق شے کو جاننا ہے لیکن اصطلاح میں ان شرعی فرعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو تفصیلی دلیلوں کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں اس میں فرق نہیں کہ خود نص اس پر دلالت کرے یا اس سے استنباط کیا جائے۔ اس کا فائدہ اوامر خدا پر عمل اور اس کے نواہی سے دوری اختیار کرنا ہے کہ جن کے ذریعے دنیوی اور اخروی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس علم کی فضیلت میں نقل ہونے والی احادیث حسب ذیل ہیں:

اِذا اَرادَ اللہُ بِعَبدٍ خیراً فقّھَہُ فِی الدّینِ .

اللہ جس کو خیر عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔ (منیۃ المرید ص۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

فَقِیہٌ [وَاحِدٌ] ، اَشَدُّ عَلَی الشَّیطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ .

شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابد سے زیدادہ شاق گزرتا ہے۔ (کتاب العلم، الحدیث ۲۶۸۱)

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

خَصْلَتَانِ لاٰ تَجْتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ : حُسْنُ سَمْتٍ ، وَفِقْہُ فِی الدّینِ .

دو خصلتیں ایسی ہیں جو کبھی منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں: نیک روش، اور دین سے متعلق علم و بصیرت۔ (کتاب العلم، الحدیث ۲۶۸۴)

نیز آپؐ سے مروی ہے:

اَفْضَلُ الْعِبادَۃِ : اَلْفِقْہُ . وَاَفْظَلُ الدّینِ : اَلْوَرَعُ .

سب سے افضل عبادت حلال و حرام کو جاننا ہے اور سب سے بہتر دین حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ (کنز العمّال ج۱۰، ص۱۵۰)

ابی سعید سے منقول ہے کہ کہا: جب نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کہیں بیٹھ جایا کرتے تھے تو ان کی گفتگو فقہ اور احکام دین کے بارے میں ہوا کرتی تھی سوائے یہ کہ کوئی شخص کسی سورہ کی تلاوت کرتے یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہوتا۔ (الطبقات الکبیر ج۲، ص۳۷۴)

حمّاد بن عثمان نے امام جعفر صادقؑ نقل کیا ہے کہ فرمایا:

اِذا اَرادَ اللہُ بِعَبدٍ خیراً فقّھَہُ فِی الدّینِ

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کرنا چاہتا ہے تو اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

(اصول کافی ج ۱، ص ۳۲ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء)

بشیر دھّان نے امام جعفر صادق ؑ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لا خَيْرَ فيمَنْ لا يَتَفَقَّهُ مِنْ اَصحابِنا. يا بَشيرُ ، اِنَّ الرَّجُلَ مِنهُمْ اِذا لَمْ يَسْتَغْنِ بِفِقهِهِ احْتاجَ اِلَيهِمْ ، فَاِذا احْتاجَ اِلَيهِمْ ، فَاِذا احْتاجَ اِلَيهِمْ اَدْخَلوهُ في بابِ ضَلالَتِهِمْ وَهُوَ لا يَعْلَمُ .

ہمارے اصحاب میں سے جو دین کے احکام کو نہیں سیکھے گا وہ کوئی خیر نہیں پا سکتا۔ اے بشیر! جب وہ اپنے دینی احکام میں بے نیاز نہیں ہوں گے تو غیر پر محتاج ہوں گے اور جو غیر پر محتاج ہوا تو وہ اس کو ضلالت و گمراہی میں دھکیل دیں گے جبکہ اس کو معلوم بھی نہیں ہوگا۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۲ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء)

مفضّل بن عمر سے نقل ہوا ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ کو فرماتے ہوئے سنا:

عَلَيْكُم بِالتَّفَقُّهِ فِي دِينِ اللهِ ،وَلا تَكُونُوا اَعْرَاباً ، فَاِنَّهُ مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي دِينِ اللهِ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ، وَلَمْ يُزَكِّ لَهُ عَمَلاً.

تم پر فرض ہے کہ دین کے احکام کو اچھی طرح یاد کرو اور گنوار نہ بنو کیونکہ جو دین کے حلال و حرام کو یاد نہیں کرے گا قیامت کے دن خدا اس کی طرف نگاہِ (لطف) نہیں کرے گا اور نہ اس کے اعمال کو پاکیزہ بنائے گا۔ (منیۃ المرید ص ۱۱۲، ناشر مکتب اعلام اسلامی)

ابان بن تغلب نے آپؑ ہی سے نقل کیا ہے کہ فرمایا:

لَوَدِدْتُ اَنَّ اَصْحابي ضُرِبَتْ رُؤُسُهُمْ بِالسِّياطِ حَتّى يَتَفَقَّهُوا [فِي الْحَلالِ وَالْحَرامِ] .

(جہاں تک کہ) میں چاہتا ہوں کہ اپنے اصحاب کے سردوں پر تازیانے سے مارتا جاؤں یہاں تک کہ وہ امور دین سے متعلق آگاہی حاصل کریں۔ (اصول کافی ج ا،ص ۳۲ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء)

آپ حضرتؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

میں آپ پر قربان جاؤں ! ایک شخص ہے جو اس امر یعنی فقہ کو جانتا ہے لیکن گھر میں گوشہ نشین رہتا ہے اور اپنے آپ کو بھائیوں کے پاس ظاہر نہیں کرتا (تو اس کے بارے میں حضور کیا فرماتے ہیں؟) روای کہتا ہے، اس پر امام ؑ نے فرمایا: تو ایسا شخص کیونکر دینی امور میں فقیہ بن سکتا ہے (اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے) جبکہ وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔

علی بن ابی حمزہ سے مروی ہے کہ کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: دینی امور میں آگاہی حاصل کرو کیونکہ جو دینی امور میں بصیرت نہیں رکھتا وہ گنوار ہے خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

تاکہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آجائیں تو انہیں ڈر سنائیں تاکہ وہ ہوشیار رہیں۔

امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

اَلْكَمَالُ كُلُّ الْكَمَالِ اَلتَّفَقُّهُ فِي الدِّينِ، وَالصَّبْرُ عَلَى النَّائِبَةِ ، وَتَقْدِيرُ الْمَعِيشَةِ.

سب سے بڑا کمال دینی امور میں مہارت حاصل کرنا، دشواریوں میں صبر کرنا اور معاش کا

انتظام کرنا ہے۔ (اصول کافی ج۱،ص۳۲ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء)

سلیمان بن خالد سے بحوالہ امام جعفر صادق ؑ نقل ہوا ہے کہ فرمایا:

مَامِن اَحدٍ یَمُوتُ مِنَ الْمُؤ منِینَ اَحبُّ اِلیٰ اِبْلِیس مِنْ مَوْتِ فَقِیہٍ.

ابلیس کے نزدیک مومنین میں فقیہ کی موت سے زیادہ محبوب کسی کی بھی موت نہیں۔ (اصول کافی ج۱،ص۳۸ کتاب فضل العلم، باب فقد العلماء)

آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا مَاتَ الْمُؤمِنُ تَلِمَ فِی الاِسْلامِ ثُلمَۃٌ لا یَسُدُّھا شَیءٌ.

جب کوئی مومن دنیا سے چلا جاتا ہے تو دین میں ایک ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو کسی چیز سے بھی پُر نہیں ہوسکتا۔ (اصول کافی ج۱،ص۳۸ کتاب فضل العلم، باب فقد العلماء)

علی بن حمزہ سے امام موسیٰ کاظم ؑ کے حوالے سے مروی ہے کہ فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْمؤمِنُ بَکَتْ عَلَیْہِ المَلآئِکَۃُ وَبِقَاعُ الارْضِ الَّتِی کَانَ یَعْبُدُ اللہَ عَلَیھَا ، وَاَبْوَابُ السَّمَاءِ الَّتِی کَانَ تَصْعَدُ مِنھَا اَعْمَالُہُ، وَثَلِمَ فِی الاِسْلامِ ثُلمَۃٌ لا یَسُدُّھا شَیءٌ، لِاَنَّ الْمُؤمِنِینَ الْفُقَھَاءَ حُصُونُ الاِسْلامِ کَحِصْنِ سُوَرِ الْمَدِینَۃِ.

جب کوئی مومن دنیا سے چلا جاتا ہے تو ملائکہ اور زمین کے وہ قطعے جہاں وہ عبادت کیا کرتا تھا، اس پر روتے ہیں اور آسمان کے وہ دروازے بھی جہاں سے اس کے اعمال گزرتے تھے، اور اسلام میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے کوئی چیز پر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ مومن فقیہ اسلام کے مضبوط قلعہ ہوتا ہے جیسے شہر کے حصار اس کے لئے۔ (اصول کافی ج۱، ص۳۸ کتاب فضل العلم، باب فقد العلماء)

دوسری فصل

فرعی علوم کے بیان میں

علوم فرعی سے مراد وہ علوم ہیں جن پر شرعی علوم کی شناخت اور ان کو جاننا موقوف ہے۔

جہاں تک معرت خدا اور اس کے متعلقات (جیسے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ وغیرہ) کی بات ہے تو درحقیقت یہ کسی بھی علم پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کے لئے صرف نظر اور توجہ کافی ہوگی، اور یہ ایک عقلی امر ہے جو ہر مکلّف پر واجب ہے بلکہ ذاتاً واجب ہونے والے تمام علوم میں سے یہی سرفہرست ہے؛ اگرچہ اس علم یعنی معرفت خدا کے مباحث اور دقیق مطالب میں غور خوص اور تحقیق نیز مذاہب باطلہ کی طرف سے پیدا کئے جانے والے شبہات کو دفع کرنا منطق جیسے بعض علوم عقلیہ پر موقوف ہے۔

کتاب العزیز: چونکہ قرآن شریف عربی زبان میں ہے لہذا اس کی معرفت ان علوم عربیہ پر متوقف ہے ہوگی جیسے: نحو، صرف، اشتقاق، معانی و بیان، بدیع اور لغت عربی وغیرہ۔ اس کے علاوہ اصول فقہ پر بھی موقوف ہے تا کہ اس علم کے ذریعے (قرآن کریم میں موجود) عمومات، مطلق ومقید، محکم ومتشابہات وغیرہ جیسے احکام کی قسموں سے آگاہی

حاصل ہو۔

جن علوم پر مذکورہ علوم کو سیکھنا موقوف ہوگا ان کا وجوب بھی انہی کے وجوب کی طرح واجب ہوگا لہذا اگر مذکورہ علوم واجب عینی ہوگا تو یہ مقدماتی علوم بھی واجب عینی ہونگے اور اگر وہ واجب کفائی ہوں گے تو یہ بھی واجب کفائی ہوں گے۔ چنانچہ جلد ہی انشاء اللہ اس کی تفصیلات بیان ہوں گی۔

رہی علمِ حدیث تو اس کے بارے میں وہی حکم ہے جو قرآن کریم میں ہے کیونکہ احادیث کے علوم کتاب عزیز ہی کے علوم ہوتے ہیں البتہ ایک چیز جو احادیث میں یادہ ہے وہ راویوں کے حالات میں عادل ہونے اور نہ ہونے کے حوالے سے آگاہی حاصل کرنا ہے تاکہ اس کے ذریعے یہ جان سکیں کہ کونسی روایت کو قبول کرنا اور کونسی روایت کو رد کرنا واجب ہے اور ایسا صرف علم رجال سے مخصوص ہے۔

علم فقہ: یہ علم مذکورہ تمام علومِ فرعیہ اور اصلیہ پر موقوف ہے:

علم کلام پر اسلئے کیونکہ شرع کی معرفت، شارع اور اسکے عدل وحکمت پر موقوف ہے نیز اس کے مبلغ اور محافظ کی معرفت پر متوقف ہے۔

کتاب عزیز میں پانچ سو آیتیں احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں لہذا جو استدلال کے ذریعے فقہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ان آیتوں کی صحیح معرفت رکھے۔

رہی حدیث تو ان میں سے صرف انہی کی معرفت لازم ہوگی جو احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں تاکہ ان کے اور قرآن کی آیات کے ذریعے ان احکام کو استنباط کیا جائے۔ اگر ان دونوں کے ذریعے استنباط کرنا ممکن نہ ہو تو دوسرے ادِلّے کی طرف رجوع کیا جائیگا جن کے ذریعے استنباط ممکن ہوتا ہے جیسے دلیل عقلی وغیرہ۔ البتہ اُن قوانین اور معیار کے مطابق

جو علم اصولِ فقہ میں مقرر ہیں۔

علم منطق ادلّہ کو پرکھنے کا ایک عمدہ آلہ ہے اور اسی کے ذریعے ہی مطلوب کو ثابت کرنے اور نہ کرنے والی دلیلوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔

تو یہ دس علوم ہیں کہ جن پر علوم شرعیہ موقوف ہیں۔ مجموعی طور پر ان علوم کی بارہ قسمیں بنتی ہیں۔ البتہ علماء کی تدوین کی ہوئی کتابوں کے اعتبار سے یہ علوم آٹھ ہیں کیونکہ علم اشتقاق اکثر علم اصول فقہ اور بعض علوم عربیہ میں شامل کرتے ہیں اور علم معانی بیان اور بدیع بھی اکثر کتابوں میں ایک علم شمار کیا گیا ہے جبکہ تصریف کی اکثر کتب نحو کے ساتھ ضم ہوئی ہیں اور بہت ہی کم ہیں جنہوں نے اس کو ایک مستقل علم قرار دیا ہے۔ مخصوصا علمائے متقدمین کی کتب میں۔ لہذا اس پر صحیح غور فکر کرے۔

....

دوسرا مطلب

احکام شرعی اور اس کے ملحقات کے بیان میں

احکام شرعی تین قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں: واجب عینی، واجب کفائی اور سنت

پہلی قسم: یعنی واجب عینی سے مراد وہ واجب ہے جو خود مکلّف کے بغیرہ دوسرں کے ذریعے ادانہیں ہوتا اور حدیث:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. کو اسی معنی پر حمل کیا گیا ہے۔ احکام شرعی کا یہ علم اعتقاد، فعل اور ترک سے مربوط ہوتا ہے۔

ا۔ کلمہ شہادتین، اور ان چیزوں پر اعتقاد رکھنا ہے جو خدا کے لئے واجب یا ممتنع ہیں اسی طرح امامتِ امامؑ اور حضرت محمد ﷺ کے سنائے گئے دنیا و آخرت کے حالات کی تصدیق کرنا جو متواتر احادیث کے ذریعے ثابت ہو چکے ہیں۔ یہ سب ایسے دلائل کے ذریعے ثابت ہونے چاہئیں کہ جس سے نفس کو اطمینا اور یقین حاصل ہو۔ اس کے علاوہ متکلمین کی طرف سے پیش کئے گئے ادِلّوں اور علم کلام کے دقیق نکات میں غور خوص

کرنا وغیرہ واجب کفائی ہوگا تا کہ اس کے ذریعے دین کو باطل عقیدہ رکھنے والوں کے شبہات سے محفوظ رکھیں۔

فعل: واجب فعل سے مراد واجب نماز کو سیکھ لینا ہے البتہ حد بلوغت کو پہنچ کر) مکلّف ہونے اور اس کا وقت داخل ہونے کے بعد یا اس سے پہلے بطور یکہ اس کا سیکھنا اسی وقت پر ہی متوقف ہو اور اسی طرح دوسرے افعال و اعمال جیسے زکوۃ، روزہ، حج اور امر بہ معروف اور نہی از منکر وغیرہ بھی واجب ہیں۔

لیکن فقہ کے دوسرے ابواب جیسے عقود و ایقاعات (یعنی خرید و فروخت اور نکاع وغیرہ) تو یہ صرف انہی صورت میں مکلّف پر واجب عینی ہوتا ہے کہ جب کتب فقہ میں مذکور اسباب میں سے کوئی سبب حاصل ہو جائے وگرنہ یہ افعال واجب کفائی ہیں۔

انہی واجبات عینی میں سے ان چیزوں کے حلال و حرام کے بارے میں سیکھ لینا بھی ہے جن کی ہمیں ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے جیسے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں وغیرہ۔ اسی طرح زوجیت اور میاں بیوی کے مسائل نیز غلاموں اور کنیزوں سے متعلق مسائل کا سیکھ لینا بھی ان افراد کے لئے واجب ہیں جن کی بیوی یا کنز اور غلام وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

ترک: واجبات عینی میں سے ایک ترک بھی ہے جو مذکورہ موارد میں سے بعض کو شامل ہتا ہے تا کہ ان کو نیز ان جیسے دیگر (منفی) افعال سے اجتناب کیا جا سکے۔ بلکہ ایسی چیزوں کو سیکھنا زیادہ اہم ہے جن کے ذریعے دل کو، ریاء، حسد، عجب اور تکبر جیسے مہلک بیماریوں سے پاک و صاف رکھا جا سکتا ہے، چنانچہ کتاب کے آغاز میں ہم نے ذکر کر دیا۔ اس موضوع یعنی منفی اعمال کے مسائل ایک جداگانہ علم میں ذکر ہو چکے ہیں اور یہ تو عظمت و مرتبت کے اعتبار سے سب سے بہتر علم ہے۔

مگر افسوس کہ یہ علم اس قدر زوال پذیر ہو چکا ہے کہ اب اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

اگر ان واجبات میں سے بعض کا سیکھنا بعد میں وقت نہ ہونے کی بنا پر ان کے وقت پہنچنے سے پہلے ان میں مشغول ہونے پر منحصر ہو تو ولی یا سرپرست پر واجب ہے کہ اپنے بچے کو وقت سے پہلے ثواب کے قصد سے یہ اخلاقی مسائل سکھائے۔ بلکہ حکم خدا کے مطابق گھر کے تمام افراد کو ان خلاق کی تعلیم دینا واجب ہے کہ جس ذریعے جہنم کی آگ سے نجات پائی جاسکتی ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

یاَاَیُّھَاالَّذِینَ آمَنُوا قُوا اَنفُسَکُمْ وَاَھْلِیکُمْ ناراً ۔اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچالو۔ (تحریم/٦)

حضرت علی - نیز بعض مفسرین نے فرمایا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو وہ چیزیں سکھاؤ جن کے ذریعے جہنم کی آگ سے نجات پائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہو اور ہر ایک سے اپنے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا۔

واجب کفائی:

اس سے مراد وہ شرعی علوم ہیں جن کو سیکھنا دین کی بقاء کے لئے لوگوں پر لازم ہوتا ہے: جیسے قرآن واحادیث اور ان دونوں سے متعلق علوم کو یاد کرنا۔ اسی طرح علم فقہ و اصول، ادبیات عرب، علم رجال، اور زندگی میں ضرورت پڑنے والے دیگر شعبوں کا علم مثلاً علم طبّ، حسابیات، علم صنعت، دہذی ہ کام [illegible] راعت اور حتی کہ حجامت وغیرہ کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔

فرع:

بعض علماء نے کہا ہے: واجب عینی کفائی سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ واجب کفائی پر بعض افراد کے عمل کرنے کے ذریعے سبھی مکلّف اس کے ترک پر مرتکب ہونے والے گناہ سے محفوظ رہتے ہیں جبکہ واجب عینی میں فقط اس پر عمل کرنے والا گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔

سنت:

یعنی مستحبی عبادات، دینی آداب اور اچھے اخلاق و کرادر وغیرہ کا علم حاصل کرنا جو کہ بہت زیادہ مہم ہیں۔ عظمت خداوند کی معرفت کے واسطے علم نجوم اور ان علوم کا سیکھنا بھی مستحب ہیں جن پر علم نجوم موقوف ہے جیسے علم ہندسہ وغیرہ۔

وہ علوم جن کا سیکھنا مطلقا یا بطور مشروط حرام ہے

رہے وہ علوم جن کا سیکھنا مطلقا حرام ہے جیسے علم سحر، شعبدہ بازی اور بعض قسم کا فلسفہ اور ہر وہ علم جس سے انسان کے اندر شکوک وشبہات پیدا ہوں۔ان میں بعض علم کچھ اعتبار سے حرام ہیں اور کچھ اعتبار سے حرام نہیں؛ مثلا علم نجوم و رَمَل کے احکام کیونکہ ان کو صرف اس اعتقاد کے ساتھ سیکھنا حرام ہے کہ ان احکام کی پوری پوری تاثیر ہوتی ہے اور جو کچھ واقع ہوتا ہے انہی کے مطابق ہوتا ہے، اور اس حقیقت کے اعتقاد کے ساتھ سیکھنا مباح ہوگا کہ ہر کام خدا ہی کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے اور یہ کہ خدا نے کچھ خاص اطوار و عادات جاری کیے ہیں جو بعض آثار و واقعات کے اسباب ہوتے ہیں اور ان سے نیک یا بدشگونی لی جاتی ہے۔

بعض علوم کا سیکھنا مکروہ ہے جیسے غزل اور بیہودگی اور تضیع وقت پر مشتمل مُوَلّدین کے اشعار۔ البتہ ان میں سے بعض مباح اور جائز ہیں جیسے تواریخ اور واقعات نیز ایسے اشعار جو بیہودگی اور تضییع عمر سے خالی ہوں اور کوئی واجبی اور لازمی مطالب بھی ان

میں شامل ہوں جیسے خالص عربی اشعار جو کتاب وسنت کی عبارتوں کے بارے میں استشہاد کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ یہ اشعار علم لغت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

باقی علوم جیسے علم طبیعت اور ریاضیات میں سے اکثر بذات خود تو مباح ہیں لیکن ممکن ہے کہ کبھی، تکمیل نفس اور ان کے ذریعے دیگر شرعی علوم کے لئے آمادہ ہونے نیز انسانی فکر ونظر کو تقویت ملنے کے حوالے سے ان میں سے بعض کو مستحب قرار دیا جائے۔ جبکہ ان میں سے جو عینی یا کفائی طور پر واجب علوم میں کوتاہی کا باعث ہوں، حرام قرار پاتے ہیں جو کہ ہمارے اس دور میں، حقائق دین سے محروم اور غافل اکثر افراد کے ساتھ اتفاق ہو رہا ہے۔

اسی قبیل میں سے ان علوم کا اپنے معتبر اور معیّنہ حدود سے زیادہ حاصل کرنا بھی ہے جو شرعی علوم کے لئے آلہ اور ادزار کی حیثیت رکھتے ہیں بنابراین ان میں حدِ آلیت اور ضرورت سے تجاوز کر جانا مباح نہیں ہوگا البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ لوگوں کے شرعی علوم کے حصول پر بحدِ کفایت اقدام نہ کرنے کی بنا پر ان کا وجوب باقی ہو۔

اقسام علوم اور ان کے احکام کا تفصیلی بیان کسی اور محل پر تحریر کیا جائے گا کیونکہ یہاں ان کا ذکر کرنا کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ علوم شرعیہ کو صرف ان چاروں علوم (کلام و اصولِ دین، کتاب عزیز، حدیث اور علم فقہ) کے ساتھ مختص کرنا بعض علماء کا ایجاد کیا ہوا اصطلاح ہے جبھی تو بعض علماء نے صرف آخری تین قسموں کو علوم شرعیہ سے مختص کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر واجب یا مستحب علم کو اس اصطلاح کی طرف لوٹائے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ یہ مناسبت کہ وجہ سے بنایا ہوا صرف ایک اصطلاح ہے؛ اور خدا ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تیسرا مطلب

متعلم کے لئے لازم ترتیبِ علوم کے بیان میں

یہ بات جان لینی چاہئے کہ مذکورہ تمام علوم کے سیکھنے کے مخصوص رُتبے اور درجے پائے جاتے ہیں لہذا طالب علم پر لازم ہے کہ ان مراتب کی رعایت کرے تاکہ اس کی محنت رائیگاں نہ جائے اور تحصیل علم میں زیادہ دشواری پیش آئے بغیر جلد ہی اپنا مقصود کو پا سکے۔ کتنے ہی ایسے طالب علم ہم نے دیکھے ہیں جو ان مراتب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے حصول علم میں ایک طویل عرصہ گذارنے کے باوجود بہت کم علم حاصل کر سکے، جبکہ بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان مراتب کی رعایت کرنے کے سبب سے بہت کم عرصے میں زیادہ علم حاصل کیا ہے۔

یہ نکتہ بھی جان لینا چاہئے کہ ان علوم سے غرض بذات خود ان کو حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ان سے اصل ہدف خدا کے مقصد اور مشیت کے موافق ہونا ہے جس کے لئے یا تو ان علوم کو رضائے الٰہی تک پہنچنے کا وسیلہ اور اوزار کے طور پر حاصل کرنا چاہئے یا علم وعمل، یا نظام وجود

کو قائم کرنے یا لوگوں کو راہنمائی اور ارشاد کے مقصد سے حاصل کیا جائے یا اس کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لے ہو۔ انہی مقاصد اور اہداف کے مختلف ہونے کے پیش نظر ان کے سیکھنے کے مراتب اور مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں۔

بنابراین جو کم عمری اور آغاز جوانی میں علم سیکھنا شروع کرے جبکہ اس میں مراتب علوم کو طے کرنے اور دینی امور میں استدلال واستنباط کے ذریعے تفقہ اور جستجو کرنے کی اہلیت پائی جاتی ہو تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے کتاب خدا اور اس کی تجوید (صحیح پڑھنے کے قوانین) کو کما حقہ حفظ کرے تاکہ یہ عمل اسکے لئے کامیابی کی کنجی اور ایک بہترین مدگار ثابت ہو نیز اس کے ذریعے دل نورانی ہو کر دوسرے علوم کو سمجھنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔

جب اس علم سے فارغ ہو جائے تو علوم عربیہ میں مشغول ہونا چاہئے کیونکہ یہ علوم، شرعی علوم کے سیکھنے اور سمجھنے کا سب سے پہلا زینہ اور سب سے بڑا وسیلہ ہیں لہذا پہلے علم تصریف پھر بتدریج اس علم کی آسان کتب کے بعد مشکل کتابیں شروع کرے اور چھوٹی کتابوں سے بڑی کتابوں کی طرف بڑھے تاکہ اچھی طرح اس علم پر احاطہ پیدا کرے۔

پھر علم نحو شروع کرے اور اس میں بھی یہی روش اختیار کرے البتہ ایک چیز اس علم میں اضافہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے مطالب کو یاد کرنے میں بہت زیادہ جدوجہد کرے چونکہ معانی کو سمجھنے اور کتاب وسنت میں عبور حاصل کرنے میں اس علم کا بڑا دخل پایا جاتا ہے کیونکہ کتاب وسنت دونوں ہی کی زبان عربی ہے۔

پھر اس کے بعد دوسرے علوم عربیہ میں مصروف ہو جائے۔ جب یہ تمام علوم سیکھ چکے تو منطق شروع کرے اور اس کے مطالب کے کھوج لگانے میں میانہ روی کے ساتھ کوشش کرے اور اسقدر زیادہ اس میں محنت نہ کرے جتنی دوسرے علوم میں کرنی چاہئے کیونکہ

جب اس قدر مشقت اٹھائے بغیر ہمارا مقصد حاصل ہورہا ہے تو اس طرح کرنا اکثر و بیشتر وقت کو ضائع کرنے کا موجب ہوگا۔

علم منطق کے بعد علم کلام کا آغاز کرے اس میں بھی مذکورہ روش یعنی متوسط انداز کو اپنائے۔ اس علم کے علاوہ طبیعیات سے بھی خوب آگاہ ہونا چاہئے تا کہ اس کے ذریعے بحث پر اچھی طرح تسلط حاصل ہو اور عوالم اور ان کی خصوصیتوں کے بارے میں مکمل طور پر مطلع رہے۔

پھر علم اصول فقہ میں مشغول ہو جائے اور اس میں بھی مذکورہ ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے بتدریج آسان کتب کے بعد مشکل کتب کا انتخاب کرے۔ اس علم کو ساتھ ساتھ لکھتے جانا بہت مناسب ہے۔ جو دین خدا میں تفقہ اور استنباط کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے علم نحو کے بعد اس مین تحقیق کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس سلسلے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں برتنی چاہئے پھر جتنی اس علم کے مسائل پر تحقیق عمل میں آئے گی اتنی ہی، مباحث فقیّہ اور شعی ادلّوں کے بارے میں اپنی طرف سے تحقیق کرنی چاہئے۔

اس مرحلے کے بعد حدیث سے مربوط علم درایہ میں مشغول ہو جائے اور گہرے مطالعہ کے ذریعے اس کے قواعد اور اصطلاحات پر تسلط حاصل کرے۔ یہ کوئی زیادہ دقیق اور باریک علم نہیں ہے بلکہ وضع کیے گئے اصطلاحات اور قوانین کا مجموعہ ہے۔

جب ان میں وہ اپنا مقصد پا جائے تو حدیث و روایات اور تفسیر وغیرہ کی قرأت اور حسب ضرورت تصحیح کا کام شروع کرے بلکہ اس میں زیادہ وقت لگانا چاہئے اور اس سلسلے میں کم از کم کتب اربعہ میں فقہ و حدیث کے ابواب پر مشتمل کوئی متن اختیار کرنا چاہئے۔

اس کے بعد احکام شرعیہ سے متعلق قرآنی آیات کی بحث و تحقیق شروع کرے۔

علماء نے اس بحث (یعنی احکام شرعیہ سے متعلق آیات کی بحث) کو جداگانہ اور مستقل طور پر ترتیب دے کر ان کو تصنیف کیا ہے۔ لہذا اس کے اسرار و رموز کے بارے میں کھوج لگانا چاہئے اور اس کے دقیق مطالب پر غائرانہ نظر کرنی چاہئے۔ علم (یعنی فقہ القرآن) کی کوئی حدّ و حدود نہیں پائی جاتی کہ جہاں تک اذہان رسائی حاصل کرسکیں کیونکہ یہ دوسرے علوم کی طرح مخلوق کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ ملک العلاّم کا کلام ہے جس (کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا) جبکہ لوگوں کا فہم وہیں تک ہوتا ہے جہاں تک ان کی عقل جاتی ہے اور اسی حد تک ان کے اذہان میں گنجائش ہے۔

جب ان سے فارغ ہو جائے تو فقہی کتب میں مشغول ہو جائے پس فقہی کتب میں سے پہلے اس کتاب کو پڑھے جس کے ذریعے فقہ کے ابواب، رؤوسِ مسائل اور اس کے اصطلاحات و ضوابط سے آگاہی حاصل ہو سکے کیونکہ ان اصطلاحات و قواعد کو دوسرے علوم کے برعکس، صرف اساتید ہی کے ذریعے سیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کتاب شروع کرے جو اسے فقہی بحث و استدلال سے مانوس کریں، فرع کو اصل سے استنباط کرنے اور اس کو متعلقہ علم کی طرف پلٹانے نیز کتاب و سنت کی نص یا لفظ کے عموم یا اس کے اطلاق سے حکم کو اخذ کرنا سکھاتی ہوں کیونکہ فقہ کی طرح اور کوئی بھی علم بطور عموم معاشرے سے مربوط اور اس کی ضرورت پر مشتمل نہیں ہے لہذ اس علم میں بڑھ چڑھ کر کوشش اور جد جہد کرنی چاہئے کیونکہ یہی علم نہایت مقصود اور انبیاء کی وراثت ہے اس ہدف کو پانے کے لئے صرف یہی کچھ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ سے مدد اور توفیق کا طلبگار ہو کیونکہ وہی اس کو اس مقصد اور مقام تک پہنچا سکتا ہے۔ خدا ہی اس کے دین کو سیکھنے اور سمجھنے میں سب سے زیادہ موثر ہے اور اس میں بندوں کے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہوتا بلکہ یہ

توصرف خدا کی ایک عطا اور بخشش ہے اور خدا جسے چاہتا ہے یہ نعمت عطا کر دیتا ہے البتہ مخلوق سے رشتہ توڑ کر خالق ہی سے ناطہ جوڑتے ہوئے جدو جہد اور کوشش کرنے میں اس موہبت اور توفیق الٰہی کے پانے میں واضح اثرات اور نشانیاں پائی جاتی ہیں:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ . جو ہماری رہ میں جدو جہد کرے گا تو ہم ضرور بہ ضرور اسے اپنے راستے کی طرف راہنمائی کریں گے ،اور اللہ تو یقیناً اچھائی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (عنکبوت/٦٩)

پھر جب ان تمام علوم کو حاصل کر چکے تو پورے طور پر تفسیر قرآن میں مشغول کیونکہ یہ تمام علوم اسی کے لئے مقدمہ ہیں لہذا جب اس میں کامیابی حاصل کرے تو صرف مفسروں کی آراء اور نظریات پر اکتفاء نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنی طرف سے بھی اس میں کافی غور فکر کرنا چاہئے اور اس کی لطیف اور پوشید معانوں سے آگاہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے اور خدا کے حضور میں گڑگڑاتے ہوئے دعا کرے کہ وہ اپنی کتاب عزیز کے اسرار سمجھنے کے لئے فہم وشعور عطا کرے۔ تو اس صورت میں اس پر ایسے حقائق بھی آشکار ہو جائیں گے جو دوسرے مفسروں پر نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم ایک گہرا سمندر ہے جس کے عمق میں گراں بہا گوہر اور ظاہر میں بھی خیر کی باتیں ہیں اور لوگ تو اپنے مراتب اور کوشش و ہمت نیز خدا کی طرف سے عطا شدہ فہم و وسعت کے تحت ان جواہروں کو پالیتے اور ان کے بعض حقائق سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ ہم تفاسیر کو بھی ان کے لکھنے والوں کے علمی رنگ کے مطابق مختلف اور گونا گوں پاتے ہیں۔ مثلاً زمخشری کی تفسیر ''الکشاف'' میں عربی ادبیات کا رنگ نظر آتا ہے جبکہ رازی کی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' مین فلسفہ کا غلبہ پایا جاتا ہے، تفسیر ثعلبی ''الکشف والبیان

’’میں قرآن کے قصے اور تاریخ زیادہ نمایاں ہیں اور عبدالرّزاق القاشی کی تفسیر میں ظاہری تفسیر کی بجائے صرف حقائق کی تأویلات اور تفصیلات پائی جاتی ہیں اور اسی طرح دوسری تفاسیر میں بھی مختلف انداز پائے جاتے ہیں۔

مشہور روایت ہے کہ: قرآن کی بہت سی تأویلات، حقائق و دقائق ہیں نیز مختلف رخ اور سرچشمے پائے جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ.

یہ تو خدا کا فضل و عنایت ہے ہے جو جسے چاہے وہ عنایت کرتا ہے اور خدا تو عظیم فضل وکرم کا مالک ہے۔ (جمعہ/۴)

جب ان سے فارغ ہو جائے اور اگر مزید ترقی اور تکمیل نفس کا ارادہ رکھتا ہو تو طبعیات، ریاضیات اور تزکیہ نفس پر مشتمل حکمت عملیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور ان کے علاوہ باقی علوم اس دنیائے فانی کی ضرورتوں میں سے ہوں گے۔

ان مراحل سے سبکدوش ہونے کے بعد علوم الٰہیہ اور فنون حقّہ (وہ علوم جو خدا کی معرفت اور عرفان پر شامل ہو) کی طرف منتقل ہو جائے کیونکہ یہی علم مذکورہ تمام علوم کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں اور انہی کے ذریعے انسان مقربین اور واصلین کا مقام و مرتبے کو حاصل کرسکتا ہے۔ خدا ہمیں اور آپ کو اس مقام تک پہنچائے وہی کریم اور بہت زیادہ عنایت کرنے والا ہے۔

البتہ یہ سب ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان علوم کو حاصل کرنے کی استعداد اور اہلیت رکھتے ہوں لیکن جو لوگ مختلف موانع کی بنا پر اس مقصد اور مقام کو پانے سے قاصر اور محروم ہوں تو ان کو چاہئے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکیں، مذکورہ ترتیب کے مطابق علوم کو حاصل کریں

پھر اگر وہ فقط چند علوم کو حاصل کرنے پر مجبور ہو تو کم از کم اسے علوم شرعیہ اور دینی احکام سیکھنے چاہئیں۔

اگر تمام علوم شرعیہ کیلئے وقت کی کمی پیش آئے یا استعداد اور طاقت نہ رہے تو ان میں سے سب سے پہلے علم فقہ کو حاصل کرنا بہتر ہے کیونکہ اسی پر تمام انبیاءؑ کی رسالت اور معاش زندگی کا نظام استوار ہے۔ اس کے علاوہ اس میں نفس کی تربیت، تزکیہ اور اصلاح قلب جیسے نفسانی علاج پایا جاتا ہے، اور اس کی بدولت ہی عدالت پائی جاتی ہے جس سے زمین و آسمان کا توازن قائم ہے نیز اسی میں تقویٰ جیسے عمل پایا جاتا ہے جو ہر علم کا معیار اور محور ہے۔

جب طالب علم تمام علوم کی راہ و روش سے سے فارغ ہو جائے تو پھر عمل کے میدان میں اترنا چاہئے جو علم کا ماحصل اور خلقت عالم کی علت و سبب ہے۔ قول خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونَ. اور میں نے جن وانس کو صرف اور صرف (اپنی) بندگی کے لئے خلق کیا ہے۔ (ذاریات/۵۶)

یہ سارے علوم عمل کے لئے قریبی یا دور کے اوزار و وسائل کی منزلت رکھتے ہیں چنانچہ ہم نے باب اول میں اس بات کو ثابت کر دیا۔ لہذا کتنا ہی احمق، نادان اور خسارت اٹھانے والا ہوگا وہ شخص جو علم کو ایک پیشہ کے اعتبار سے حاصل کرتا ہے تا کہ اس کے ذریعے صرف معاش کیلئے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر اپنی پوری عمر اور جد وجہد کو اس کے آلات و وسائل کی تحصیل میں گنوا دیتا ہے بغیر اس کے کہ اس علم کے ذریعے اس کا اصل ہدف (عمل) کو پانے میں مشغول رہے لہذا اس سلسلے میں غور وفکر کرو انشاء اللہ کامیاب ہو جاؤ گے۔

خاتمہ کتاب

خدا آپ کو کامیابی و کامرانی عطا کرے، جان لو کہ میں نے آپ کو سیدھے راہ کی نشاندہی کی اور اسکی صحیح کیفیت اور حقیقت بتلادی نیز کمالِ آداب کو آپ کے لئے کھول کر بیان کیا اور آپ کو اس راستے پر لگانے کیلئے آمادہ کیا اب آپ کو چاہئے کہ اس سلسلے میں کوشش وجدوجہد سے کام لیں، اپنی عمر کی مختصر فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھائے اور نفسانی اور معنوی فضائل اور علمی کمالات حاصل کریں کیونکہ یہی سعادتِ ابدی اور ہمیشہ کی عظیم نعمتوں کا سبب اور وسیلہ ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی اور سدا آپ کے لئے باقی رہے گی چنانچہ علوم حکمیّہ سے ثابت ہو چکا ہے اور اس پر قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ بھی دلالت کرتی ہیں لہذا اس مختصر مدت میں کمال کے حصول میں کوتاہی کرنا آپ کی دائمی حسرت و پشیمانی کا باعث ہوگا۔

اپنے جی میں ذرا سوچئے کہ اگر آپ بابصیرت ہیں تو کبھی اس بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ اپنے محلے کے ہم عمر بچوں سے پیچھے رہ جائیں اور ان کا علم اور شان وشوکت

میں زیادہ ترقی کر جانا آپ کے لئے باعث رنجش ہوگا جبکہ آپ اور وہ بچے اس عارضی دنیا میں جلد ختم ہونے والی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ کے اس نقص سے سوائے ایک چند کے دوسرے لوگ آگاہ بھی نہیں ہیں؛ پس اگر آپ عاقل ہیں تو کیسے اس بات کو برداشت کریں گے کہ کل آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی میں تمام دنیا والوں، انبیاءؑ، مرسلینؑ، شہداء، صالحین، علمائے راسخین اور ملائکہ مقربین کے سامنے، آپ سب سے پچھلے صف اور کم ترین درجے پر ہوں۔ حالانکہ ان کے اخروی درجات بھی اسی فانی دنیا اور مختص مدت میں حاصل کئے ہوئے کمالات کے مطابق ہوں گے۔ جبکہ آپ بھی اس دنیا میں کمالات کے حصول پر قدرت رکھتے تھے لہذا آپ کا اس سلسلے میں کوتاہی کرنا صرف کم عقلی کی بات ہوگی۔ ہم اس طرح کے خوب غلفت اور غلطیوں سے خدا ہی کی پناہ مانگتے ہیں۔

یہ سب کچھ آپ اس دنیا میں صحت و سلامت اور آخرت میں آگ کے عذاب سے امان میں ہونے کے فرض میں ہے پھر کیا معلوم کہ آپ کو اس عذاب سے امان ملے بھی کہ نہیں۔ پھر آپ جان چکے ہیں کہ ان علوم میں سے اکثر یا واجب کفائی یا واجب عینی ہیں، اور یہ کہ واجب کفائی پر اگر بطور کفایت عمل نہ ہوا تو اس کے گناہ میں سبھی شامل ہوں گے اور اس صورت میں وہ بھی واجب عینی ہی کی طرح ہوگا۔

پھر اس زمانے میں بلکہ اکثر زمانوں میں علوم شرعیہ مخصوصا حصول علوم فقہ جیسے واجبات اور فرائض پر رضایت خدا کے مطابق عمل کرنے والے کہاں ہیں؟ کیونکہ علم فقہ کا سب سے کم مرتبہ واجب کفائی ہے اور اس واجب کو ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ہر علاقے میں ایک ایسا شخص ہو جو اس پر بطور کفایت عمل کرے اور ایسا اُس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک اکناف عالم میں کثیر تعداد میں فقہاء موجود نہ ہوں اور ایسا اس دور میں کہاں ہے؟

یہ سب کچھ اس صورت میں ممکن ہے کہ مطلوبہ علوم کے حصول اور احادیث کی کتب اور ان کی تصحیح و اصلاح وغیرہ پر حسب ضرورت اقدام کیا گیا ہو جبکہ یہ سب اس (شہید ثانی ؒکے) دور میں کالعدم ہیں لہذا علم فقہ سیر رو گردانی کرتے ہوئے دوسرے علوم اور ان علوم کے حصول میں، جو اس کے مقدمات ہیں، مشغول ہو جانا ایک گناہ عظیم ہوگا اگرچہ وہ عبارات اور تلاوت قرآن کی صورت میں ہوں۔ تو (بتائیں) کہ علوم شرعیہ کے حصول سے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہوئے اس قسم کی کم ہمتی (یعنی صرف تلاوت اور کھوکھلی عبارتوں) پر راضی ہونے والے اور ترقی کے منازل سے محروم رہنے والے کیسے قیامت کی ان ہولناکیوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟

پھر بھی فرض کریں کہ آپ ان تمام ہولناکیوں اور سختیوں سے محفوظ رہیں گے لیکن آپ کا اور دوسرے حیوانوں میں فرق صرف قوت عقلیہ کے ذریعے سے ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے صرف انسان سے مخصوص فرمایا ہے اور جس کے ذریعے حق و باطل میں امتیاز کیا جا سکتا ہے اور وہی آپ کی دنیا و آخرت دونوں کے نفع کو حاصل کرنے کا سبب اور موجب بنتی ہے ۔لہذا آپ کا، عقل کی اس نعمت سے صحیح کام لینے میں کوتاہی برتتے ہوئے دوسرے ہلاکت آمیز کاموں جیسے کھانے پینے وغیرہ میں کھو جانا ایک کھلی خسارت ہوگی جبکہ آپ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے علم و عمل کے ذریعے ملائکہ مقربین میں شامل ہو سکتے ہیں بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ سکے ہیں؛ کیونکہ اس طرح کے ظاہری کاموں میں تو حیوانات حتی کہ کیڑے مکوڑے بھی شامل ہوتے ہیں چونکہ وہ بھی کھاتے پیتے اور ذخیرہ کرتے نیز مجامعت اور تولید مثل کا عمل بھی انجام دیتے ہیں۔ (تو اس صورت میں ہم اور ان میں فرق کیا رہا؟)

لہذا ہوشیار ہو جاؤ اے میرے بھائیو اور اے میرے دوستو! ''اللہ ہمیں اور آپ لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار رکھے'' اور اپنی مہلت کے ان ایام کو غنیمت جانو اور امکان اور فرصت کے ہاتھوں سے نکل جانے سے پہلے اپنی تباہکاریوں کا تدارک کرو اور کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرو۔ کیا ہی افسوس و پشیمانی ہوگی اس شخص کو جو اپنی کھوئی ہوئی چیزوں اور ہمیشہ رہنے والی مشقتوں کی تلافی کے لئے کوشش نہیں کرتا!

خدا ہمیں اور آپ لوگوں کو غفلت سے بیدار اور زندگی کی بقیہ مہلت کو علوم شرعیہ کے حصول میں مصروف رکھے اور ہم سب کو اپنی بارگاہِ شرف میں بلند مقام سے نوازے! یقیناً وہی سب سے زیادہ کرامت والا اور وہی سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

خدواند متعال کی حمد و ثناء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان عصمت وعدالت پر درود بھیجتے ہوئے نیز اپنے گناہوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہوئے، یہی پر ہم اس کتاب کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ بیشک وہی سب سے زیادہ بخشنے والا اور بے حد رحم کا مالک ہے۔

خدا کے عفو و رحمت کا طلبگار مؤلف زین الدین بن علی بن احمد شامی عاملی، بروز جمعرات قبل از ظہر، بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۹۵۴ھ کو اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوا۔ خدا اسے اپنی رحمت سے قبول فرمائے اور اپنے دستِ شفقت و عنایت سے اسے لے لے، بیشک وہی سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

بحمد اللہ: اختتام ترجمہ، ۵ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۶ جنوری ۲۰۰۶ء بروز جمعہ بوقت ظہر بمقام جوارِ ثامن الائمہ علی بن موسی الرضا - مشہد مقدس۔

حقیر مترجم، محمد بشری عاملی اسکردوی

دعائے توسل
دعائے کمیل
دعائے صباح
دعائے نور
دعائے یستشیر
دعائے سباسب
دینی کتب کے لیے آپ کا اپنا مرکز
کریم پبلیکیشنز
سمیع سینٹر 38 اردو بازار لاہور فون 042-7122772